

# اسلام اور موسیقی

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواوی

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

## جملہ حقوق محفوظ

---

طبع	دوم
سنہ اشاعت	جون 1997ء
تعداد	2000
ناشر	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ
قیمت مطبع	-/225 روپے طیبہ پرنٹرز، لاہور

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کے تعاون سے شائع کی گئی۔

## فہرستِ مضامین

الف	مقصدِ تحریر
۱	قرآن اور جمالیات
۱	فطرت اور جمالیات
۲	مادیت اور روحانیت
۲	امتزاجِ روحانیت اور مادیت
۳	رہبانیت کے نمونے
۵	مادیت کے نمونے
۶	اسلامی رجحان
۷	قرآن کی جمال پسندی
۱۳	احسان کا مطلب
۱۶	صرف حسین نہیں بلکہ حسین تر
۲۱	قرآن میں ذکرِ موسیقی
۲۴	حدیث اور جمالیات
۲۸	وید و شنید
۳۳	سیدنا داؤد علیہ السلام
۳۳	بائبل کا مقام

۳۳	زبور
۳۴	مزمو ر کا مطلب
۳۵	زبور کے غنائی اشارات
۳۷	متناج
۳۸	حرفِ آخر
۳۹	مزامیر داؤدؑ
۴۱	کیا چیزیں گائی جاسکتی ہیں؟
۴۶	شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب
۵۱	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۵۲	۱۔ عبد اللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب
۵۳	۲۔ عبد اللہ بن زبیرؓ
۵۴	۳۔ معاویہؓ بن ابی سفیان اموی
۵۶	۴۔ عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ
۵۷	۵۔ عثمان ذوالنورینؓ رضی اللہ عنہ
۵۸	۶۔ عبد الرحمنؓ بن عوف
۵۸	۷۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح
۵۸	۸۔ سعد بن ابی وقاصؓ
۵۸	۹۔ ابو مسعود بدریؓ
۵۸	۱۰۔ عبد اللہؓ بن ارقم
۵۸	۱۱۔ اسامہ بن زیدؓ
۵۸	۱۲۔ حمزہؓ بن عبد المطلب
۵۸	۱۳۔ عبد اللہ بن عمرؓ

- ۵۸ ۱۴- براء بن مالکؓ
- ۵۸ ۱۵- عمرو بن العاصؓ
- ۵۸ ۱۶- نعمان بن بشيرؓ
- ۵۸ ۱۷- حسان بن ثابتؓ
- ۵۸ ۱۸- خوات بن جبيرؓ
- ۵۸ ۱۹- رواح بن المغيرةؓ
- ۵۸ ۲۰- عبدالله بن عمروؓ
- ۵۸ ۲۱- عائشة صديقةؓ
- ۵۸ ۲۲- ربيع بنت معوذؓ
- ۵۸ ۲۳- مغيرة بن شعبهؓ
- ۵۸ ۲۴- بلال حبشيؓ
- ۵۸ تابعين رضي الله عنهم
- ۵۹ ۱- سعيد بن مسيب
- ۶۰ ۲- سالم بن عبدالله بن ممر بن خطاب
- ۶۰ ۳- عبدالعزیز بن عبدالمطلب (قاضی)
- ۶۱ ۴- خارجہ بن زید
- ۶۱ ۵- عبدالرحمان بن حسان بن ثابت
- ۶۲ ۶- قاضی شريح
- ۶۲ ۷- شعبی محدث (۱۹-۱۰۳ھ)
- ۶۲ ۸- عبدالله بن محمد بن عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق
- ۶۳ ۹- عطاء بن رباح
- ۶۳ ۱۰- سعد بن ابراهيم

۶۴ ۱۱۔ امام مالک

۶۴ شیخ تابعین رحمہ اللہ

۶۴ ۱۔ عبد المالك بن جریج

۶۵ ۲۔ عبد الملك بن ماجشون (مفتی)

۶۶ ۳۔ عبد الله بن مبارک

۶۷ ۴۔ شعبہ

۶۷ ۵۔ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف

۶۸ ۶۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ

۶۹ ۷۔ امام داؤد طائی

۷۰ ۸۔ قاضی ابو یوسف

۷۰ ۹۔ امام شافعی

۷۲ ۱۰۔ امام احمد بن حنبل

۷۳ ۱۱۔ احمد بن ابی داؤد

۷۳ ۱۲۔ محمد بن اسحاق بن سلیم (قاضی)

۷۵ ۱۳۔ ابو طالب مکی (۳۸۶ھ)

۷۶ چند فقہاء

۷۹ چند مزید صلحاء (المل مشرق)

۷۹ ۱۔ امام عزالدین بن عبد السلام

۸۰ ۲۔ شیخ تاج الدین فزاری

۸۰ ۳۔ تقی الدین بن دقین العید

۸۱ ۴۔ امام بدر الدین بن جماعہ

۸۱ ۵۔ شیخ شمس الدین امبہانی

- ۸۱ ۶۔ شیخ نقوشانی
- ۸۱ ۷۔ شیخ علاؤ الدین ترکمانی
- ۸۱ ۸۔ شیخ شهاب الدین کرکی  
(اہل مغرب)
- ۸۱ ۱۔ سلطان ابوالحسن
- ۸۱ ۲۔ امام ابو زید
- ۸۱ ۳۔ امام ابو موسیٰ
- ۸۱ ۴۔ ابو عبد اللہ محمد بساطی
- ۸۱ ۵۔ امام ابو عبد اللہ الایلی
- ۸۲ ۶۔ شیخ امام بن عرفہ
- ۸۲ ۷۔ امام قردی
- ۸۲ ۸۔ امام ابو عبد اللہ عبدالرزاق جزولی
- ۸۲ ۹۔ امام ابوالفضل مروی
- ۸۲ ۱۰۔ امام ابو عبد اللہ الصغار
- ۸۲ ۱۱۔ امام ابو عبد اللہ الحفیدی
- ۸۲ ۱۲۔ امام ابو محمد عبدالمبین
- ۸۲ ۱۳۔ امام عبد اللہ زیدی
- ۸۲ ۱۴۔ امام عبد اللہ بن جعفر
- ۸۲ ۱۵۔ امام ابو محمد بن الکاتب
- ۸۲ ۱۶۔ امام ابو عبد اللہ بن عبدالسلام
- ۸۲ ۱۷۔ امام ابو عبد اللہ ہارون
- ۸۲ ۱۸۔ امام ابو محمد الاحمسی
- ۸۲ ۱۹۔ شیخ محمد نحاس

۸۲

۲۰۔ امام غس الدین بسطای

۸۴

امام تقی الدین سبکی کا ایک دلچسپ جواب

۸۶

امام شوکانی اور ابن حزم کی رائے

۸۸

امام مالک، اہل مدینہ اور ظاہریہ

۹۲

علامہ فاکسانی

۹۳

چند اور محدثین و فقہاء

۹۶

علامہ خیر الدین ربلی

۹۸

علامہ شامی

۹۸

علامہ عبدالغنی نابلسی

۱۰۲

امام ابوالفضل محمد طاہر مقدسی

۱۰۴

امام ابواسحاق شیرازی

۱۰۵

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۱۰۸

مرزا مظہر جان جاناں

۱۰۹

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

III

نواب سید صدیق حسن خاں

III

مسلک صوفیہ

۱۲۱

مولانا ردیؒ

۱۲۲

امام غزالیؒ

۱۲۹

موسیقی سے علاج امراض

۱۳۱

ابن ساعد

۱۳۲

ملاحیون

۱۳۴

افراط و تفریط کی ایک مثال



۱۳۵	روایات اہل اسلام
۱۳۶	۱۔ ابو نصر فارابی
۱۳۹	۲۔ اسحاق بن ابراہیم موصلی
۱۴۰	۱۔ غلیل اور یونس کاتب
۱۴۱	عبد القادر بن غیبی
۱۴۲	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
۱۴۳	چند شواہد سنت
۱۶۷	لھو الحدیث
۱۷۲	لھو کے معنی
۱۷۳	قرآن میں لفظ لھو
۱۷۵	سمد کا مطلب
۱۷۵	دوسری آیت
۱۷۷	صوت شیطانی
۱۷۷	تیسری آیت
۱۷۹	فقہائے کرام کا تشدد
۱۸۰	فقہاء کی احادیث و مرویات
۱۸۳	حدیث ہدایہ
۱۸۵	۱۔ نودی
۱۸۵	۲۔ سید مرتضیٰ زبیدی
۱۸۶	۳۔ کمال الدین اوفوی
۱۸۶	۴۔ احمد بن حنبل

۱۸۶	قول عثمانؓ اور ملا جیون
۱۸۷	امام غزالی
۱۸۹	قول ابن مسعود اور ملا جیون
۱۸۹	زبیدی کی رائے
۱۹۴	حرمت مزامیر کی چوتھی حدیث
۱۹۵	نواب صدیق حسن کی رائے
۱۹۹	پانچویں حدیث حرمت
۲۰۱	چھٹی حدیث حرمت
۲۰۲	امام عبد الغنی نابلسی کی ایک اور تصریح
۲۱۰	چند صالحین
۲۱۱	حضرت ابو النجیب عبد القاهر سروروی
۲۱۲	شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی
۲۱۳	حضرت نجم الدین کبرٹی
۲۱۳	شیخ بدر الدین سرقندی
۲۱۳	شیخ سیف الدین باخزئی
۲۱۴	حضرات خواجگان چشت
۲۱۴	خواجہ معین الدین چشتی
۲۱۴	خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
۲۱۵	خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ
۲۱۶	خواجہ محمد گیسو دراز

۲۱۷	حضرات نقشبندیہ
۲۱۷	مخدوم اشرف جمالتیر
۲۱۹	امام ربانی
۲۱۹	مرزا مظہر جان جاناں
۲۲۰	چند اور شبہات
۲۲۱	ایک قاتل غوربات
۲۲۳	ایک اور شبہ
۲۲۳	کار نبوت
۲۲۵	ایک اور نکتہ
۲۲۷	ایک قاتل غور سوال
۲۲۹	ہمارا اپنا رجحان
۲۳۳	صوفیہ کی شرائط سماع
۲۳۳	۱۔ سید علی ہجویریؒ
۲۳۴	۲۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ
۲۳۴	۳۔ خواجہ نظام الدین اولیا
۲۳۵	۴۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی
۲۳۵	۵۔ شیخ شرف الدین احمد بکچی منیری
۲۳۷	ایک ضروری بات
۲۳۸	ایک دوسرا رخ
۲۴۰	مزید مباحث
۲۴۱	موسیقی اور نواب صدیق حسن خاں

۲۴۶	امام شافعی
۲۴۸	امام احمد بن حنبل
۲۵۰	امام اعظم
۲۵۱	امام شوکانی
۲۵۱	ایک فرد گداشت
۲۵۳	محرک محض یا محرک خیر
۲۵۷	ایک فرد گداشت
۲۵۹	قرآن میں موسیقی کا ذکر
۲۶۷	موسیقی کی حلت و حرمت
۲۶۹	تحلیل و تحریم کا حق
۲۷۰	عارضی اور دائمی حرمت و حلت
۲۷۲	ایک ضروری آیت
۲۷۳	حلال و طیب
۲۷۴	فقہ میں حرام
۲۷۶	خدا را انصاف
۲۷۶	تنزل
۲۸۸	خمر جنت
۲۸۹	خمر کی علت حرمت
۲۹۰	سونے اور ریشم کی حرمت
۲۹۰	معاشی عدل
۲۹۱	معاشی مساوات کا مطلب
۲۹۱	احوال و ظروف کا فرق

۲۹۳	چار بیویوں کی حد بندی
۲۹۶	جواز غنا پر اجماع
۲۹۷	آگ کی سزا
۲۹۹	تفسیر زجاج
۳۰۰	تحقیق حبرہ
۳۰۳	نہ من تھا...
۳۰۹	عجیب استدلال
۳۱۰	غنی فی القرآن
۳۱۱	اجماع صحابہؓ اور امر نبویؐ
۳۱۶	نواب صاحب اور تفسیر حبرہ
۳۱۹	تفسیر بحرون
۳۲۰	ایک شبہ کا ازالہ
۳۲۰	جائز و ناجائز لھو
۳۲۰	لھو ممنوع
۳۲۲	سماع اور ترک سماع للہ
۳۲۲	امام ابوبکر اور تفسیر حبرہ
۳۲۳	جواز موسیقی
۳۲۶	جواب
۳۳۰	کتابیات
۳۵۲	حواشی
۳۶۱	اشاریہ

---



## مقصدِ تحریر

اس موضوع پر لکھنے کا مقصد فنِ موسیقی پر کوئی کتاب لکھنی نہیں۔ مجھے اس فن میں بحیثیت فن کوئی درک نہیں۔ سننے کا ذوق ضرور ہے۔ اور کبھی کبھی کچھ گنگنا بھی لیتا ہوں۔ درک زیادہ سے زیادہ اسی قدر ہے کہ بے سُرے پسند نہیں آتے۔ اور سُر دار کے متعلق اندر سے طبیعت کہہ دیتی ہے کہ یہ اچھا ہے۔ ایسا کیوں ہے اور اس کا مہیاس کیا ہے؟ مجھے خود نہیں معلوم۔ آنکھیں کسی حسین شے کو دیکھ کر حسین ہونے اور بد نما چیز کو دیکھ کر بد نما ہونے کا حکم لگا دیتی ہیں۔ اسی طرح کانوں کو بعض آوازیں اچھی اور بعض بُری لگتی ہیں۔ لیکن اس کی خوبی و زشتی کے لیے میرے پاس نہ کوئی مادی مہیاس ہے نہ منطقی دلیل۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماں خانہ دماغ کے کسی گوشے میں ایک غیر مرئی مہیاس ہے جسے ذوق کہتے ہیں۔ یہ ذوق سلیم بھی ہوتا ہے اور غیر سلیم بھی۔ لیکن کون سا ذوق ایسا ہے جسے سلیم کہا جاسکے اور کس قسم کے ذوق کو غیر سلیم بتایا جائے؟ یہ خود ایک بڑا ٹیڑھا سوال ہے، جسے ذوق سلیم ہی حل کر سکتا ہے۔

اس کتاب کا مقصد کوئی فقہی مناظرہ نہیں۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ضرور ہے کہ اس کی دینی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھیں، اس لیے جا بجا نمنا "اپنا دینی رجحان بھی پیش کر دیا ہے۔ ہمیں اس موضوع پر جو کچھ بھی بحث کرنی ہے اس کا بڑا حصہ ثقافتی

(کلچرل) ہے یعنی یہ دکھانا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کا اس سے کیا ربط رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ربط کہیں تو یکسر مفقود ہو گا اور کہیں حد جواز کے اندر ہو گا۔ اور کہیں اس سے باہر بھی۔ ہم ان سب کا ذکر کریں گے۔ جس طرح مسلمانوں کا کوئی کام کرنا اس کے جواز کی دلیل نہیں، اسی طرح کسی کا نہ کرنا بھی عدم جواز کی دلیل نہیں۔ جواز و عدم جواز کا فیصلہ یا تو کسی نص سے ہوتا ہے، خواہ صراحتہ النص ہو یا دلالتہ النص یا اشارۃ النص ہو یا اقتضاء النص، یا نص کی روشنی میں عقل فیصلہ کرے گی کہ کس فرد یا قوم کے لیے کن حالات میں جائز یا ناجائز ہو گا۔

در اصل اس کتاب میں تین مکاتب فکر پیش کئے گئے ہیں:

- ۱۔ محدثین عام طور پر اس کی اباحت کے قائل ہیں۔
  - ۲۔ فقہاء عام طور پر اس کی حرمت کے قائل ہیں۔
  - ۳۔ صوفیہ عام طور پر اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر اس کے لیے بعض کڑی شرطیں رکھی ہیں تاکہ کوئی اس کا غلط استعمال نہ کر سکے۔
- خود میرا رجحان محدثین کے مسلک کی طرف ہے۔
- دوسرے ایڈیشن میں جو آپ کے پیش نظر ہے، خاصے اضافے ہوئے ہیں اور آخر میں موسیقی سے متعلق وہ مضامین شامل کر دیئے گئے ہیں جو (پہلے ایڈیشن کے بعد) بعض مخلص کرم فرماؤں کے اعتراضات یا سوالات کے جواب میں لکھے گئے تھے۔ ان میں کہیں کہیں مناظرانہ انداز پیدا ہو جانا ایک قدرتی نتیجہ ہے اعتراضات کا۔ بہر حال یہ آخری حصہ مضامین بھی بعض بڑے اہم نکات پر مشتمل ہے، جن سے بہت سے شبہات دور ہو جائیں گے اور کئی نئے پہلو سامنے آجائیں گے۔



## قرآن اور جمالیات

### فطرت اور جمالیات

جب ہم کائنات فطرت پر غور کرتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ انسان کے لیے قدرت نے بے شمار سامان فرحت و سرور پیدا کیے ہیں۔ یہ کفایتی و مسرت انسانی زندگی کا ایک بڑا اہم حصہ ہے بشرطیکہ اس کا ربط دوسرے اجزائے حیات سے توازن کے ساتھ قائم رہے۔ انسان اپنی بقا کے لیے جس طرح مادی اسباب کا محتاج ہے اسی طرح کچھ روحانی سرشتیں بھی ہیں جن کا وہ محتاج ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ اندرونی تقاضا اتنا زبردست ہوتا ہے کہ مادی تقاضے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

بلکہ اگر آپ زیادہ ڈوب کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہر مادی تقاضے کے ساتھ ساتھ ہی ایک اندرونی تقاضا بھی ہوتا ہے جو مادی تقاضے پر غالب ہوتا ہے۔ کھانا انسان کا ایک مادی تقاضا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایک اندرونی تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ کھانا صاف ستھرا ہو، نمک سالے میں تناسب ہو، کچانہ ہو، سڑا نہ ہو۔ کھانے میں اگر ایک بال یا مکھی پڑ جائے تو لطیف طبائع مکدر ہو جاتی ہیں۔ کھانا صاف ستھرا، خوش رنگ، خوش ذائقہ اور تازہ ہو، لیکن افتاد طبع کے خلاف جہاں ذرا سی چیز کوئی ایسی ویسی اس میں پڑی تو ترک طعام کا جذبہ خواہش طعام پر غالب آگیا۔ صرف مادی ضرورت تو ہر کھانے سے پوری ہو سکتی ہے، لیکن کیا کوئی انسان گوارا کرے گا کہ اگلے ہوئے لقمے کھا کر اپنا پیٹ

بھرے؟ کیا طبیعت انسانی کا یہ اہاء اس بات کی دلیل نہیں کہ بھوک صرف معدی ہی نہیں ہوتی، ذوق بھی ہوتی ہے اور یہ ذوق بھوک معدی بھوک کے برابر ہی نہیں، بلکہ اس پر غالب بھی ہوتی ہے؟

مادی اور روحانی تقاضوں میں وہی فرق ہے جو قانون اور اخلاقی اقدار میں ہے۔ قانون مادی زندگی کے کچھ گوشوں کو پُر کر سکتا ہے، لیکن خود قانون بالکل بے جان اور بے معنی ہوتا ہے، اگر اس کی بنیاد اخلاقی قدروں پر نہ ہو۔ (ہم نے اس موضوع پر ”ازدواجی زندگی کے متعلق اہم قانونی تجاویز“ میں تھوڑی سی بحث کی ہے، اسے دیکھ لینا مفید ہوگا) اخلاقی اقدار اور ذوق سلیم دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اور مادہ و قانون کا اصل مقصد اسی حقیقت کی طرف آگے بڑھانا ہوتا ہے۔

### مادیت اور روحانیت

مادیت اور روحانیت اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتی ہیں لیکن انسان کو دونوں کا جامع بنایا گیا ہے۔ یہ اپنی اصل حقیقت میں صرف ایک انا (Ego) ہے، ایک لطافت ہے، اور ایک انرجی ہے جسے قرنہما قرن کے ارتقائی ادوار سے گزار کر ایک مادی لباس پہنا دیا گیا ہے۔ مادہ پرست اپنی اس مادیت کو اصل حقیقت سمجھتا ہے اور اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس رہبانیت پسند اس مادیت کو روحانیت کی ضد سمجھ کر اس سے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے اور نہیں چھڑا سکتا۔

### امتزاج روحانیت و مادیت

لیکن دین انبیاء — اسلام — اس تقاض کو دور کر کے ان دونوں میں ایک حسین امتزاج پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ اسی مادیت میں رہ کر اور اس سے گزرتے ہوئے اس اصل حقیقت کو تلاش کرتے رہو، جو اس

مادیت کے پس پردہ کارفرما ہے۔ یہ ایک ایسا انداز فکر اور طرز عمل ہے جو نہ مادیت کو ختم کرتا ہے، نہ روحانیت کو فنا کرتا ہے بلکہ یہاں دونوں ایک دوسرے کی معاون ہو جاتی ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کو ارتقا کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسلام نہ تو نری مادیت کا قائل ہے نہ نری روحانیت کا۔ اس کے نزدیک روحانیت اسی مادیت کو اعتدال اور سیدھی راہ پر لانے کے لیے ہے اور مادیت اسی روحانیت کو تلاش کرنے کا واحد راستہ ہے۔ نری روحانیت کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ:

ورہبانیہ ابندعوہاما کتبناہا علیہم الا ابتغاء رضوان  
اللہ فصارعوہا حق رعاینہا (۲۷:۵۷)

یہ رہبانیت جو انہوں نے خود اختراع کر لی ہے، ہم نے اسے  
ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ جو اس غرض کے کہ وہ رضائے الہی  
طلب کریں مگر وہ اس کی صحیح رعایت نہ کر سکے۔  
اور نری مادیت کے بارے میں اسلامی زاویہ نظر یہ ہے کہ:

لؤلک کالانعام بلہم اضل (۱۷۹:۷)  
یہ لوگ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی گزرے ہیں۔

رہبانیت کے نمونے

غور فرمائیے، وہ کون سی رہبانیت ہے جو لوگوں نے ایجاد کر رکھی تھی  
اور جس کی وہ پوری رعایت نہ کر سکے؟ یہ وہی رہبانیت ہے جس میں سارا زور  
روح پر دیا جاتا ہے، اور مادے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ تاریخ اخلاق یورپ (۱)  
میں اس نوع کی رہبانیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

سینٹ پیکر بس اسکندروی چھ ماہ تک مسلسل ایک دلدل میں سویا کیے  
تاکہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی کھیاں ڈسیں۔ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن

اپنے اوپر لادے رہتے تھے۔

ان کے مرید سینٹ یو سیس تقریباً دو سو لوہے کا وزن لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے۔

ایک مشہور راہب یوحنا نامی مسلسل تین سال تک کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے اور اس مدت میں ایک لمبے کے لیے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے۔ جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سارا دے لیتے۔

بعض راہب کسی قسم کا لباس نہیں استعمال کرتے تھے۔ سترپوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بڑے بالوں سے لیتے تھے، اور چوہا پوں کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتے تھے۔

راہبوں کے مکانات نہیں ہوتے تھے بلکہ وحشی درندوں کے غار، خشک کنویں یا قبرستان ان کے مسکن ہوتے تھے۔

اہل زہد کا ایک طبقہ صرف گھاس کھاتا تھا۔

جسم کی طہارت روحانی پاکیزگی کے متافی سمجھی جاتی تھی اور جو زاہد مراتب زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتا، اسی قدر وہ غلاظت و عنونت کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا۔

سینٹ اتھینیس فخریہ بیان کرتا ہے کہ سینٹ انٹونی سے بایں ہمہ کبر سنی کبھی بھی اپنے پاؤں دھونے کی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوا۔ سینٹ ابراہام نے پانچ سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرے یا پیر پر کبھی پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی۔

راہب انگلیڈر بڑے افسوس اور حیرت سے فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہمارے اخلاف منہ دھونا حرام سمجھتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام میں جلیا کرتے ہیں۔

اس رہبانیت کا نتیجہ یہ تھا کہ زندہ دلی، صاف گوئی، خوش طبعی،

نیاضی، شہامت اور جرات کے اخلاقی اوصاف ان کے اندر ختم ہو گئے تھے، اور خانگی و معاشی زندگی برباد ہو کر رہ گئی تھی۔

لہٰذا کے بیان کے مطابق یہ رہبان عورتوں کے سائے سے بھاگتے تھے۔ اگر سایہ پڑ جاتا یا عورت کا سامنا ہو جاتا تو سمجھتے کہ ساری عمر کی ریاضت اکارت گئی۔

اپنی ماؤں، بہنوں اور بیویوں سے (راہب بننے کے بعد) بات کرنا بھی بدواہ گناہ سمجھتے تھے۔

یہ راہب سینٹ جروم کے زمانے میں ایسٹر کے موقع پر پچاس ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے تھے۔

چوتھی صدی عیسوی کے خاتمے پر مصر کی جتنی شہری آبادی تھی، تقریباً اتنی ہی تعداد راہبوں کی بھی تھی۔

یہ ہے وہ رہبانیت جو ان مسیحیوں نے اختراع کر رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہاں ”جمالیات حسی و روحانی“ کا گزر بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

مادیت کے نمونے

اب دوسری طرف وہ مادہ پرستی ہے جس کا تسلسل آج تک روئے زمین کے ہر گوشے میں قائم ہے، جہاں زندگی کا مقصد صرف پُر عیش زندگی ہے۔ لباس، خوراک، آرائش، مکان، تفریح، جنسی ہوس، غرض ہر مادی مطالبے کی افراط اور اس کے حصول کے لیے ہر ظلم روا اور ہر حرام جائز ہو جاتا ہے۔ مقصد نہ کوئی علمی و ذہنی ترقی ہے، نہ اخلاقی و روحانی بلندی، نہ اقدار عالیہ کا تحفظ، نہ انسانیت کی خدمت۔ قرآن نے کیا غلط کہا ہے کہ یا کلون کمناکل الانعام (چوپایوں کی طرح کھاتے ہیں)۔ چوپائے صرف اپنا پیٹ بھر کر اپنی مادی ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔ پیٹ بھر جائے تو قانع ہو جاتے ہیں، لیکن

ہوس ناک انسان اپنی تمام مادی ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی قناعت نہیں کرتا۔ ہل من مزید کی ہوس اسے بے چین کیے رہتی ہے اور کسی مقام پر جا کر رکنے کا نام نہیں لیتی۔ اگر صرف مادی ضروریات کی تکمیل ہی انسان کا مقصد ہو تو چوپایوں پر اسے کیا خاص شرف حاصل ہو سکتا ہے؟ تمام حیوانات اپنی مادی ضروریات انسان سے زیادہ لطف اندوزی کے ساتھ پوری کر لیتے ہیں۔ اگر انسان بھی اتنا ہی کر لے، تو اسے اشرف المخلوقات بننے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ انسان اگر انسان ہونے کے بعد بھی وہی کچھ کرے، جو اس سے نچلے طبقے کے تمام حیوانات کر لیتے ہیں، تو کیا قرآن کا یہ فرمان صحیح نہ ہو گا کہ لو لک کا لانعام بل ہم اضل (وہ چوپائے ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)۔ یقیناً انسان کا یہ منصب نہیں کہ وہ صرف مادی ضروریات کی تکمیل کو اپنا مقصد بنا لے، اور ٹھیک اسی طرح اس کا یہ مقام بھی نہیں کہ مادی لطف اندوزیوں سے فرار کو روحانیت کی تکمیل سمجھنے لگے۔ دین صحیح — اسلام — نہ تو اس قسم کی مادیت کا قائل ہے، نہ اس نوع کی روحانیت کا۔ یہاں نہ مادہ پرستی کی حیوانی زندگی مقصود ہے، نہ رہبانیت کی حیات شمس اور بے معنی زندگی۔ اسلام ان دونوں کا تناسب و متوازن امتزاج چاہتا ہے جس میں ہر مادی لطف اندوزی روحانی لطافتوں سے وابستہ ہو اور ہر روحانی کیف مادیت کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہو۔ ہر مادیت عین روحانیت بن جائے اور ہر روحانیت عین مادیت ہو، نہ وہ اس سے جدا، نہ یہ اس سے الگ۔

اسلامی رجحان

جب صورت حال یہ ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسلام مادی اور روحانی دونوں تقاضوں کو پورا کرنے کا رجحان رکھتا ہے، لیکن اس کا انداز یہ ہے کہ دونوں کے امتزاج میں توازن ہو، تناسب ہو، اعتدال ہو، اور

حسن و جمال ہو۔ ہر تقاضے پر اسلام نے کچھ قیود و حدود لگا دی ہیں اور کچھ قد غنیں بٹھادی ہیں، تاکہ روح و مادہ کے اس امتزاج میں لطافت باقی رہے، بگاڑ نہ پیدا ہو۔ اسی لطافت کا نام حسن و جمال ہے اور بگاڑ اس کی ضد ہے۔

اس کے بعد ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ”موسیقی“ کوئی مادی تقاضا ہے یا روحانی مطالبہ۔ جہاں تک ہم غور کر سکتے ہیں، یہ مطالبہ نہ یکسر مادی ہے نہ تمام تر روحانی۔ یہ دونوں سے ملا جلا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی استعداد جس پہلو پر زیادہ زور دے گی، وہی پہلو زیادہ غالب آجائے گا۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کا حسن و جمال اسی وقت قائم رہ سکتا ہے کہ اس کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں میں لطیف و متناسب امتزاج ہو۔

اسلام کو اگر جمالیاتی نقطہ نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ وہ روحانی اور مادی ہر دو تقاضوں کی تکمیل میں حسن و جمال کو پسند کرتا ہے، یا یوں کہئے کہ دونوں کے امتزاج میں بھی وہی طریقہ پسند کرتا ہے جو حسین تر ہو۔ لہذا موسیقی کے متعلق کچھ سوچنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام جمال پسندی کے متعلق کیا زاویہ نظر رکھتا ہے۔

### قرآن کی جمال پسندی

قرآن پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی جمال پسندی میں قطعاً ”کوئی شبہ نہیں باقی رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کو کئی طرح ظاہر فرماتا ہے:

لفظ حسن اور اس کے مشتقات سے

لفظ جمال اور اس کے مشتقات سے

لفظ زینت اور اس کے مشتقات سے

اور دوسرے انداز بیان سے

آئیے! ان سب پر ایک اجمالی نگاہ ڈال لیں۔ ہم نے قرآن مجید کا

مطالعہ جب اسی نقطہ نگاہ سے کیا تو کم و بیش تین سو آیتیں ملیں، جن کا تعلق جمالیات سے ہے۔ اس پر تعجب نہ کیجئے۔ ایک درخت کو اگر آپ صرف رنگ کے نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو جڑ سے پھٹنگ تک آپ کو رنگ ہی رنگ نظر آئیں گے۔ قوت نمو، قوت تحلیل، قوت جذب، انداز ربوبیت، خواص، قوت شعور وغیرہ میں جس زاویہ نظر سے بھی آپ کسی درخت کو دیکھیں گے، وہ سر سے پاؤں تک وہی نظر آئے گا۔ یہی حال اس شجرہ طیبہ — قرآن پاک — کا ہے۔ اسے جس نقطہ نگاہ سے آپ دیکھیں گے، آپ کو یہ ویسا ہی دکھائی دے گا، کیونکہ یہ ساری خوبیوں کا نمائندہ اور مجموعہ بھل و حدت ہے۔

قرآن مجید کی ساری آیتوں کو پیش کرنا یقیناً موجب طوالت ہو گا، اس لیے ہم صرف چند آیات ہی پیش کریں گے۔ ملاحظہ ہو:

آسمانوں کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:

انازینا السماء الدنيا بزينة الكواكب (۶:۳۷)

ہم نے سماء دنیا کو اکب کی زینت سے مزین کیا ہے۔

ولقد زینا السماء الدنيا بمصابيح (۵:۶۷)

ہم نے سماء دنیا کو روشن چراغوں سے زینت بخشی ہے۔

وجعلنا فی السماء بروجاً وزینها للنّاظرین (۱۶:۱۵)

ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اسے مزین کیا۔

افلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بنینها وزینها (۶:۵۰)

تو کیا لوگ اپنے اوپر آسمان کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسی زینت بخشی ہے!

نباتات کا ذکر قرآن کریم یوں کرتا ہے:



حتی اذا اخذت الارض زخرفها وزینت (۲۴:۱۰)  
 یہاں تک کہ جب زمین اپنے کمال حسن کو اختیار کر کے  
 مزین ہو گئی۔

نباتات کے علاوہ سطح زمین کی تمام مخلوقات کے متعلق ارشاد ہے:  
 فاجعلنا ما علی الارض زینۃ لہا (۷:۱۸)  
 ہم نے جو کچھ بھی زمین پر بنایا ہے، وہ اس کی زینت کے  
 لیے ہے۔

لباس کو زینت اور زینت اللہ (اللہ کی زینت) فرمایا گیا ہے:  
 یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (۲۱:۷)  
 اے فرزندانِ آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کر لیا  
 کرو۔ (اس میں لباس اور سلیقہ مندی کی سب باتیں داخل  
 ہیں)

قل من حرم زینت اللہ النبی اخرج لعبادہ (۳۲:۷)  
 پوچھو کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت کی چیزیں  
 پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟  
 یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یولری سو آنکم و  
 ریشا۔

اے فرزندانِ آدم ہم نے تمہارے لیے لباس مہیا کیا جو  
 تمہاری پردہ پوشی کرتا ہے اور باعثِ زینت بھی ہے۔  
 اُنعام (چوپایوں) کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس کے مختلف مقاصد بتائے  
 ہیں، وہاں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ:

ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون  
 (۶:۶۶)

تمہارے لیے ان کے اندر شام کو لوٹاتے وقت اور صبح کو  
لے جاتے وقت ایک عجیب جمال ہوتا ہے۔

گھوڑے، 'خچر اور گدھے کا مقصد سواری کے علاوہ اور بھی ہے:

والخیل والبغال والحمير لتركبوها وزينة (۸:۱۶)

اس نے گھوڑے، 'خچر اور گدھے سواری کے لیے بھی بنائے  
ہیں اور زینت کے لیے بھی۔

بنی اسرائیل کو جو گائے (بقرة) ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس میں  
جمالیات کا زیادہ لحاظ رکھا گیا تھا:

انها بقرة صفراء فاقع لونها تسر الناظرين (۶۹:۲)

ایسی گائے جو بھڑکدار زرد ہو اور دیکھنے والوں کو بھی بھلی  
لگے

لاشبة فيها (۷۱:۲)

اس میں کوئی داغ دمبہ نہ ہو۔

خدا اپنی تمام مخلوقات کے متعلق فرماتا ہے:

الذي احسن كل شئ خلقه (۷۱:۳۲)

”جس نے اپنی ہر پیدا کردہ شے کو حسن بخشا۔“

انسان کی صورت گری کی کیفیت کے متعلق ارشاد ہے:

و صوركم فاحسن صوركم ((۶۴:۶۴، ۶۴:۶۴))

تمہاری صورت گری کی تو حسین صورتیں بخشیں۔

آخری ٹھکانے کے متعلق ارشاد ہے:

والله عنده حسن المآب (۱۴:۳، ۲۹:۱۳، ۴۰:۳۸)

(۴۹:۳۸)

اللہ کے ہاں جو ٹھکانا ہے اس میں بھی حسن ہے۔

یہی اجر و ثواب کے متعلق ہے:

واللہ عنده حسن الثواب (۱۹۵:۳)

اور اللہ کے ہاں جو اجر ہے وہ بھی حسن رکھتا ہے۔  
خوب کاری کی جو جزا ہے اس کے متعلق لفظ حسنة آیا ہے۔

للدین احسنوا فی هذه الدنیا حسنة (۳۰:۱۶)

اس دنیا میں حسن کاروں کے لیے حسین بدلہ ہے۔

دعظ و پند کا حکم دیتے وقت حسن کاری کا لحاظ ضروری ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة

(۱۲۵:۱۶)

راہ ربانی کی طرف دعوت دو حکمت اور حسین دعظ و پند  
کے ساتھ۔

اسی جگہ متاعرے کے لیے جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ

وجادلہم بالنی ہی احسن (۱۲۵:۱۶)

ان کے ساتھ مباحثہ کرنا ہو تو خوبصورت ترین طریقہ اختیار  
کرد۔

حسن عمل کی جزا اس گئی رکھی گئی ہے:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (۱۶:۶)

جو خوب کاری کرے گا اسے دس گنا بدلہ ملے گا۔

دعائیہ الفاظ میں دنیا و آخرت دونوں کے لیے حسن انعام کی توفیق مانگنی سکھائی  
گئی ہے:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة (۲۰۱:۲)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں ”حسنہ“

عطا فرما۔

حسنہ ہی کے عوض کئی گنا بدلہ اور اجر عظیم کا وعدہ ہے:  
 وان تک حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه اجراً عظيماً  
 (۴۰:۳)

اگر رائی برابر بھی حسنہ ہو گا تو اللہ اس کو کئی گنا کرے گا اور  
 اپنی بارگاہ سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔  
 حسن عمل برائیوں کو دور کر دیتا ہے:

ان الحسنات يذهبن السيئات (۱۴:۱۱)  
 حسن کاریاں بد کاریوں کو دور کر دیتی ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ اپنے قبول اور مریمؑ کی اٹھان کے متعلق فرماتا ہے:  
 فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا (۳:۴۷)  
 اللہ نے اسے حسن قبول سے نوازا اور اس کی عمدہ اٹھان  
 اٹھائی۔

راہ مولائیں جو کچھ دیا جائے وہ قرض ہے، مگر کیا قرض؟ ارشاد ہے:  
 من ذالذی يقرض الله قرضاً حسناً (۲:۲۴۵، ۵:۱۳)  
 ۱۱:۵۷، ۱۸:۵۷، ۱۷:۶۳، ۴۳:۷۰)  
 کون ہے جو خدا کو حسین قرض دے؟  
 خدا اپنی جنگی آزمائشوں کے لیے جو عجیب لفظ پسند فرماتا ہے، وہ یہ  
 ہے:

وليبلى المؤمنين منته بلاء حسناً (۸:۱۷)  
 تاکہ وہ اہل ایمان کو جنگ کی حسین آزمائش میں ڈالے۔  
 اپنی متاع بخشیدہ کو بھی خدا متاع حسن کہتا ہے:  
 يمنعمكم منافعاً حسناً (۳:۱۱)  
 وہ تمہیں حسین متاع سے نوازے گا۔

حضرت شعیبؑ رزق الہی کو بھی حسین رزق کہتے ہیں:

رزقنی منه رزقاً حسناً (۸۸:۱۱)

مجھے اس نے اپنی طرف سے حسین روزی دی۔

اللہ بھی اپنے رزق کو ایسا ہی فرماتا ہے:

ومن رزقنہ رزقاً حسناً (۷۵:۱۶، ۶۷:۲۲، ۵۸:۲۲)

اور جسے ہم نے حسین روزی دی۔

ایمان و عمل صالح کے عوض خدا جس اجر کا وعدہ فرماتا ہے وہ نرا اجر

نہیں بلکہ:

(الف) ان لہم اجر احسن (۲:۱۸)

ان کے لیے حسین اجر ہے۔

(ب) یونکم اللہ اجر احسن (۱۶:۳۸)

تمہیں خدا حسین بدلہ دے گا۔

سیدنا موسیٰؑ وعدۃ الہی کو بھی محض وعدہ نہیں فرماتے بلکہ:

الم بعدکم ربکم وعدنا حسناً (۸۶:۲۰)

کیا تمہارے رب نے تم سے حسین وعدہ نہیں کیا ہے؟

خدا بھی اپنے وعدے کو ایسا ہی فرماتا ہے:

افمن وعدنہ وعدنا حسناً

کیا وہ جس سے ہم نے حسین وعدہ کر رکھا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں کو بھی حسین نام کہتا ہے:

وللہ الاسماء الحسنیٰ (۱۸:۷، ۶۰:۲۳، ۱۱:۱۷، ۸:۲۰)

اور اللہ ہی کے لیے ہیں حسین نام۔

احسان کا مطلب

آگے چلنے سے پہلے ایک ضروری حقیقت پر بھی غور کرتے چلے۔

”حسن“ سے تعلق رکھنے والے بے شمار الفاظ قرآنی کو ہم نے اگرچہ بخوف طوالت ترک کر دیا ہے، لیکن ایک لفظ کا ذکر کر دینا یہاں بہت ضروری ہے۔ لفظ ”احسان“ اور اس کے مشتقات بہت ہیں جو قرآن میں آئے ہیں، مثلاً احسن، احسنو، احسنتم، يحسنون، محسنین وغیرہ۔ ہم ان سب کو اس وقت چھوڑتے ہیں۔ البتہ اس کا مفہوم ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ احسان کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ بہت محدود اور تنگ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں حسین کر دینا یا حسین بنانا۔ جو کام بھی عمدگی، خوبصورتی، سلیقے اور خوبی کے ساتھ کیا جائے گا وہ اس کام کا احسان ہوگا۔ جس بات میں حسن و خوبی پیدا کی جائے وہ احسان ہوگا۔ مطلوب صرف نیکی نہیں بلکہ اس میں حسن پیدا کرنا ہے۔ ایک ہے نیت اور ایک ہے حسن نیت۔ ایک ہے عمل اور ایک ہے حسن عمل۔ ایک ہے خلق اور ایک ہے حسن خلق۔ ایک کلام ہے اور ایک ہے حسن کلام۔ ایک ہے بیان اور ایک حسن بیان۔ ایک ہے ظن اور ایک حسن ظن۔ ایک ہے ثواب اور ایک ہے حسن ثواب۔ ایک ہے عبادت اور ایک ہے حسن عبادت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایک چیز نیکی ہے اور دوسری حسن نیکی ہے۔ یہی مطلوب ہے اور اسی کی ایک نوعیت احادیث میں (بطور تشریح احسان) یوں بیان کی گئی ہے کہ:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک

(بخاری، مسلم، نسائی، کلمہ فی کتاب الایمان)

عبادت الہی اس حسن و خوبی سے کرو گویا تم خدا کو دیکھ

رہے جو ورنہ کم از کم یہ تصور تو ہو کہ وہ ہمیں دیکھ رہا

ہے۔

گویا صرف عبادت مطلوب نہیں بلکہ اس میں کمال حسن پیدا کرنا

مطلوب ہے۔ اس لحاظ سے قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی احسان کا لفظ آیا ہے

اس سے مراد زندگی اور اس کے اعمال میں حسن و جمال، عمدگی، سلیقہ، خوبی اور زینت پیدا کرنا ہی مقصود ہے۔ اور محسن وہی ہے جو اپنے افکار، گفتار اور کردار سب میں حسن پیدا کرنے کی فکر میں لگا رہے۔ اس احسان کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ ان تمام آیتوں سے ہو سکتا ہے جس میں محسنین کی محبوبیت یا معیت کا ذکر ہے، مثلاً ان اللہ یحب المحسنین، ان اللہ مع المحسنین، وغیرہ۔

لفظ زینت اور حسن کے بعد لفظ جمال اور اس کے مشتقات کو بھی دیکھتے چلئے۔ ایک آیت تو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں:

ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون  
(۶:۱۶)

اور ان چوپایوں میں تمہارے لیے عجیب جمال ہے شام کو  
لوٹتے وقت اور دن کو باہر لے جاتے وقت۔  
اس کے بعد کچھ اور آیات دیکھئے:

فمتعوهن و سرحوهن سراخا جمیلا (۴۹:۳۳)  
(۲۸:۳۳)

انہیں کچھ دے دو اور عمدگی سے چھوڑ دو۔  
یہی مضمون دوسری جگہ لفظ احسان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔  
فامساک بمعروف و نسیر یح باحسان  
انہیں قاعدے سے روک لویا خوبصورتی سے چھوڑ دو۔  
دشمنوں اور مخالفوں سے درگزر کرنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

واہجر ہم ہجرأ جمیلا (۱۰:۷۳)  
انہیں عمدگی سے ان کے حال پر چھوڑ دو۔

دوسری جگہ تقریباً یہی مضمون یوں ہے:

فاصفح الصفح الجمیل (۸۵:۱۵)

عمر کی سے درگزر کرو۔

صبر کے وقت بھی نرا صبر مطلوب نہیں بلکہ:

فاصبر صبرا جمیلا (۵:۷۰)

حسین صبر سے کام لو۔

چنانچہ سیدنا یعقوبؑ نے یوسفؑ اور بن یحییٰ دونوں کی گمشدگی پر یہ

فرمایا:

فصبر جمیل (۱۸:۱۲، ۸۳:۱۲)

میں حسین صبر کروں گا۔

صرف حسین نہیں بلکہ حسین تر

اس سلسلے میں ایک ضروری نکتہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مطلوب محض کوئی ”شے حسن“ (اچھی چیز) نہیں، اصل مطلوب ”شے احسن“ (بتر سے بہتر یا بہترین چیز) ہے۔ ترک قبیح ابتدائی قدم ہے، اور اختیار حسن دوسرا قدم۔ اس کے بعد اس حسن میں مسلسل ارتقا ہوتا رہے گا، کیونکہ حسن ایک اضافی چیز ہے، اور احسن کی تلاش ایک لامتناہی ارتقائی عمل ہے اور یہی اصل مطلوب ہے۔ چند آیات اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔

موت و حیات کی آفرینش کی غرض ہی احسن عمل ہے:

الذی خلق الموت والحیوة لیبلوکم ایکم احسن عملا

(۲:۶۷)

خدا نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ تمہیں

آزمائے کہ تم میں بہتر سے بہتر عمل کس کا ہے۔

زمین اور اس کے حسین خزانوں کی غرض آفرینش بھی یہی ہے:

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا لنبلوہم ایہم احسن



عملا (۷:۱۸)

ہم نے زمین پر جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ اس کے لیے زینت ہے تاکہ وہ آزما کر دیکھے کہ ان میں سب سے بہتر عمل کس کا ہے۔

اہل کتاب سے مباہلے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ یوں ہے:

ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالنسی ہی احسن (۴۶:۲۹)

اہل کتاب سے بہتر سے بہتر طریق پر مباہلہ کرو۔

عام انداز مباہلہ کے لیے بھی یہی حکم ہے:

وجادلہم بالنسی ہی احسن (۱۲۵:۱۶)

ان سے بہتر سے بہتر انداز سے مباہلہ کرو۔

یتائی کے غریب مگر ان اپنا معاوضہ لینا چاہیں تو اس کا انداز یہ ہو:

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالنسی ہی احسن (۱۲۵:۶)

(۱۷:۳۴)

مال یتیم کے قریب بہتر سے بہتر طریق پر جاسکتے ہو۔

زبان سے بات نکالتے وقت بھی بہتر ہونے کا خیال ضروری ہے:

وقل لعبادی یقولوا النسی ہی احسن (۵۳:۱۷)

میرے بندوں سے کہو کہ وہ بہتر سے بہتر بات کریں۔

برائی کو دور کرتے وقت بھی بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہیے:

(الف) اذفع بالنسی ہی احسن السنہ (۹۶:۶۳)

برائی کو بہترین طریق پر دور کرو۔

(ب) اذفع بالنسی ہی احسن (۳۴:۴۱)

بہترین طریقے پر برائی کے خلاف دفاع کرو۔

جواب سلام میں بھی بہتر سے بہتر جواب دینے کا حکم ہے:

واذا حيينم بنحية فحيوا باحسن منها لو ردوها  
(۸۶:۴)

جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سلام سے بہتر جواب دو،  
ورنہ ویسا ہی سہی۔

قرآن کو احسن الحدیث فرمایا گیا ہے:

اللہ نزل احسن الحديث (۲۳:۳۹)

اللہ نے احسن حدیث (بہترین بات) نازل فرمائی۔

کتاب اللہ میں سے بھی احسن چیز کے اتباع کا حکم ہے:

واطيعوا احسن ما انزل اليكم من ربكم (۵۵:۳۹)

جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس  
کے بہترین حصے کا اتباع کرو۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ کتاب اللہ میں غیر حسن چیزیں بھی ہیں۔  
موقع اور تقاضے کے اختلاف سے ایک حسن چیز غیر حسن اور وہی دوسرے  
موقع پر احسن ہو جاتی ہے۔ جیسے بے وقت نماز اور باوقت نماز۔ اسی مضمون کو  
دوسری جگہ یوں بیان فرمایا گیا ہے:

الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه (۵۵:۲۹)

(میرے ان بندوں کو بشارت دو) جو قول الہی سن کر اس

کے بہترین حصے کا اتباع کرتے ہیں۔

اسی انداز کی ہدایت بنی اسرائیل کو بھی کی گئی تھی کہ:

وامر قومك ياخذوا باحسنها (۱۴۵:۷)

(اے موسیٰ) اپنی قوم کو حکم دو کہ تورات کے بہترین حصے کو

اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت کا شرف بھی ان اعمال کو بخشا ہے، جو بہترین اور

حسین ترین ہوں۔

لو انک الذین نتقبل عنہم احسن ماعملوا (۱۶:۴۶)  
یہ ہیں وہ لوگ جن کے حسین ترین اعمال کو ہم قبول کرتے  
ہیں۔

قانون جزائے اعمال میں بھی اسی کا لحاظ ہے:

(الف) لیجزیہم اجرہم باحسن الذی کانوا یعملون  
(۳۵:۳۹)

تاکہ اللہ ان میں ان کے حسین ترین اعمال کا بدلہ دے۔  
(ب) ولنجزین الذی صبروا اجرہم باحسن ماکانوا  
یعملون (۹۶:۱۶)

ہم صابروں کو ان کے حسین ترین اعمال کی جزا دیں گے۔  
(ج) ولنجزینہم اجرہم باحسن ماکانوا یعملون  
(۹۷:۱۶)

عمل صالح کرنے والوں کو ہم ان کے حسین ترین اعمال کا  
اجر عطا کریں گے۔

خدا خود جو جزا دے گا وہ بھی بہترین اور حسین ترین ہی ہے:

(الف) ولیجزینہم احسن الذی کانوا یعملون (۷:۲۹)  
ہم انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

(ب) لیجزیہم اللہ احسن ماکانوا یعملون (۱۴:۹)  
تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دے۔

(ج) لیجزیہم اللہ احسن ماعملوا (۳۸:۲۳)  
تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اعمال کا حسین ترین بدلہ دے۔

انسانی تخلیق کو خدا احسن تقویم (بہترین سانچہ) قرار دیتا ہے:

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم (۴:۹۵)

ہم نے انسان کو حسین ترین سانچے میں ڈھال کر بنایا ہے۔

غرض بے شمار آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پسند صرف حسن نہیں بلکہ ”احسنت“ ہے۔ اور بندوں سے ہر معاملے میں یہی احسنت مطلوب ہے۔ یعنی اختیار حسن میں بھی مسلسل ارتقا ہوتے رہنا چاہئے۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

ومن يقترف حسنة نزدله فيها حسنا (۲۳:۲۲)

جو شخص حسن عمل کو اختیار کرے گا، ہم اس کے لیے اس میں اور اضافہ حسن کرتے جائیں گے۔

احسن ہی کا مونث ہے حسنی۔ پس جہاں جہاں حسنی کا لفظ آیا ہے وہاں

بھی بہترین، خوب ترین، اور حسین ترین ہی شے مراد ہے۔ مثلاً

(الف) ان لہم الحسنیٰ (۶۲:۱۶)

ان کے لیے حسین ترین بدلہ ہے۔

(ب) فله جزاء الحسنیٰ (۸۹:۱۸)

اس کے لیے بہترین جزا ہے۔

ان مقامات کے علاوہ قرآن نے جنت کی جو نقشہ کشی کی ہے وہ خود ہمہ

تن جمال آفرینی اور حسن ذوق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ باغ و بہار، روانی انہار، شادابی اشجار، لولو و مرجان، حور و قصور، تکیہ و قالین، ساغر و مینا، جام لبریز، کیا کچھ نہیں ہے۔ ہم ان تفصیلات کو سردست چھوڑتے ہیں۔

الغرض آسمانوں، زمین، مخلوقات زمین، لباس، انعام (چوپائے)، ساری

مخلوقات، انسان، ثواب و اجر، وعظ و ہند، عمل، وعاء، سفارش، امتلا، متاع زندگی، رزق، وعدے، اسمائے اہیہ، تشریح (الگ کرنا)، ہجر (چھوڑنا)، صبر، مقصد خلق، مناظرے، تصرف مال یتیم، گفتگو، مکافات، جزا، جواب سلام، اتباع او امر وغیرہ

میں ہر جگہ 'حسن'، 'جمال'، 'زینت' اور 'خوبی' ہی مطلوب ہے۔ اور صرف 'حسن' و 'جمال' ہی نہیں، بلکہ 'احسنت' اور 'اجملیت' کی ایسی ارتقائی شکل مطلوب ہے، جہاں کوئی ٹھہراؤ نہ ہو، یعنی

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

## قرآن میں ذکر موسیقی

عام طور پر اب تک یہی سمجھا گیا ہے کہ قرآن میں یوں تو زمین سے آسمان تک، مجردات سے محسوسات تک، جو ہر سے حیوانات بلکہ انسان تک اور پھر دنیا سے آخرت تک بے شمار جمالیات کا ذکر موجود ہے، لیکن سماعی جمالیات، یعنی نغمہ و موسیقی کا کوئی ذکر موجود نہیں، نہ "نیا" نہ "اٹا تا"، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے جنت کے انعامات کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں اس کی نعماتی نعمت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

ادخلوا الجنة انتم ولزواجکم تعبرون (۷۰:۳۳)  
تم اور تمہارے جوڑے جنت میں جاؤ جہاں تمہیں نغمے  
سنائے جائیں گے۔

نیز ارشاد ہے:

فاما الذین آمنوا وعملوا الصلحت فهم فی روضة  
يعبرون (۱۵:۳۰)  
جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کیے وہ چمن  
میں نغمے سن رہے ہوں گے۔

تعبرون اور يعبرون الحبرہ سے ہے جس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ "وہاں مسرور ہوں گے، مگن ہوں گے، خوش ہوں گے۔" ہمیں

اس ترجمے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ”حبرۃ“ کے یہ معنی بھی ہیں، لیکن امام شریف مرتضیٰ حسین زبیدی تاج العروس ج ۳ ص ۱۱۸ میں اس کے ایک اور معنی کہتے ہیں کہ:

الحبرۃ بالفصح السماع فی الجنة وہ فسر الزجاج الایہ

وقال الحبرۃ فی اللغة کل نعمة حسنة محسنة

حبرۃ (حاکے زبر سے) مراد بھشتی نعمہ سے اور زجاج نے

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر یہی کی ہے اور کہا ہے کہ حبرۃ

لغت میں ہر اچھے گانے کو کہتے ہیں۔

زجاج بھی راغب اصفہانی کی طرح لغت اور نحو کے امام ہیں۔ اس

لیے اگر راغب کا قول سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، تو زجاج کا قول بھی

اسی طرح بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں شیخ عبد اللہ البستانی البستانی اپنے آخری مستمل لغت

البستان میں لکھتے ہیں:

الحبرۃ.... کل نعمة حسنة محسنة.... سماع الانعام فی

الجنة

یعنی ہر عمدہ گانا اور خاص طور پر جنت میں گانوں کا سننا۔

”مصباح اللغات“ المنجد کا ترجمہ ہے۔ اس میں حبرۃ کے معنی یہ

لکھے ہیں: ”خوشی، نعمت، ہر عمدہ راگ۔“

”المنجد“ میں ہے: کل نعمة حسنة یعنی ہر اچھا گانا۔ علاوہ ازیں

حبرۃ اور نجیر کی بہترین تفسیر خود احادیث میں یوں آئی ہے:

لحبر نہ لک نجیرا

بحار الانوار میں نجیر کے معنی یوں لکھتے ہیں:

یرید تحسین الصوت و تحزینہ

یعنی اس سے مراد خوش آوازی اور سوز و درد ہے۔

کتاب التعرف لمنہب التصوف (مصنف امام ابو بکر بن ابی اسحق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابادی) کی شرح فارسی میں ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ المستمل البخاری نے کی ہے جو مطبع نو کشور میں چھپی ہے۔

اس کے چوتھے حصے کا آخری باب آداب سماع پر ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

چنانچہ در خبر آمدہ است کہ بعضے از مفسران گفتہ اند در قول

خدائے تعالیٰ کہ میگوید ان الذین امنوا و عملوا الصلحت

فہم فی روضۃ یحبرون۔ قیل یحبرون بالسماع یعنی جو

لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو چمن میں گانے

سنائے جائیں گے۔

علاوہ ازیں تفسیر ابن کثیر میں یحییٰ ابن ابی کثیر سے اور تفسیر کشاف میں وکیع سے بہشتی نغمے ہی منقول ہیں۔

نواب صدیق حسن خان کی کتاب ”مشیر ساکن الغرام الی روضات

دلر السلام“ صفحہ ۵۸ میں ہے:

..... فہم فی روضۃ یحبرون۔ قال یحییٰ بن ابی کثیر

الحبرۃ لذۃ السماع ولا ینخالف ہذا قول ابن عباس

یکرمون و قول مجاہد و قتادۃ ینعمون فلذۃ الاذن

بالسماع من الحبرۃ والنعیم۔

فہم فی روضۃ یحبرون کے متعلق یحییٰ ابن کثیر کہتے ہیں کہ

”حبرۃ“ کے معنی لذت اور سماع ہیں اور یہ ابن عباس کی

تفسیر یکرمون (ان کا اعزاز کیا جائے گا) کے خلاف نہیں

اور نہ مجاہد و قتادہ کی تفسیر ینعمون (انہیں نعمتوں سے

نوازا جائے گا) کے خلاف ہے کیونکہ کانوں سے گانے کی

لذت حاصل کرنا بھی نعمت ہی ہے۔

اس کے بعد نواب صاحب نے کوئی پندرہ روایات ایسی جمع کی ہیں کہ جنت میں گانے خاص کر حوروں کے گانے ہوں گے۔

## حدیث اور جمالیات

یوں تو قرآن کا پیش کردہ ہر مسلمان کے لیے کافی ہے اور کسی ایسی روایت کو حدیث کہنا ہی غلط ہے جو قرآن کے مطابق نہ ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس قرآن کی تبلیغ کے لیے آنحضورؐ مبعوث ہوئے ہوں اسی کے خلاف خود کچھ فرمائیں۔ لہذا اگر قرآن جمال آفرین ہے تو حضورؐ سب سے پہلے جمال پسند ہوں گے۔ خدا خود جمیل اور جمال پسند (۲) ہو تو حضورؐ کیوں نہ ہوں؟ اگر یہ صحیح ہے کہ حضورؐ کی سیرت قرآن ہی کی چلتی پھرتی تصویر ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خلقہ القرآن (حضورؐ کی سیرت قرآن ہے) تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کی ساری زندگی — افکار، گفتار، اور کردار — حسن و جمال ہی کی زندہ تصویر ہوگی۔

حضورؐ کا ذوق جمال اس قدر نازک تھا کہ ذوق سلیم کے خلاف کوئی شے حضورؐ کو گوارا نہ تھی۔ تمام احادیث و سیرتیں ہیں کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے بھی حضورؐ نے مسواک فرمائی۔ اس وقت حضورؐ اتنے کمزور تھے کہ مسواک کو خود نہ چبا سکے، تو حضرت عائشہؓ نے چبا کر دی اور حضورؐ نے مسواک فرمائی۔ جب حضورؐ کہیں کوئی ایسی بات دیکھتے جو عمرؓ، سلیقہ، صفائی اور جمال کے خلاف ہوتی، تو وہیں اس کی اصلاح فرما دیتے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) ترمذی ابن مسیب سے ایک مرسل روایت یوں نقل کرتے ہیں:

ان اللہ طیب يحب الطیب نظیف يحب النظافة.....

فنتظفوا لراہ قال افینتکم ولا تشبهوا الیہود۔



اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ ستمرا ہے اور ستمرائی کو عنز رکھتا ہے..... لہذا تم اپنے گھروں کے صحن کو صاف ستمرا رکھا کرو اور یہودی مشابہت سے بچو۔

(۲) امام مالک عطاء بن ییاز سے روایت کرتے ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد فدخل رجل ثائر الراس واللمحية فإشار اليه صلى الله عليه وسلم بيده كأنه يا مره باصلاح شعره ولحيته ففعل ثم رجع فقال صلى الله عليه وسلم اليس هذا خيرا من ان يأتى احدكم ثائر الراس كأنه شيطان۔

حضور مسجد میں جلوہ افروز تھے کہ ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بال پریشان اور داڑھی ابھی ہوئی تھی۔ حضور نے اسے اشارے سے حکم دیا کہ اپنے بال اور داڑھی ٹھیک کرو۔ اس نے قبیل حکم کی اور واپس چلا گیا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ بہتر ہے یا بکھرے ہوئے بال لے کر آنا؟ جیسے شیطان چلا آ رہا ہو۔

(۳) نسائی ابو الاحوص کے والد سے روایت کرتے ہیں:

أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وعلی ثوب دون فقال لی الک مال؟ قلت نعم قال من ای المال؟ قلت من کال المال اعطانی الله تعالی من الابل والبقر والغنم والخیل والرفیق قال فاذا اتاک الله مالا فلیبر اثر نعمه الله علیک وکرامته۔

میں ایک بار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت

میرے جسم پر بہت معمولی لباس تھا۔ حضورؐ نے پوچھا کچھ مال تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ پوچھا کس قسم کا مال؟ عرض کیا ہر قسم کا مال اللہ نے دے رکھا ہے۔ اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور خدام وغیرہ سب کچھ ہے۔ فرمایا جب اللہ نے تمہیں اتنا کچھ دے رکھا ہے، تو اس کے انعام و اکرام کا کچھ لباس سے بھی اظہار ہونا چاہیے۔

(۴) ابو داؤد اور ترمذی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب۔

حضورؐ نے گھروں یا محلوں میں مسجد تعمیر کرنے کا اور اس میں صفائی رکھنے اور خوشبو سے بسائے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۵) ایک اور مشہور روایت حضرت انسؓ سے مسند احمد، نسائی، متدرک حاکم اور بیہقی میں ہے:

حبیب الی من دنیا کم النساء والطیب (۳).....

اس دنیا میں مجھے بیویوں سے اور خوشبو سے بڑی محبت ہے۔

اتنے شواہد حضورؐ کا ذوق جمال واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ تاہم

ایک اور بلیغ بدوی عورت ام معبد کی زبان سے خود حضورؐ کا سراپا سن لیجئے۔ اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ حضورؐ کیسے تھے اور حضورؐ کا مزاج و ذوق کیا تھا؟

ملاحظہ ہو:

(خنیس بن خلد) ..... قالت : رایت رجلاً ظاہر

الوضاءة ابلج الوجه حسن الخلق لم تبعه ثجلة ولم تذربه

صعلة وسیم قسیم فی عینیہ و عج وفی اشفاره

وطف' وفى صوته صحل وفى عنقه سطح' وفى لحينه  
 كثافة لرج' اقرن' ان صمت فعلیه الوقار' ولن تکلم سما  
 و علاه البهاء اجمل الناس و ابهاء من بعيد واحلاه  
 واحسنه من قريب' حلو المنطق' لا هذرولا نزر کان  
 نطقه خر زلت نظم ربح لا تشنوه من طول ولا تفتححه  
 من قصر' غصن بین غصنین' فهوا نضر الثلاثة  
 منظر<sup>۱</sup> واحسنهم قدرا<sup>۲</sup> (طبرانی فی الکبیر)

(ہجرت فرماتے ہوئے حضورؐ ام معبد کے خیمے سے گزرے  
 تھے' جب اس کا شوہر ابو معبد گھر پر آیا اور اپنے خالی  
 برتنوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھا تو پوچھا یہ کہاں سے آیا  
 ہے؟ ام معبد نے کہا کہ یہ برکت ہے ایک شخص کی جو ابھی  
 ادھر سے گزرا تھا۔ اس نے کہا کہ ذرا اس کا حال تو بتاؤ؟)  
 اس پر وہ بولی:

میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں'  
 جس کا چہرہ روشن اور جس کی بناوٹ (خلق) میں حسن تھا'  
 نہ مونڈے کا عیب' نہ دہلاپے کا نقص' خوشروہ حسین'  
 آنکھیں کشادہ اور سیاہ' پلکیں لمبی' آواز میں کھنک' گردن  
 صراحی دار' داڑھی گھنی' بھوین کمان دار' اور جٹی ہوئی۔  
 خاموشی میں وقار کا مجسمہ' گفتگو میں صفائی اور دلکشی۔ حسن  
 کا پیکر اور جمال میں یگانہ روزگار' دور سے دیکھو تو حسین  
 ترین' قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی جمیل ترین بھی'  
 گفتگو میں محاسن' نہ فضول گفتگو کرے' اور نہ ضرورت  
 کے وقت خاموش رہے' گفتگو اس انداز کی جیسے پردے



لهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون بها  
(۱۳۸:۷)

ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان  
ہیں جن سے سماعت کا کام نہیں لیتے۔

خود اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں سمیع و بصیر کا ذکر فرماتا ہے اور  
انسان کے لیے بھی یہی لفظ لاتا ہے:

فجعلناه سمیعاً بصیراً (۲:۷۶)  
ہم نے انسان کو شنوا و بینا بنایا ہے۔

ذرا سوچئے کیا اللہ تعالیٰ بندوں سے صرف اسی حسن کا طالب ہے جس  
کا تعلق محض آنکھوں سے یا دل سے ہے؟ کیا اس کے نزدیک حسن صوت یا  
حسن سماع کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟ اس نے آنکھوں کے لیے ساری کائنات  
میں حسن و جمال اور زینت و آرائش کے ان گنت مناظر پھیلانے کے باوجود  
بد قسمت کانوں کے لیے کوئی حسن و جمال نہیں پیدا فرمایا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ  
دست قدرت نے جہاں رنگ رنگ کے پھولوں کے تختے بچھائے ہیں وہیں چمکنے  
والے پرندے بنائے ہیں، جس ٹہنی پر ایک خوبصورت چڑیا اپنے حسین و جمیل  
پروں کی بہار دکھاتی ہے اسی جگہ اپنے سریلے ترنم سے فروس گوش کے سامان  
سیا کرتی ہے۔ جو باصرہ نواز آبشار چمکیلی سیال چاندنی کی لگا تار دھاریں بہا کر  
لگا ہوں کو خیرہ کرتی ہے، وہیں وہ اپنے ہم جنسوں سے معانقہ کر کر کے حسین  
نغمے بھی پیدا کرتی ہے۔ گویا ایک ہی وقت میں وہ باصرہ نواز بھی ہوتی ہے اور  
سامعہ نواز بھی۔ جہاں ہوا اپنے جھونکوں سے ایک تھکے ماندے مسافر کو تھپک  
تھپک کر سلاتی ہے، وہیں کسی تنگ راہ سے گذرتی ہوئی حسین سروں کی لوری  
بھی دیتی جاتی ہے۔ — جس خدا نے آنکھوں کے لیے حسین مناظر،  
خوبصورت چہرے، نظر فریب پھول، جگمگاتے ستارے، روشن چاند، نازک آبی و

خاکی حیوانات، سہانے نظارے، دلگداز تبسم، جان گداز نگاہیں اور اس طرح کی بے شمار حسین و جمیل نعمتیں پیدا کی ہیں، اس خدا نے کانوں کے لیے کوئی نعمت نہیں پیدا کی ہے؟ جس خالق نے ناک کے لیے طرح طرح کی خوشبوئیں، زبان کے لیے رنگا رنگ لذتیں بنائیں، اس نے ایسی کوئی آواز نہیں پیدا کی ہے جو کانوں کی راہ سے گذر کر دل کو اسی طرح موہ لے، جس طرح کوئی خوشبو ناک کی راہ سے، لذت زبان کی راہ سے، حسن آنکھوں کی راہ سے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ نعرف الاشياء باضدادها (ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے) اندھیرے کا وجود روشنی پر دلالت کرتا ہے۔ بد مزگی سے خوش مزگی کے وجود کا پتہ چلتا ہے، کریمہ مناظر دیکھ کر جو گریز پیدا ہوتا ہے وہی پتہ دیتا ہے کہ ایسے مناظر کا وجود بھی ہے جو گریز کی بجائے کشش پیدا کریں۔ اس نقطہ نگاہ سے قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے، جس میں ایک مہیب آواز کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

لَوْ كَسِيبَ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذِرَ الْمَوْتِ (۱۹:۲)

منافقوں کی زندگی ایسی ہے جیسے اوپر سے موسلا دھار بارش

ہو رہی ہو جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں، کڑ کا ہو،

چمک ہو، ان کڑکوں کو سن کر وہ موت کے ڈر سے اپنی

انگلیاں کانوں میں ٹھونس رہے ہوں۔

یہ اسی طرح کی مہیب آواز ہے جس نے قوم عاد و ثمود کے پردہائے گوش پھاڑ کر رکھ دیے تھے۔

صَاعِقَةٌ مِثْلُ صَاعِقَةِ عَادَ وَثُمُودَ (۱۳:۴۱)

عاد و ثمود والے صاعقے کی مانند ایک صاعقہ۔

یہ ایسا ہی صاعقہ ہے جس نے بنی اسرائیل کے نمائندوں کو چاروں  
شالے چت گرا دیا تھا:

فَاخَذَتْكُمْ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ نَظَرُونَ (۵۵:۲)

صاعقے نے تمہیں آلیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے۔

اسی قسم کا صاعقہ ہے جس نے کلیم اللہ کو بھی ہوش میں نہ رہنے دیا:

وَحَرَّ مُوسَى صَعْقًا (۱۴۳:۷)

موسیٰ بھی اس کڑکے سے گر پڑے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی مہیب آواز ایسی ہو سکتی ہے کہ  
سننے والے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، تو کچھ آوازیں ایسی بھی ضرور  
ہوں گی، جن کی دلکش کانوں سے ڈاٹ نکال کر ہمہ تن گوش ہونے پر مجبور کر  
دے۔ اور اگر کسی آواز سے پروہائے گوش شق ہو جاتے ہوں، تو بعض آوازیں  
فردوس گوش بھی ضرور ہوتی ہوں گی۔ اگر کوئی آواز اہل ہوش کو بے ہوش کر  
سکتی ہے تو کوئی آواز بے ہوش کو ہوش میں بھی لا سکتی ہے۔ اسی عینک سے  
قرآن پاک کی اس آیت کو بھی دیکھئے:

لَا تَكْرُ الْأَصْوَاتُ لِصَوْتِ الْحَمِيرِ (۱۹:۳۱)

بدترین آواز گدھوں کی رینگ ہے۔

ظاہر ہے اگر گدھے کا رینگنا مکروہ ترین آواز ہے، تو اس کے مقابلے  
میں ایسی بھی آوازیں ہیں جو کانوں کو بھلی لگیں۔ یہی سبب ہے کہ اس آیت کا  
پہلا کھڑا یوں ہے:

وَإِغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (۱۹:۳۱)

اپنی آواز کو نرم رکھو۔

بلکہ کرخت آواز والے جب اپنی آواز کو رسولؐ کے آگے نرم کرتے  
ہیں تو ان کے لیے یوں بشارت ہے:

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول اللہ لولیک الذین  
امنحن اللہ قلوبہم للنقویٰ (۳:۴۹)  
جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے  
ہیں ان کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے امتحان میں ڈال  
دیا ہے۔

بلاشبہ یہاں موسیقی کا کوئی ذکر نہیں، لیکن آواز کی نری اپنی کرفتی کے  
مقابلے میں یقیناً عند اللہ بھی محبوب ہے۔ نرم آوازیں جہاں اوب اور عاجزی کا  
پتہ دیتی ہیں وہاں حسن صوت کا بھی پہلو رکھتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں بد آوازی  
سے کراہت و نفرت ہوتی ہے، وہاں خوش آوازی اپنے اندر دلکشی اور محبوبیت  
بھی رکھتی ہے۔ اور یہ عین فطرت ہے۔ ایک خرد سال بچہ بھی موسیقی سن کر  
اٹھاروتا بھول جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں سانپ بین کی سریلی موسیقی سن کر مست ہو  
جاتا ہے اور یہ کسے نہیں معلوم کر حدی خوانی کا اونٹوں کی رفتار پر کیا اثر ہوتا  
ہے؟ اس کے اثر کا انکار گویا بد اہت کا انکار ہے، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ  
موسیقی فطرت میں داخل ہے اور ہر دور میں انسان اس سے وابستہ رہا ہے۔  
تاریخ شاید ہی دنیا کی کسی ایسی قوم کو پیش کر سکے، جس میں اس کی اپنی موسیقی  
رانج نہ ہو۔ متدن و وحشی اقوام، جاہل و عالم قومیں، متقی و فاسق کردہ سب ہی  
کو موسیقی یا غنا سے وابستہ رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان ہر دور میں اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور خدا کی بخشی  
ہوئی نعمتوں کا غلط اور ناجائز مصرف بھی لیتا رہا ہے۔ پس جہاں ہم فساق کو غنا و  
مزامیر سے دلچسپی لیتے دیکھیں گے، وہاں ہمارا گمان یہی ہو گا کہ اس کا مصرف غلط  
لیا جا رہا ہے۔ اور جہاں اہل تقویٰ اور اہل علم و فضل کو اس سے دلچسپی لیتے  
دیکھیں گے وہاں ہم ظن خیر ہی سے کام لیں گے۔



## سیدنا داؤدؑ

اس سلسلے میں ہماری پہلی نظر ایک جلیل القدر پیغمبر پر پڑتی ہے، جس کے متعلق کوئی غلط مصرف لینے کا گمان کفر سے کم نہیں۔ یہ پیغمبر سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کے متعلق کتاب مقدس ”بائبل“ اور دوسرے شواہد سے غنا و مزامیر سے گہری دلچسپی لینا بمراحت ثابت ہے۔

### بائبل کا مقام

جہاں تک بائبل مقدس کا تعلق ہے یہ دعویٰ بہت مشکل ہے کہ یہ الف سے ی تک بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں ہوا ہے۔ ہمارے پاس ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بائبل میں بہت سی باتیں الحاق کی گئی ہیں۔ کچھ باتیں عقل کے خلاف ہیں۔ کچھ تاریخی حقائق کی نقیض ہیں۔ اور کچھ ایسی ہیں جن کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام ایک معمولی انسان کے مقام سے بھی گر جاتے ہیں۔

اس کے باوجود یہ دعویٰ بھی درست نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ بائبل شروع سے آخر تک سب کی سب غلط، محرف اور نادرست ہے اور اس میں کوئی صحیح بات یا وحی کا کوئی حصہ موجود نہیں۔ اگر فی الواقع بائبل کو از اول تا آخر محرف و بے معنی اور خود ساختہ تسلیم کیا جائے تو ان تمام قرآنی آیات کی توجیہ دشوار تر ہو جاتی ہے جن میں توریت و انجیل پر ایمان لانے کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے یا جن میں قرآن کو بائبل کا مصدق بتایا گیا ہے، یا جن میں اہل کتاب کو بائبل کے سانچے میں زندگی دھالنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ بائبل از اول تا آخر نہ بالکل غلط ہے اور نہ بالکل صحیح، کچھ باتیں غلط ہیں اور کچھ صحیح بھی ہیں۔ اس کے اندر صحیح اور غلط کو ممتاز کرنے کے جہاں متعدد معیار ہو سکتے ہیں، وہاں ایک بہت بڑا معیار خود قرآن

پاک ہے۔

قرآن اگر کسی پیغمبر کے متعلق ایک بات بیان کرے اور بائبل یا دنیا کی کوئی کتاب اس کے خلاف کہے، تو ہم قرآن ہی کی بات کو صحیح سمجھیں گے۔ ہاں اگر بائبل کوئی ایسی بات بیان کرے جو قرآنی روح سے متصادم نہ ہوتی ہو (تاریخی اور عقلی حقائق بھی قرآن ہی کی روح ہیں) تو اسے صحیح مان لینے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ رطب و یابس اور صحیح و سقیم کی آمیزش سے (بجز قرآن کے) دنیا کی کوئی کتاب محفوظ نہیں۔

زبور

ہم اسی زاویہ نظر سے بائبل کے ایک حصے — زبور — کو دیکھنا چاہتے ہیں یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ و آتینا دلود زبور (۴: ۱۶۳) اس کے پانچ حصے اور کل ایک سو پچاس ابواب ہیں۔ اور یہ ساری کتاب نظم میں ہے۔ اسی لیے زبور کو مزامیر داؤد بھی کہتے ہیں۔ مزامیر جمع ہے مزمور (مضمیم اول و فتح او) اور مزار (بکسریم) کی۔ زمر کے معنی ہیں بانسری وغیرہ پر گانا، اور مزامیر داؤد کا مطلب اقرب المولود میں یوں لکھا ہے:

ماکان یترنم بہ من الاناشید والا دعبۃ و هو الذی یقال لہ  
الزبور۔

حضرت داؤد جو اشعار اور دعائیں ترنم سے پڑھا کرتے تھے،  
ان کو مزامیر داؤد اور زبور بھی کہتے ہیں۔

مزمور کا مطلب

اس مفہوم کے لیے سب سے جامع لفظ ”گیت“ ہے۔ چنانچہ خود زبور کا ۶۶ واں باب یوں شروع ہوتا ہے: ”میر مغنی کے لیے گیت یعنی مزمور“ اور

۶۷ ویں باب کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ مزبور یعنی گیت۔“

گویا مزبور اور گیت ایک ہی چیز ہے لیکن اس لفظ کے مستمنات میں دو اور چیزیں بھی شامل ہیں، ایک ترنم اور دوسرے ساز۔ حقیقت یہ ہے کہ مزبور تو ان گانوں کو کہتے ہیں جو ساز پر لاپے جائیں اور مزار اس ساز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی گانا گایا جائے۔ جمع دونوں کی ”مزامیر“ ہے۔ گویا مزبور وہ ہے جو مزار پر گایا جائے اور مزار وہ ہے جس پر مزبور گایا جائے اور مزامیر (بصورت جمع) گیت کو بھی کہتے ہیں اور ساز کو بھی۔ دونوں گویا لازم و ملزوم ہیں اور ظاہر ہے کہ ترنم سوزد ساز کے اندر ہی داخل ہیں۔

### زبور کے غنائی اشارات

زبور کا انداز یہ ہے کہ تقریباً ”ہر باب ایک گیت پر مشتمل ہے اور اس کی سرخی (عنوان) غنائی اشارات پر“ مثلاً  
باب نمبر ۴ کا آغاز یوں ہے ”میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ داؤد کا مزبور۔“

باب نمبر ۵ سے پہلے ”میر مغنی کے لیے بانلیوں کے ساتھ داؤد کا مزبور۔“

باب نمبر ۶ یوں شروع ہوتا ہے۔ ”میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ شمینیت کے سر پر داؤد کا مزبور۔“

باب نمبر ۸ ”میر مغنی کے لیے گیت کے سر پر..... الخ“

باب نمبر ۹ ”موت لیں کے سر پر..... الخ“

باب نمبر ۱۶ ”داؤد کا مکتام..... الخ“

باب نمبر ۲۲ ”میر مغنی کے لیے ہجر کے سر پر..... الخ“

باب نمبر ۲۳ ”داؤد کا مزمور مشکیل..... الخ“  
 باب نمبر ۴۵ ”میر مغنی کے لیے شوشینم کے سر پر بنی قواح کا مزمور  
 مشکیل، عروسی سرود۔“

باب نمبر ۴۶ ”میر مغنی کے لیے علاموت کے سر پر ایک گیت۔“  
 باب نمبر ۵۳ ”میر مغنی کے لیے عمت کے سر پر داؤد کا مشکیل۔“  
 باب نمبر ۵۴ ”میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ داؤد کا  
 مشکیل۔“

باب نمبر ۵۶ ”میر مغنی کے لیے یونت ا-لیم رخو قیم کے سر پر داؤد کا  
 مزمور۔“ مکتام۔

باب نمبر ۵۷ ”التثنیت کے سر پر داؤد کا مزمور۔“ مکتام۔  
 باب نمبر ۶۰ ”میر مغنی کے لیے داؤد کا مکتام سوسن عیدوت کے سر  
 پر۔“

باب نمبر ۶۲ ”میر مغنی کے لیے یدوتوں کے طور پر..... الخ“  
 باب نمبر ۷۲ ”سلیمان کا مزمور۔“  
 باب نمبر ۷۳ ”آسف کا مزمور۔“  
 باب نمبر ۹۰ ”مرد خدا موسیٰ کی دعا۔“  
 باب نمبر ۹۲ ”مزمور سبت کے دن کے لیے گیت۔“  
 باب نمبر ۹۵ کی پہلی آیت یوں ہے۔ ”آؤ ہم خداوند کے حضور نغمہ  
 سرائی کریں۔“

باب نمبر ۹۶ کی پہلی آیت یوں ہے۔ ”خداوند کے حضور نیا گیت  
 گاؤ۔“

باب نمبر ۱۲۰ سے باب نمبر ۱۳۳ تک ہر باب کا عنوان یوں ہے۔  
 ”معلوت، یعنی ہیکل کی زیارت کا گیت۔“ (اس میں بیشتر گیت داؤد کے اور

بعض سلیمانؑ کے ہیں۔)

باب نمبر ۱۴۴ کی نویں آیت یوں ہے۔ ”اے خدا میں تیرے لیے نیا گیت گاؤں گا۔ دس تار والی بربط پر میں تیری مدح سرائی کروں گا۔“

## نتائج

ہم نے مختصر طور پر جو فهرست پیش کی ہے، ان سے مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر نکلتے ہیں۔

- ۱۔ حضرت داؤد کے پاس متعدد معنی (گائے والے) موجود تھے اور کوئی ایک معنی ان سب کا افسر تھا جو میر معنی تھا۔
- ۲۔ عام طور پر ہانسی اور عود (بربط) ستار، دف اور جھانجھ بطور ساز استعمال کیے جاتے تھے (اس کا ذکر آگے آتا ہے)
- ۳۔ خاص خاص گیتوں کے لیے خاص خاص سر مقرر تھے۔ مثلاً شمینیت، کسیت، موت لین، ہجر، شو شینم، علاموت، علت، یونت، ایلیم، رغو قیم، تشیت، سوسن عیدوت وغیرہ۔ مجھے ابھی تک کوئی ماہر ہابیل ایسا نہیں مل سکا جو یہ تمام سران کے فردق کے ساتھ بنا سکے۔
- ۴۔ صرف حضرت داؤد ہی نہیں بلکہ حضرت سلیمانؑ اور ان کے وزیر آسف بھی یہ گیت گاتے تھے۔
- ۵۔ قدیم دعائیں (مثلاً حضرت موسیٰؑ کی دعا) بھی بطور گیت کے گائی جاتی تھی۔
- ۶۔ ان گیتوں کے مضامین میں حمد دعا، نغمہ فتح، زیارت، تہنیکل، پیش گوئی وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں۔
- ۷۔ خدا کے حضور گیت گانے اور بجانے کا پیغمبر حکم بھی دیتا ہے اور

خود بھی اس کا اظہار فقر کے ساتھ کرتا ہے۔ (۴)

## حرف آخر

ان سب سے زیادہ دلچسپ وہ حکم یا نصیحت ہے جو حضرت داؤدؑ یوں کرتے ہیں:

”نرسنگے کی آواز کے ساتھ اس کی حمد کرو، بربط اور ستار پر اس کی حمد کرو، دف بجاتے اور ناپتے ہوئے اس کی حمد کرو، تار دار سازوں اور بانسری کے ساتھ اس کی حمد کرو، بلند آواز جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو، زور سے جھنجھاتی جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔“

یہ آیات ۳ تا ۵ ہیں جو زبور کے آخری باب نمبر ۱۵۰ کی آیات ہیں۔ یہ باتیں صرف بائبل ہی میں نہیں، اس کا اقرار شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی محدث حنفی بھی (جلد ۹ نمبر ۳۲۹ میں) اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۶۳ میں بھی فرماتے ہیں:

عن عبید بن عمیر قال کان للذود علیہ السلام معزفہ یتغنی علیہا ویبکی ویبکی۔

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے پاس ایک باجا تھا جس پر وہ گایا کرتے تھے اور روتے بھی تھے اور رلاتے بھی تھے۔ (۵)

اسی طرح امام شوکانی اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں:

واخرج عبد الرزاق بسند صحيح عن ابن عمر ان داود يأخذ المعزفة فيضرب بها ويقرأ عليها۔

عبد الرزاق اپنی سند میں سند صحیح سے عبد اللہ بن عمرؓ کی

روایت لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ اپنے باجے کو بجا بجا کر اس پر تلاوت زبور کرتے تھے۔

سید مرتضیٰ زبیدی (اتحاف السادہ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۷۱ میں) لکھتے ہیں:  
قال ابن عباس ان داود عليه السلام كان يقرأ الزبور  
بسبعين لحنا يلون فيهن و يقرأه قراءة يطرب منها  
المحموم (۶)

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ سیدنا داؤدؑ زبور کو ستر لہجوں میں پڑھتے تھے اور ایسے نئے نئے انداز سے پڑھتے کہ محوم (نیار) بھی مست ہو جاتا تھا۔

### مزامیر داؤد

آگے چلنے سے پہلے ہمیں ایک روایت سننے چاہیے۔ مسلم اور نسائی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن:

قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم لورائيتني  
البارحة وأنا استمع لقراءة نك لقد اعطيت مزمارة من  
مزامير آل داود قلت والله يا رسول الله لو علمت  
لجبرته لك تحبيراً۔

حضور نے مجھ سے فرمایا کہ رات میں تمہاری تلاوت قرآن سن رہا تھا، تمہیں تو لحن داؤدی عطا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا (کہ حضور سن رہے ہیں) تو میں اور عہدگی سے پڑھتا۔

یہاں ظاہر ہے مزار سے مراد نہ گیت ہے نہ ساز، بلکہ اس سے مراد تلاوت کا ایسا انداز ہے جس میں موسیقیت کی جھلک ہو، کچھ سر ہو، کچھ لے ہو،

اسی کے لیے ایک جامع لفظ ”مغنی“ ہے۔ بعض روایات میں مغنی کا حکم یا ترغیب موجود ہے اور اسی مفہوم کے لیے ایک دوسری روایت ابو داؤد اور نسائی میں حضرت براء سے یوں مروی ہے:

زینوا القرآن باصواتکم

قرآن کو عمدہ آواز سے پڑھا کرو

بلکہ دوسری روایتوں میں تو مغنی کا حکم ہے۔ ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص وغیرہ سے ابن ماجہ، ابو داؤد، داری اور مسند احمد میں حضور کا ارشاد یوں مروی ہے:

لیس منامن لم یغن بالقرآن

وہ ہماری جماعت میں نہیں جو قرآن پڑھنے میں مغنی سے کام نہ لے۔

”حبرہ“ کے معنی میں تو کچھ تاویل چل بھی سکتی ہے لیکن مغنی کی آخر کیا توجیہ کی جائے گی؟

غرض قرآن کی تلاوت کا انداز ایسا تو ضرور ہونا چاہیے جس میں دلکشی ہو، حسن صوت ہو، اور دوسرے منظوم و منثور کلام سے فرق محسوس ہو۔ لیکن موسیقیت کے سر تال، ٹھیکے اور معازف و مزامیر (ہاجوں) سے اسے قطعاً الگ رکھنا چاہیے۔

ہمارے موجودہ دور کا انداز تلاوت اس کی بہت کچھ نمائندگی کرتا ہے۔ آج کل جو لہجے — مثلاً حسینی، حجازی، پختہ حجازی، بڑی، منہولی اور چھوٹی مصری، مایہ، ربکی، عشاقی وغیرہ — رائج ہیں وہ سب تزمین اصوات فی القرآن کی عملی تعبیریں کہی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ ان میں تکلفات کو بڑا دخل ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے تزمین قرآن کا ذریعہ صرف اصوات (آوازوں) کو پہانے کا حکم دیا ہے، طبلے، سارنگی، ہارمونیم، بانسری کے ذریعے اس تزمین میں اضافہ



کرنے کا نہ کوئی حکم دیا اور نہ اس پر کبھی عمل ہوا۔ یوں بھی قرآنی وقار و احترام کو دیکھتے ہوئے کوئی ذوق سلیم یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں سوز پیدا کرنے کے لیے سازوں سے مدد لی جائے۔

کیا چیزیں گائی جاسکتی ہیں؟

لیکن بہت سی دوسری چیزیں گائی جاسکتی ہیں، خواہ سازوں کے ساتھ ہو یا بغیر ساز کے، مثلاً

۱۔ ایسی حدیثیں جو ترمیم کا مطالبہ کرتی ہیں، ان میں چند قسم کی چیزیں آتی ہیں:

(الف) بعض مناقب جیسے من کنت مولا فعلی مولا۔ یہ ترانہ صوفیوں کی بعض محفل سماع میں یوں گایا جاتا ہے:

من کنت مولا فعلی مولا

دھر تو م دھر تو م تو م تا نا نا نا لی

یللی یللی یللی للی

من کنت مولا فعلی مولا

بالکل اسی انداز سے ”لو کان نبی بعدی لکان عمر“ کو بھی گایا جا سکتا ہے لیکن صوفیوں کو کم از کم فاتحہ و قوالی وغیرہ کے موقع پر نہ حضرت عمرؓ سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے نہ کسی پیغمبر سے، نہ خالد بن ولید سے اور نہ ابو حنیفہ سے۔

مجھے اس ترانے کی دھن پوری طرح آتی ہے لیکن کانغذ پر اسے منتقل کرنا مشکل ہے۔

(ب) بعض نکاح یا فح کے شادیاں مثلاً طبرانی کی ایک روایت ہے:

عن عائشة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما فعلت

فلانة؟ ليشيمة كانت عندها فقلت اهديناها الى زوجها  
فقال هل بعثتم معها ضاربة تضرب بالدف و تغنى؟  
قلت تقول ماذا؟  
قال يقول:

"اتيناكم اتيناكم - فحيونا نحيينكم' ولولا الذهب  
الاحمر ما حلت يواديكُم' ولولا الحنطة السمراء  
ما سمعت عنلركم۔" (حوالہ مذکور)

حضورؐ نے پوچھا اس شہید کا (جو عائشہؓ کے پاس تھی) کیا  
ہوا؟ عائشہؓ نے عرض کیا ہم نے اسے اس کے شوہر کے پاس  
رخصت کر دیا۔ فرمایا تم نے کوئی عورت اس کے ساتھ نہ  
کردی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی اس کے ساتھ جاتی۔  
عرض کیا ایسے گیت کے بول کیا ہونے چاہئیں تھے؟ فرمایا کہ  
یہ مصرعے گاتی ہوئی جاتی۔ (ترجمہ) ہم تمہارے گھر آئے،  
تم ہمارے دوارے آئے، تم ہم پر سلامتی بھیجو اور ہم تم  
پر۔ اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمہارے ہاں کوئی نہ آتا اور اگر  
گندمی رنگ کے گیسوں نہ ہوتے تو تمہاری لڑکیاں گداز  
بدن نہ ہوتیں۔

اسی طرح بخاری، ابوداؤد اور ترمذی میں ربیع بنت معوذ سے روایت

ہے:

جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین بنی علی فدخل  
بیتہ و جلس علی فراشی فجعل جویریات لنا یضر  
بن بالدف و یندین من قتل من آباہن یوم بدر اذ قالت  
احد من فینا نبی یعلم ما فی غد قال لہا صلی اللہ علیہ و

سلم دعیٰ ہذہ وقولی بالنتی کنت تقولین۔

جب میری (ریچ بت معوذ کی) رخصتی ہوئی تو حضور میرے غریب خانے پر رونق افروز ہوئے اور میرے ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ چند لڑکیاں دف بجا بجا کر اپنے پدر میں شہید ہونے والے بزرگوں کی مدح سرائی کرنے لگیں۔ ایک نے کہیں یہ مصرع گایا کہ ”ترجمہ“ ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو یہ جانتا ہے کل کیا ہو گا۔“ حضورؐ نے فرمایا یہ نہ کہو وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں (یعنی گارہی تھیں)۔

ایک روایت اور بھی سنئے۔ جو بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے:

دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندى جاريتان تغنيان بغناء بعات فاضطجع على الفراش و حول وجهه و دخل ابو بكر فانتهرنى وقال مزماره الشيطان عند النبى صلى الله عليه وسلم؟ فاقبل عليه وسلم فقال دعهما..... وكان يوم عيد.....

حضورؐ میرے ہاں تشریف لائے اس وقت دو لڑکیاں جنگ بعات کے گانے گارہی تھیں۔ حضورؐ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری کروٹ بدل لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا رسولؐ اللہ کی موجودگی میں یہ شیطانی گیت؟

حضورؐ نے جناب ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

..... رہنے دو ان پچاریوں کو..... یہ عید کا دن تھا.....

اور یہ روایت تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے دن عورتیں

دف پر یہ گارہی تھیں :

طلع البدر علینا      ہم پر چاند نکلا ہے  
من ثنیات الوداع      وداع کے ٹیلوں سے  
وجب الشکر علینا      ہم پر شکر واجب ہے  
مادعا للہ داع      جب تک دعا کرنے والا دعا کرتا رہے  
ایہا المبعوث فینا      اے وہ جو ہمارے اندر بھیجے گئے

جنت بالامر المطاع      آپ تو وہ دین لائے ہیں جو واجب الاطاعت ہے  
ان روایتوں میں ایک وہ حدیث ہے جو حضورؐ کی زبان سے شعر بن کر  
نکل یعنی اتیناکم اتیناکم الخ اور دوسرے اشعار کو تقریری حدیثوں میں شمار  
کرنا چاہیے۔

۲۔ دوسری چیز جو سازوں پر یا بغیر سازوں کے گائی جاسکتی ہے، حمدیہ  
اور نعتیہ اشعار ہیں۔ اگر ان میں کوئی آیت قرآنی یا اس کا کلمہ مصرع  
بن کر آجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۳۔ تیسری چیز وہ رجز ہیں جو مجاہدین میں ولولہ سرفروشی پیدا کرنے  
کے لیے ہوتے ہیں۔ بینڈ اور قومی ترانے بھی اسی ضمن میں آجاتے  
ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز ”حدی خوانی“ ہے جو جانوروں میں بے خودی اور تیز  
رفتاری پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ حضورؐ نے بھی یہ سنی ہے۔

۵۔ پانچویں چیز وہ موسیقی یا اشعار ہیں جو سوز و گداز اور رقیق القلبی  
پیدا کرنے کے لیے گائے جائیں، اس سے شقاوت اور سخت دلی دور  
ہوتی ہے۔

۶۔ چھٹی چیز وہ گانے ہیں جو غم غلط کرنے یا دل بہلانے یا توجہ ہٹانے  
یا کثرت کار کے بعد تھوڑی دیر آرام لینے کے لیے گائے جاتے ہیں۔

بچوں کے لیے جو لوریاں گائی جاتی ہیں وہ بھی اسی ضمن میں داخل ہیں۔

۷۔ ساتویں چیز وہ موسیقی ہے — خواہ ساز کے ساتھ گانے ہوں یا تما گانے یا تنہا ساز — جو مریضوں کو تندرست کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اسپتالوں میں اس کے تجربے ہو رہے ہیں اور بعض جگہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔

چنانچہ جو ہری منٹاوی لکھتے ہیں:

واما الموسیقی فہو تنبیین فیہ قوانین النغمات و  
الاحان و تاثیر ہما فی نفوس السامعین تاثیر<sup>۱</sup> بینا  
یضارع ما تفعلہ العقاقیر الطبیئہ فی الاجسام  
الحيوانیۃ..... والف فیہ ابونصر الفارابی و ابن سینا  
فی جملۃ کتاب الشفاء وصفی الدین عبد المومن و  
ثابت بن قرۃ الصابی و ابو الوفاء البوزجانی..... و  
منفعتہ ہذا العلم بسیط الارواح و نعد یلہا و تقویتہا  
تارہ و قبضہا نارہ اخری۔ اما الاول فیكون فی الافراح  
و الحرب و علاج المرضی و بہ یظہر الکرم و الشجاعتہ  
و نحوہا و اما الثانی فیكون فی الماتم و بیوت العبادات  
فیقبض النفوس عن ہذا العالم و یحرکہا الی مبدئہا  
فتفکر فی العواقب..... (تفسیر منٹاوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)  
موسیقی ایک ایسا علم ہے جس میں نغموں اور لہجوں کے  
قوانین سے بحث کی جاتی ہے اور ان کا جو اثر یقینی طور سے  
دلوں پر ہوتا ہے اس سے بھی بحث ہوتی ہے..... ابو نصر  
فارابی، ابن سینا، صفی الدین عبد المومن، ثابت بن قرہ صابی

اور ابو الوفا جوز جانی نے اس پر کتابیں لکھی ہیں۔ اس فن کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی تو اس سے روح میں انبساط، اعتدال یا تقویت پیدا ہوتی ہے، اور کبھی اس میں سیٹھ پیدا ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا فائدہ جشنوں، جنگوں اور مریضوں کے علاج کے موقع پر حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سخاوت یا شجاعت جیسے جوہر کھلتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا فائدہ مواقع غم یا عبادت گاہوں میں حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت یہ موسیقی دلوں کو اس عالم فانی سے ہٹا کر اس کے اصل مبداء کی طرف پھیر دیتی ہے اور دل آخرت و انجام پر غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

### شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب

اس عبارت کے فوراً ہی بعد منظوم ایک دلچسپ بات کہتے ہیں:

وهذا آخر ما يحدث من الصناعات فى الدولة لانه  
كمالى ولول ما ينقطع من العمران عند اختلالها۔  
چونکہ فن موسیقی کا تعلق کمالات سے ہے اس لیے کسی  
حکومت میں یہ فن سب سے آخر میں فروغ پاتا ہے اور  
جب حکومت میں اختلال پیدا ہوتا ہے تو معاشرے سے سب  
سے پہلے یہی فن غائب ہو جاتا ہے (۷)۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ فن موسیقی ایک ایسا نقطہ عروج (Climax) ہے جس کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے، یعنی یہی علامت کمال اور یہی نشان زوال۔ اسی روشنی میں اقبالؒ کے ”فلسفہ تقدیر ام“ کو دیکھئے  
جہاں وہ کہتے ہیں۔

آجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

گویا موسیقی کی فنی ترقیاں دور انحطاط سے بہت زیادہ تعلق رکھتی ہیں

لیکن یہ دور انحطاط ایسا دور ہوتا ہے جس کی سرحدیں کمالات کی سرحدوں سے

ملی ہوتی ہیں۔ یہ دور ایسا ہوتا ہے کہ شمشیر و سناں کی گرفت ڈھیلی ہو کر طاؤس

و رباب کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر اس فن میں اس درجہ اضمحلال نہ ہو کہ

شمشیر و سناں چھوٹ جائیں تو یہ مہم حیات رہتا ہے اور اس سے وہ تمام فوائد

حاصل ہوتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ ذریعہ بن

جائے عیش و طرب کا، بے کاری کا، بزدلی کا، تخریب اخلاق و اذہان کا، تو ظاہر

ہے کہ شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب کے توازن میں شدید بگاڑ پیدا ہو کر رہتا

ہے۔

حضرت داؤدؑ کی پوری زندگی میں ہمیں جہاں موسیقی، ترنم، سوز اور

ساز کی فراوانی دکھائی دیتی ہے، وہاں قرآن کریم کی یہ آیت بھی سامنے موجود

ہے:

يٰۤاٰدٰدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ

بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى۔ (۲۶:۳۸)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تم

لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور ہوائے

نفس کی پیروی نہ کرو۔

اور اسی طرح اس آیت پر بھی نظر پڑتی ہے:

وَقَتْلُ دَاوُدَ جَالُوتَ (۲۵۱:۲)

جالوت کو داؤد نے قتل کیا۔

اسی طرح حضورؐ کی زندگی میں شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب میں

نہایت اعلیٰ درجے کا توازن نظر آتا ہے۔ شمشیر و سناں سے مراد محض مادی و آہنی نیزہ اور تلوار نہیں، بلکہ بے پناہ عملی سرگرمی، تنظیم کی آہنی گرفت، قانون کا غیر معمولی احترام، پامردی و استقامت کا اعلیٰ نمونہ وغیرہ اس سے مراد ہے۔ اسی طرح طاؤس و رباب سے مراد محض گانا بجانا نہیں، بلکہ جذبات عشق کے تقاضے، لطافت و نزاکت کی باریکیاں، آرٹ اور حسن کاری (احسان) وغیرہ اس سے مراد ہے۔ موسیقی تو محض ایک حصہ ہے احسان (حسن کاری) کا جس طرح تلوار اور نیزہ ایک جز ہے معاشری اور ملی زندگی کا۔

انسان کے اندر دونوں جز یکساں پائے جاتے ہیں۔ عقل اور عشق — ایک جز عقلی (Rational) ہے اور دوسرا جذباتی (Emotional)۔ ان دونوں کا صحیح امتزاج ہی اسلام ہے اور ان دونوں کے توازن میں جتنا بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اسی تناسب سے اسلامی زندگی میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ قانون کا تعلق عقل سے ہے اور اخلاق کا جذبات سے۔ جذبات کی کار فرمایاں عقل و قانون سے بالاتر ہوتی ہیں۔ عقل جذبات پر کنٹرول کرتی ہے اور عشق عقل میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ عقل یہ تو بتا دیتی ہے کہ فلاں بات قابل قبول ہے، اس لیے معقول ہے۔ لیکن اس کی طرف بڑھنے اور لپکنے کے لیے عقل کو حرکت دینا جذبہ عشق کا کام ہے۔ عقل حیلہ گر جب قدم اٹھانے سے کتراتا ہے تو عشق ہی اسے ہمیز لگاتا ہے اور جب عشق اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگتا ہے تو شہسوار عقل ہی زمام اعتدال کو حرکت دیتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں اور اسلام ان دونوں کو بے راہ روی سے روک کر ہم آہنگ کرتا ہے۔ جب عقل و سیاست کی فراوانی سے جذبات واجبہ میں کمی آنے لگے تو اسلام جذبات سلیمہ کو ابھارتا ہے اور جب جذبات کی رو عقل کو بھی بہا کر لے جانے لگے تو وہ ابھرتے ہوئے بے مقصد جذبات کو عقل سے دبا دیتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے دور نبوت میں عبادات و مناسک



کا صرف ظاہری ڈھانچہ رہ گیا تھا اور روح نکل چکی تھی۔ سوز و گداز جو عبادت کی جان ہے باقی نہ رہا تھا۔ یکسوئی، توجہ الی اللہ، تذلل، عاجزی، یسنت کی بجائے جشنت، سخت دلی، تنگ نظری، غرور عبادت، خشکی و خشونت وغیرہ پیدا ہو گئی تھی۔ سیدنا داؤدؑ نے (بحکم الہی) دلوں میں گداز اور نری پیدا کرنے کے لیے موسیقی اور اس کے لوازم سے کام لیا۔ نثر کی جگہ منظوم کلام الہام ہوئے۔ وعظ و نصیحت بھی نظم میں، دعائیں بھی نظم میں، مناجات بھی اشعار کی شکل میں، فتح و نصرت کے شادیاں بھی منظوم انداز میں۔

پھر اشعار کی فطرت اندر سے موسیقی کا مطالبہ کرتی ہے اس لیے ہر موقع کے لیے الگ الگ سروں کے گیت گائے گئے۔ یہ سوز، ساز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس لیے موسیقی کے ساتھ دس دس تاروں والی بربط، ہانسلی، جھانجھ، دف وغیرہ کا استعمال بھی ساتھ ساتھ ہوا۔

ایک پیغمبر (سیدنا داؤدؑ) کے متعلق یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ نے شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب میں توازن کو باقی نہ رکھا ہو گا۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہم جہاں ایک طرف یہ آیت دیکھتے ہیں:

انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق ○ و

الطیر محشورہ..... (۱۸:۳۸)

ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا جو داؤد کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی اکٹھے ہو جاتے تھے۔

وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں:

وقتل داؤد جالوت (۲۵۱:۲)

داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔

اور:

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس

بالحق..... (۲۶:۳۸)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا لہذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔

اور:

واذکر عبدنا داؤد ذا الاید۔ (۱۷:۳۸)

میرے بندے داؤد کو یاد کرو جو قوت والے تھے۔

پہلی آیت کی تفسیر اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں، تاہم سرسری طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت داؤد کی تسبیح و مناجات کا انداز ایسا دلکش اور مسحور کن ہوتا تھا کہ درود دیوار سے وہی چیز نکلتی معلوم ہوتی تھی اور پرندوں پر بھی بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ اس کا تجربہ اب بھی ہو سکتا ہے اور بار بار ہوا ہے۔ اور یہی ہے وہ حقیقت جو اوپر منظاوی کی زبان سے یوں ادا ہوئی ہے۔

ونائبہما فی نفوس السامعین تاثیراً بینا۔

(منظاوی)

نغمہ و لحن کی تاثیر، سننے والوں کے دل میں (خواہ وہ سننے

والے انسان ہوں یا حیوان) ناقابل انکار ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک پیغمبر کے دور میں موسیقی کی جو فراوانی نظر آئے، اس کا ہر دور میں اسی تناسب سے باقی رکھنا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک پیغمبر کے دور میں موسیقی کا فقدان یا غایت قلت نظر آئے تو وہی قلت یا فقدان ہر دور میں رہے۔ اس چیز کی قلت و کثرت کا پیمانہ معاشرے کے اہل نظر معین کریں گے۔ زمان و مکان یا احوال و ظروف کے تقاضوں کے مطابق کہیں اسے بالکل ختم کر دیا جائے گا، کہیں کچھ حصہ باقی رکھا جائے گا اور کہیں اس کو خاطر خواہ ترقی دینی جائے گی۔

ایک پیغمبر کی نظیر پیش کرنے سے میرا مقصد صرف یہی ہے۔ یہ کوئی

ایسی شے نہیں جس سے تعلق رکھنے والا حرام کا مرکب قرار دیا جائے۔ اگر یہ کوئی ابدی حرام شے ہوتی، تو اولاً ”قرآن ہی صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کر دیتا اور ثانیاً“ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کبھی گانا سنتے نہ دف۔ اس کے بعد جب ہم صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہاء، علماء اور صوفیاء کو دیکھتے ہیں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بہت بڑی غالب اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نیت اور استعمال کا طریقہ ایک ہی چیز کو حلال اور اسی چیز کو حرام کر دیتا ہے۔ جب استعمال اور اس کی غرض درست ہو، تو موسیقی جائز بلکہ مستحب بھی ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہی موجب فساد ہو جائے تو موسیقی کیا، ایسی عبادت بھی موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ وہی نماز جو موجب فلاح ہے جب غلط طریقے سے پڑھی جائے تو فویل للمصلین کا مصداق بن جاتی ہے۔ غرض موسیقی یا دوسرے فنون لطیفہ کی نہ حلت مطلقاً حلت ہے، اور نہ حرمت علی الاطلاق حرمت۔ یہ اضافی چیزیں ہیں اور موقع و محل کی مناسبت سے ہی اسے حلال و حرام کہا جاسکتا ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کے بعد اب چند ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، مجتہدین، اور صوفیائے متقین کا ذکر بھی سنئے جن سے گانا اور مزامیر یا صرف گانا سننا ثابت ہے۔

### صحابہ کرامؓ

ہم نے اوپر یہ لکھا ہے کہ غنا اور مزامیر کے متعلق اکابر امت کی مختلف رائیں ہیں۔ جو لوگ اس کی حرمت یا کراہت کے قائل ہیں ان کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ اس وقت صرف ان اکابر کا ذکر مقصود ہے جنہوں نے صرف گانا یا مزامیر کے ساتھ گانا ایک یا چند بار سنا ہے یا ان کا یہ عام مشغلہ رہا ہے۔ ہم

اس وقت علامہ سید مرتضیٰ زبیدی (۱۱۳۵-۱۲۰۵) کی شرح احیاء العلوم جلد ششم صفحہ ۴۵۸ سے کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں:

۱۔ عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب۔

فاما عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما  
فسماع الغناء عنہ مشہور مستفیض نقلہ عنہ کل من  
امعن فی المسئلة من الفقهاء و الحفاظ و اهل التاریخ  
الاثبات۔

عبد اللہ بن جعفر سے گانا سننا پوری شہرت کے ساتھ ثابت  
ہے اور تمام وہ مستند فقہاء، حفاظ حدیث اور مورخین اس  
واقعے کو روایت کرتے ہیں جن کا مطالعہ اس مسئلے میں  
وسعت رکھتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

وقال ابن عبد البر (۳۶۸ - ۴۶۳ھ) فی الاستیعاب انہ  
کان لایری بالغناء باسا" وقال الاستاذ ابو منصور  
البغدادی فی مولفہ فی السماع کان عبد اللہ بن جعفر  
مع کبر شانہ یصوغ الالحان لجواریه و یسمعها منہن  
علی لوطارہ۔

ابن عبد البر اپنی استیعاب میں کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن  
جعفر گانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابو منصور  
بغدادی نے سماع کے موضوع پر اپنے ایک رسالے میں لکھا  
ہے کہ عبد اللہ بن جعفر اپنی جلالت شان کے باوجود اپنی  
ہاندیوں کو نئی نئی دھنیں بتاتے تھے اور ان سے اپنی بربط  
(چنگ یا رہاب یا سرود) پر گانا سنتے تھے۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔

وروی الزبیر بن بکار (۱۷۲-۲۵۶ھ) بسندہ ان عبد اللہ بن جعفر راح الی منزل جمیلۃ یستمع منها لما حلفت ان لا تغنی لاحد الا فی بینہا وغنت لہ ولرادت ان تکفر عن یمینہا و ناتیہ نسמעہ فمنعہا۔

زبیر بن بکار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر ایک بار جیلہ کے گھر گانا سننے تشریف لے گئے کیونکہ جیلہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ کسی کو اپنے گھر کے سوا دوسری جگہ گانا نہیں سنائے گی۔ اس نے عبد اللہ کو گانا سنایا اور ارادہ کیا کہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور ابن جعفر کے پاس آکر گانا سنایا کرے۔ مگر آپ نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔

۲- عبد اللہ بن زبیرؓ

وروی الجماعة وروی الشیخ تقی الدین بن دقیق العید (۶۲۵ - ۷۰۲ھ) فی کتابہ اقتناص السوانح بسندہ عن وہب بن سنان قال سمعت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ یترنم بالغناء وقال عبد اللہ فلما سمعت رجلا من المهاجرین الا و هو یترنم۔ وقال قال امام الحرمین وابن ابی الدم ان الاثبات من اهل التاریخ نقلوا انه كان لعبد اللہ بن الزبیر جوار عوادات۔ وان ابن عمر دخل علیہ فرأی العود فقال ما هذا یا صاحب رسول اللہ فناوله له فنامله ابن عمر وقال هذا میزان شامی فقال ابن الزبیر نوزن به العقول۔ وحکی سماع الغناء عنه الشیخ تاج الدین

الفزاری۔ نقل هذا كله الاوفوى فى الامناع۔  
 ایک جماعت نے اور نیز شیخ تقی الدین بن دقین العید نے  
 اپنی کتاب اقتناص السوانح میں اپنی سند سے روایت  
 کرتے ہوئے وہب بن سنان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں  
 نے عبد اللہ بن زبیر کو گانا گاتے سنا۔ ابن زبیر کہتے تھے کہ  
 مہاجرین میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ترنم کا شوق نہ  
 کرتا ہو۔ امام الحرمین، ابن ابی الدم اور دوسرے مستند  
 مورخین روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر کے پاس  
 بربط بجانے والی ہاندیاں تھیں۔ ایک بار عبد اللہ بن عمران  
 کے پاس گئے تو انھوں نے بربط دیکھی اور پوچھا یہ کیا ہے؟  
 ابن زبیر نے وہ بربط ان کی طرف بڑھا دی اور ابن عمر نے  
 اسے بغور دیکھ کر کہا یہ تو شای ترازو معلوم ہوتی ہے۔ ابن  
 زبیر بولے ہاں اس ترازو پر عقلیں تولی جاتی ہیں۔ شیخ تاج  
 الدین فزاری نے بھی ابن زبیر کے گانے کی روایت نقل کی  
 ہے۔

اوفوی (۸) (۶۸۵ - ۷۷۸ھ) نے یہ تمام روایتیں الامناع میں بھی

نقل کی ہیں

۳۔ معاویہ بن ابی سفیان اموی۔

وحكى الماوردى فى الجاوى ان معاوية و عمرو بن  
 العاص مضيا الى عبد الله بن جعفر لما استكثر من  
 سماع الغناء و انقطع اليه و اشتغل به - فمضيا اليه  
 ليكلماه فى ذلك فلما دخلا عليه سكنت الجوارى  
 فقال له معاوية مرهن يرجعن الى ماكن عليه فغنين

فطرب معاوية فحرك رجله على السرير فقال له عمرو  
ان من جئت تلقاه احسن حالا منك' فقال له معاوية  
اليك يا عمرو' فان الكريم طروب۔

ماوردی نے حاوی میں لکھا ہے کہ جب عبد اللہ بن جعفر  
گانا سننے کے مشغلے میں بہت زیادہ اٹھا کر گئے، تو  
معاویہ اور عمرو بن العاص دونوں ان کے پاس اس مسئلے میں  
مشتغلو کرنے کے لیے گئے۔ یہ دونوں پہنچے تو گانے والی بانڈیاں  
چپ ہو گئیں۔ معاویہ نے ابن جعفر سے کہا ان سے کہئے کہ  
اپنا مشغل جاری رکھیں۔ چنانچہ انھوں نے الاہنا شروع کیا  
اور معاویہ کو ایسا لطف آیا کہ وہ تخت پر اپنا پاؤں بٹھنے لگے۔  
یہ دیکھ کر عمرو بن عاص نے کہا آپ جسے ملامت کرنے آئے  
تھے وہ اس وقت بہتر حالت میں ہے۔ (یعنی جتنا کیف و مستی  
آپ پر اس وقت طاری ہے اتنا عبد اللہ بن جعفر پر بھی  
نہیں جسے آپ ملامت کرنے آئے تھے)۔ یہ سن کر معاویہؓ  
نے کہا چپ بھی رہو عمرو! شریف آدمی صاحب کیف بھی  
ہوتا ہے۔

ابن عیینہ (۲۱۳ - ۲۵۶ھ) نے بھی اپنی سند سے اس واقعے کو اپنی  
کتاب الرخصہ میں لکھا ہے جس میں گانے کے ساتھ بربط کا بھی ذکر ہے اور  
وہ دو شعر بھی نقل کئے ہیں جو ان گانے والیوں نے گائے تھے۔ شعر یہ ہیں:

ایس عندک شکر للنی جعلت  
ما ابیض من قادات الراس کالحمم  
وجدت منك ما قد کان اخلقه  
طول الزمان و صرف الدهر و القدم

علاوہ ازیں مبروہ (۲۱۰-۲۸۵ھ) نے کامل میں اور ابن عقیبہ نے اپنی سند سے جناب معاویہؓ کا یزید کے پاس بیٹھ کر ربط پر گانا سننے کا بھی طویل قصہ لکھا ہے۔

### ۴۔ حضرت عمر فاروقؓ

علامہ ابن عبد البر استیعاب میں ذکر خوات بن جبیر (جلد اول صفحہ ۱۷۰) مطبوعہ دائرة المعارف حیدر آباد دکن) میں فرماتے ہیں۔

حدثنا ابو الحسن علی بن محمد اسمعیل الطرطوسی قال حدثنا ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراهیم الراح قال حدثنا احمد سعید الرباطی قال حدثنا یونس بن محمد قال حدثنا فلیح عن حمزہ بن سعید عن قیس بن حذیفہ عن خوات بن جبیر قال خرجنا حجاجاً مع عمر بن الخطاب ركب فیہم ابو عبیدہ بن الجراح و عبد الرحمن بن عوف فقال القوم غننا شعر ضرار فقال عمر دعوا ابا عبد اللہ فلیغن من ثنیات فوادہ ای من شعرہ قال فما زالت عنہم حتی کان السہر فقال عمر ارفع لسانک یا خوات فقد اسحرنا۔

..... خوات بن جبیر کہتے ہیں ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ان میں ابو عبیدہ بن جراح اور عبد الرحمن بن عوف بھی تھے۔ لوگوں نے فرمائش کی (حضرت عمرؓ) کہ ضرار کے اشعار ترنم کے ساتھ سنو ایے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ابو عبد اللہ (یعنی خوات) کو بلا کر کہو کہ اس کے اشعار گا کر سنائے۔ خوات کہتے ہیں یہ شغل ساری رات ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح



ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا خوات اپنی زبان اب بند کرو۔ کیونکہ صبح ہو چکی ہے۔

حضرت عمرؓ نے دف پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمائش کر کے گانا سنا ہے۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

علاوہ ازیں ابن حجر عسقلانی شافعی (۷۷۳ - ۸۵۲ھ) التلخیص الحبیر ص ۲۰۸ میں لکھتے ہیں۔

وروی عن عمرؓ انه كان اذا خلا في بيته نرّم بالبیت  
لوالبیتین۔

حضرت عمرؓ جب اپنے گھر میں تھا ہوتے تو ایک یا دو شعر گا کر پڑھتے۔

اس روایت کو مبرونے کامل میں، بیہقی نے معرفت میں، شروانی نے الجلیس والانیس میں، ابن مندہ نے معرفت میں، اور ابو القاسم امبانی نے الترغیب میں بھی روایت کیا ہے۔

۵۔ حضرت عثمان ذو التورینؓ

صاحب البیان نے اور ماوردی نے حاوی میں لکھا ہے:

كانت له جاريتان تغنيان له فاذا كان وقت السحر قال  
لهما امسكافان هذا وقت الاستغفار۔ (اتحاف السادة

للزبیدی ج ۵ ص ۲۵۹)

حضرت عثمان غنیؓ کے پاس دو باندیاں تھیں جو انھیں شب کو گانے سنایا کرتی تھیں۔ جب وقت سحر ہوتا تو آپ ان سے فرماتے اب بس کرو یہ استغفار کا وقت ہے۔

ان کے علاوہ چند اور اکابر صحابہؓ نے بھی گانا (بالز امیر اور بلا مزامیر) سنا ہے۔ ہم صرف ان کے نام اور حوالے پر اکتفا کرتے ہیں۔

- ۶۔ عبد الرحمن بن عوف (رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ وابن عبد البر والمبرور  
والزبیر بن بکار وغیرہ)
- ۷۔ ابو عبیدہ بن الجراح (رواہ الیستی)
- ۸۔ سعد بن ابی وقاص (رواہ ابن کثیر فی کتاب الرخصه)
- ۹۔ ابو مسعود بوری (رواہ البیہقی)
- ۱۰۔ عبد اللہ بن ارقم (رواہ ابن عبد البر)
- ۱۱۔ اسامہ بن زید (رواہ الیستی وابن عبد البر)
- ۱۲۔ حمزہ بن عبد المطلب (رواہ الشیخان)
- ۱۳۔ عبد اللہ بن عمر (رواہ ابن طاہر وابن حزم وابن ابی الدم)
- ۱۴۔ براء بن مالک (رواہ الحافظ ابو نعیم وابن وقیق العید)
- ۱۵۔ عمرو بن العاص (رواہ ابن کثیر)
- ۱۶۔ نعمان بن بشیر (رواہ صاحب الاغانی وصاحب العقد و شارح  
المقنع)
- ۱۷۔ حسان بن ثابت (رواہ صاحب الاغانی)
- ۱۸۔ خوات بن جبیر (رواہ الیستی)
- ۱۹۔ رواج بن المنترف (رواہ الیستی)
- ۲۰۔ عبد اللہ بن عمر (رواہ الزبیر بن بکار فی الموفقیات)
- ۲۱۔ عائشہ صدیقہ (رواہ اصحاب الصحاح والسنن)
- ۲۲۔ ربیع بنت معوذ (رواہ اصحاب الصحاح والسنن)
- ۲۳۔ مغیرہ بن شعبہ (نقلہ الامام ابو طالب المکی فی قوت القلوب)
- ۲۴۔ بلال حبشی (نقلہ السید المرتضیٰ الزمیدی فی تحفة المحبین)

## تابعین

ابو طالب مکی (متوفی ۳۸۶ھ) نے (قوت القلوب میں) چند تابعین کا

بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔ سعید بن مسیب کے بارے میں لکھتے ہیں :

به يضرب المثل في الورع وهو افضل التابعين بعد  
لوريس واحد الفقهاء السبعة و قد سمع الغناء و استلذ  
سماعه وقال ابن عبد البر ذكر وكيع عن محمد بن  
خلف قال حدثني عبد الله بن ابي سعيد قال حدثني  
الحسن بن علي بن منصور قال اخبرني ابو غياث عن  
ابراهيم بن محمد بن العباس المطلبی ان سعید بن  
المسيب مرني بعض ارقه مكة فسمع الاخضر يغني  
في دار العاص بن وائل وهو يقول:

تضوع مسكا بطن نعمان اذ مشيت به زينب في نسوة  
خضرات فضرب سعيد برجله فقال هذا والله مما يلد  
سماعه۔

حضرت سعید بن مسیب تقویٰ میں ضرب المثل ہیں اور  
اولیں قرنی کے بعد سب سے افضل تاجی ہیں نیز فقہائے  
سبع میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے گانا سن کر اس سے  
لطف لیا ہے۔ ابن عبد البر نے مذکورہ سند سے بیان کیا ہے  
کہ سعید بن مسیب ایک بار کئے کی ایک گلی سے گزر رہے  
تھے کہ عاص بن وائل کے گھر سے اخضر کی آواز سنی جو یہ  
شعر گارہا تھا (ترجمہ)

”جب زینب (حجاج کی بہن) شرمیلی عورتوں کے جھرمٹ  
میں چلتی ہے تو وادی نعمان مشک کی خوشبو سے بس جاتی  
ہے“

یہ سن کر سعید بن مسیب نے اپنا پاؤں پٹکنا شروع کیا اور کہنے لگے بخدا یہ ہے وہ گانا جس کے سننے میں مزا آ جاتا ہے۔

اس واقعے کو ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں اور ابن سعطی نے اوائل الذیل میں اور طبرانی نے معجم میں بھی ذکر کیا ہے۔

۲۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر (۹) (۳۳۸ - ۵۵۰ھ) اپنی سند سے سلمہ

کی زبانی لکھتے ہیں :

دخلت على سالم بن عبد الله بن عمر واشعب يغنيه بهذا  
الشعر : مغيرة كالبدر سننه وجهها مطهره الاثواب  
والعرض وافر فقال سالم زدني فقال: الممت بنا والليل  
داج كانه جناح غراب عنه قد نفى القطر فقال سالم اما  
والله لولا ان ندلوله الرواة لا جزلت جائزتك فلک من  
هذا الامر مكان۔

میں (سلمہ) سالم بن عبد اللہ بن عمر کے پاس گیا تو وہاں  
اشعب یہ شعر گا رہا تھا مغیرۃ الخ۔ تین اشعار کے بعد  
سالم نے کہا کچھ اور سناؤ۔ اس نے پھر یہ شعر سنائے الممت  
الخ۔ سالم نے کہا اگر بات مشہور ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا  
تو میں تمہیں بڑا معقول انعام دیتا اور تمہیں اچھی خاصی  
حیثیت حاصل ہو جاتی۔

اشعب نے پہلی مرتبہ تین شعر پڑھے تھے اور دوسری بار دو شعر۔ ہم  
نے یہاں صرف ایک ایک شعر ہی نقل کیا ہے۔ اس واقعے کو ابن سعطی نے  
بھی اوائل الذیل میں اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

۳۔ عبد العزیز بن عبد المطلب قاضی مدینہ یا قاضی مکہ

۴۔ خارجہ بن زید فقہائے بصرہ کے دوسرے فرد

۵۔ عبد الرحمن بن حسان بن ثابت

ان تینوں کے متعلق صاحب تذکرۂ حمونیہ اور ابن مرزبان اور مبرد

(کامل میں) اور صاحب اغانی اپنی سند سے یوں لکھتے ہیں:

قال (یعنی خارجه بن زید) دعینا الی مادبة فحضرنا  
وحضر حسان بن ثابت وکان قد ذهب بصره و معه ابنه  
عبد الرحمن فجلسنا جميعا علی مادبه فما فرغ  
الطعام اتونا بجاریتین مغنیتین احدهما وبعه  
والاخری عزة المیلاء فجلسنا بمزهریهما وضربنا  
ضربا عجیبا وغننا بشعر حسان۔

فلالزال قصر بین بصری وجلق علیه من الوسمی جور  
و ابل فاسمع حسان يقول قد لرائی هناک سمیعا  
بصیرا و عیناه تدمعان فاذا سکتنا سکت عینه و اذا  
غننا یبکی و کنت لری عبد الرحمن ابنه اذا سکتنا  
یشیر الیهان غنیا۔

ہم لوگ (جن کا اوپر ذکر ہے) ایک دعوت میں بلائے گئے۔  
اس میں حسان بن ثابت بھی آئے تھے۔ ان کی آنکھیں اس  
وقت جاتی رہی تھیں، اور ان کے ساتھ ان کے فرزند  
عبد الرحمن بھی تھے۔ ہم سب دسترخوان پر ایک ساتھ  
بیٹھے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو داعیوں نے دو لڑکیوں کو  
بلایا۔ ہر ایک کے پاس ان کی بربط بھی تھی۔ انھوں نے  
عجیب انداز سے بجاتے ہوئے حسان بن ثابت کا یہ شعر  
(فلالزال قصر النخ) گایا۔ اس وقت میں نے حسان کو یہ

کہتے سنا کہ یہاں میں اپنے آپ کو شنوا اور پینا محسوس کر رہا ہوں۔ حسان کی آنکھیں روتی جاتی تھیں۔ جب وہ لڑکیاں خاموش ہوتیں تو حسان کی آنکھیں بھی خاموش ہو جاتیں۔ اور جب وہ گانے لگتیں تو وہ بھی رونے لگتے۔ میں ان کے فرزند عبدالرحمن کو دیکھ رہا تھا کہ جب وہ لڑکیاں گاتے گاتے چپ ہو جاتیں تو وہ اشارہ کرتے کہ اور گاؤ۔

اس روایت میں جہاں تابعین کا ذکر ہے وہاں ایک صحابی حسان بن ثابت کا بھی ذکر ہے۔ اس کا ذکر ہم صحابہ کی فہرست میں پہلے کر چکے ہیں۔

۶۔ قاضی شریح

ابو منصور بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں:

انہ کان بصوغ الاحان ویسمعہا من القیان مع جلالنہ  
وکبر شانہ۔

قاضی شریح باوجود اپنی جلالت شان و بزرگی کے نئی نئی دھنیں ایجاد کرتے تھے اور گانے والی باندیوں سے ان کو سنا کرتے تھے۔

۷۔ شعبی محدث (۱۹-۱۰۳ھ) یکے ازا کا بر تابعین۔

بغدادی مذکور ان کے متعلق لکھتے ہیں:

انہ کان یقسم الا صوات الی الثقیل الاول والی الثقیل  
الثانی وما بعدہما من المراتب۔

وہ آوازوں کو ثقیل اول اور ثقیل ثانی میں اور اس کے علاوہ دوسرے درجات میں منقسم کیا کرتے تھے۔

۸۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر المعروف بہ ابن ابی عقیق۔ ان کے متعلق ابو منصور مذکور لکھتے ہیں:

كان فقيها ناسكا يغنى و يعلم القينات الغناء و قال  
الزبير بن بكار فى الموفقيات حدثنا طيبة مولاة  
فاطمة بنت عمر بن مصعب بن الزبير عن ام سليمان  
بنت نافع ان ابن ابى عتيق دخل على جارية بالمدينة  
فسمعها تغنى لابن سريج ذكر انقلب ذكره ام زيد -

والمطايا بالشهب شهاب ركاب الخ فسالها ابن ابى عتيق  
ان تعينه ..... فسمع ابن ابى عتيق كثير مشهور لا  
يختلف فيه اهل الاخبار روى باسانيد جيا دوكان  
كثير البسط والخلاعة مع عفة ونسك وزهد وعبادة و  
اخرج له الشيخان فى الصحيحين -

عبد اللہ بڑے عبادت گزار فقیہ تھے۔ خود گاتے تھے اور  
لوٹڑیوں کو گانے سکھاتے بھی تھے۔ زبیر بن بکار موفقیات  
میں اپنی مذکورہ بالا سند سے ام سلیمان کی زبانی روایت  
کرتے ہیں کہ یہ ابن ابی عتیق (عبد اللہ) مدینے میں ایک  
لڑکی کے پاس گئے اور اسے ابن سرج کے یہ اشعار گاتے  
ہوئے سنا کہ (ذکر انقلب الخ) ..... ابن ابی عتیق نے اس  
سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کی ..... ان کا سماع اس قدر  
معروف و مشہور ہے کہ محدثین کے درمیان اس بارے میں  
کوئی اختلاف نہیں۔ معقول و صحیح اسانید سے یہ ثابت ہے  
کہ اپنی عفت، عبادت گزاری اور زہد کے باوجود سماع کے  
معاملے میں بڑے آزاد منش اور رند مشرب واقع ہوئے  
تھے۔ بخاری اور مسلم نے ان سے روایتیں بھی لی ہیں۔

ابو منصور بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما عطاء بن رباح فہو من اکابر التابعین و هو مع علمہ  
و زہدہ و ورعہ و عبادتہ و معرفتہ بالسنن والآثار کان  
يقسم الاصوات الى الثقيل الاول والى الثقيل الثانى وما  
بعدهما من المراتب۔

عطاء بن رباح جو اکابر تابعین میں ہیں اپنے علم، زہد، تقویٰ  
اور عبادت اور علم سنن و آثار کے باوجود آوازوں کی فنی  
تقسیم 'ثقیل اول'، 'ثقیل ثانی' اور ان کے علاوہ دوسری  
دھنوں میں کرتے تھے۔

بیہقی، ابن خبیبہ، ابن عبد اللہ، اور محمد بن اسحاق فاکسی نے بھی اپنی اپنی  
سندوں سے ان کے سماع غنا کی کئی روایتیں لکھی ہیں۔ ہم نے ان سب کو  
بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۰۔ سعد بن ابراہیم۔

ان کے سماع غنا کا ذکر ابن حزم اور ابن قدامہ حنبلی نے کیا ہے۔  
۱۱۔ امام مالک (ان کا ذکر آگے آتا ہے)

## تابع تابعین

تابعین کے بعد چند تبع تابعین کا ذکر بھی سن لیجئے۔

۱۔ عبد المالک بن جریج۔

هو من العلماء الحافظ والفقيه العابد المجمع على  
جلالته وعدالته وكان يستمع الغناء ويعرف الالحان  
حكى عنه الاستاذ ابو منصور انه كان يصوغ الالحان  
ویمیز بین البسیط و النشید و الخفیف وقال ابن



قتيبة حکى عن ابن جريج انه كان يروح الى الجمعة فيمر على مغن فيولج عليه الباب فيخرج فيجلس معه على الطريق ويقول له غن فيغنيه اصواتا فليسيل دموعه على لحيته ثم يقول ان من الغناء ما يذكر الجنة۔  
(قوت القلوب لابى طالب المكي)

عبد المالك بن جريج عالم، محدث، فقیہ، اور عبادت گزار تھے اور ان کی جلالت و عدالت پر اجماع ہے۔ یہ گانا سنا کرتے تھے اور فن موسیقی سے واقف بھی تھے۔ ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ یہ دھنیں تراشا کرتے تھے اور بسیط، نشید آور خفیف کے فرق کو بھی پہچانتے تھے۔ ابن عمیہ ان کے متعلق ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ جب جمعہ پڑھنے جاتے تو ایک گویے کے پاس سے گذرتے۔ دروازہ کھٹکھٹاتے تو وہ باہر آجاتا اور یہ اس کے ساتھ سڑک کے کنارے بیٹھ جاتے اور اس سے فرمائش کرتے کہ کچھ گانا سناؤ۔ وہ طرح طرح کی موسیقی انھیں سنانا اور ان کے آنسو بہہ بہہ کر داڑھی پر گرتے۔ پھر وہ کہتے کہ موسیقی میں بھی کچھ ایسی خوبیاں ہیں کہ جنت یاد آجائے۔

۲۔ عبد الملك بن ماجة عن مفتی مینہ۔

وكان نفقه على الامام مالك ..... وكان مولعاً بسماع الغناء قال احمد بن حنبل قدم علينا دمعہ من بغنيہ و حدث وكان من الفصحاء۔ (ابن خلیکان جلد اول صفحہ ۶۳۰)

امام مالک کے فقہ میں شاگرد تھے ..... گانا سننے کے رسیا

تھے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ آئے تو ان کے ساتھ ایک گویا بھی تھا جو ان کو گانا سنا تا تھا۔ یہ حدیث بھی بیان کرتے تھے اور بڑے فصیح تھے۔

ان ہی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ ابن عبد البر کا قول نقل فرماتے ہیں:

كان فقيها فصيحاً دارت عليه الفنيا و على ابیه و فقیه بن فقیه و كان مولعاً بسماع الغناء۔ مات ۲۱۲ھ  
انہی ملخصاً (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۰)

یہ فقیہ بھی تھے اور فصیح بھی۔ فتوے انہی کے چلتے تھے یا ان کے والد کے۔ یہ فقیہ بن فقیہ تھے۔ گانے کے بڑے رسیا تھے۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۔ عبد اللہ بن مبارک:

مریہ مغن فقال له احب ان نسمعنی فقال له انی  
مستعجل فالج علیہ فغناه فقال له احسنت احسنت  
ثلاث مرات ثم التفت الینا فقال لعلکم انکرتم قالوا انا  
ننکرہ بالعراق فقال ما تقولون فی الرجز یعنی الحناء؟  
قالوا لا باس به۔ قال ای فرق بینہ و بین الغناء؟ (ابو  
منصور بغدادی)

عبد اللہ بن مبارک کے پاس ایک گویا آیا تو آپ نے اس سے کہا میں تم سے کچھ سنتا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے جلدی ہے۔ آپ نے اصرار کیا تو اس نے گانا سنایا۔ آپ نے اس کو تین بار احسنت (شاباش) کہا۔ پھر ہم عراقیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ شاید تم لوگ اسے روا نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہم لوگ عراق میں اسے روا نہیں

سمجھتے۔ آپ نے پوچھا تم رجز یعنی حدی خوانی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ نے کہا پھر اس میں اور گانے میں کونسا فرق ہے؟

۴۔ شعبہ :

ابو طالب کی قوت القلوب میں لکھتے ہیں :  
ان شعبة سمع طنبوراً فی بیت المنہال بن عمرو  
المحدث المشہور۔  
شعبہ نے منہال بن عمرو کے گھر پر طنبورہ سنا ہے جو مشہور محدث تھے۔

۵۔ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف۔  
ابراہیم بن سعد من ائمة العلم ثقات المدینین کان  
يجوز سماع الملاہی و لا یجد دلیلاً ناہضاً علی  
التحریم فاراه اجتہاده الی الرخصة (الرواة الثقات  
للنہبی)  
ابراہیم بن سعد کا شمار آئمہ علم اور مدینہ کے ثقہ لوگوں میں  
ہے۔ یہ گانا سننے کو جائز کہتے تھے اور اس کے حرام ہونے کی  
کوئی قوی دلیل انہیں نہ ملی سکی۔ لہذا ان کا اجتہاد اس کے  
جواز کی طرف لے گیا۔

ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب جلد اول ص ۱۲۳ میں یوں فرماتے ہیں :

ونقل الخطیب ان ابراہیم کان یجیز الغناء بالعود۔  
ابراہیم ربط کے ساتھ بھی گانا جائز سمجھتے تھے۔

واضح رہے کہ یہ عبد الرحمن بن عوف کے پڑپوتے ہیں اور زہری کے

ارشاد علامہ میں ہیں۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، شعبہ اور بیٹ وغیرہ ائمہ کے استاذ ہیں۔ صحاح و سنن ان کی مرویات سے بھری پڑی ہیں۔ ائمہ ثقافت اور تبع تابعین میں ان کا شمار ہے۔ خطیب بغدادی، ابن خلکان اور ابن قتیبة نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ یہ بربط پر ہر گانے کو جائز ہی نہ سمجھتے تھے، بلکہ خود بھی بربط بجا بجا کر گایا کرتے تھے۔

ان سب سے زیادہ عجیب اور دلچسپ روایت تو یہ ہے:

وكان لا يسمع الطلبة الحديث الا بعد ان يسمعهم الغناء  
نشيداً لو نشيطاً و يضرب بين يديه الدف (رواہ جمال  
الدين المحدث وابن طاہر وغیرہما)

یہ ابراہیم اپنے شاگردوں کو اس وقت تک حدیث نہ سناتے  
جب تک کہ پوری آواز سے مست ہو کر انہیں گانا نہ سنا  
لیتے اور ان کے سامنے دف بھی بجا کرتی تھی۔

ان سے ایک بار ہارون رشید نے احادیث سنانے کی فرمائش کی تو آپ  
نے عود منگوا یا اور ہارون کو گانا سنایا۔ ہارون نے پوچھا فقہائے مدینہ میں سے  
کوئی سماع کا منکر بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا جس کے دل پر خدا نے مرگادی  
ہو گی وہی منکر ہو گا۔ ہارون نے پوچھا امام مالک سماع کے بارے میں کیا فرماتے  
ہیں؟ آپ نے کہانی یریلح کی ایک دعوت میں کچھ لوگ عود اور مغازف پر گا  
رہے تھے، امام مالک نے بھی ایک مرلح دف لی اور اس پر گانا گایا۔ (شرح احیاء  
العلوم للزبیدی جلد ۴ ص ۴۵۷)

۶۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ”سرود ہمسایہ“ (۱۰) والا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔  
صاحب تذکرہ حمدونیہ، ابن قتیبة، مطرزی، (صاحب ایضاح شرح مقامات  
حریری) ادنیٰ، رمادی یعنی ابو عمرو یوسف بن ہارون کندی اور حافظ محمد

عبدالواحد بن علی تمیمی مراکشی (صاحب کتاب المعجب فی اخبار اهل المغرب) وغیرہم نے اسے ذکر کیا ہے۔ کندی نے تو اس واقعے کو منکوم کر کے لکھا ہے۔ ہم نے بخوف طوالت اسے چھوڑ دیا ہے۔

علاوہ ازیں جامع صغیر للامام محمد ص ۱۵۲ کی ایک روایت یوں ہے :

رجل دعی الی ولیمة لو طعام وجد هناك لعلو غناء  
فلا باس بان یقعد و یا کل۔ قال ابو حنیفة رحمہ اللہ  
ابتلیت بہذا مرة۔

اگر کوئی شخص کسی دعوت میں بلایا جائے اور وہاں کھیل یا  
گانا ہو تو وہاں پہنچنے اور کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ابو  
حنیفہؒ فرماتے ہیں ایک بار مجھے بھی اس میں پھنسا پڑا۔  
(بعض نسخوں میں اس کے بعد فصبرت بھی ہے یعنی میں  
نے برواشت کر لیا)

و حکى صاحب التذکرة الحملونى ان ابا حنیفة و  
سفيان الثوري سئلا عن الغناء فقال ليس من الكبائر و  
لا من الصغائر۔

صاحب تذکرہ حمرونیہ روایت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اور  
سفيان ثوری سے گانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو دونوں  
نے جواب دیا کہ اس کا شمار نہ کبیرہ گناہوں میں ہے نہ  
صغیرہ گناہوں میں۔

۷۔ امام داؤد طائی :

و روى الخطيب في تاريخه من دلاء الطائي انه كان  
يحضر السماع وينتصب بعد ان تحنى ويعود قوته و  
كان عالما فقيها حنفيا (الامتناع للوفوى)

خطیب بغدادی، داؤد طائی کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ محافل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی کمر جھک گئی تھی لیکن سماع سن کر جوش میں ان کی قوت لوٹ آتی تھی اور کمر سیدھی ہو جاتی تھی۔ یہ عالم و فقیہ تھے اور حنفی۔  
(شاگرد امام اعظم)

۸۔ قاضی ابو یوسف :

کان ابو یوسف القاضی ربما حضر مجلس الرشید و فیہ الغناء فیجعل مکان السرور به بکاء کانه یتذکر به نعیم الاخرة (القذیم و الحدیث لمحمد کرد علی رئیس المجمع العلمی)

قاضی ابو یوسف اکثر ہارون الرشید کی مجلس میں جس میں گانا ہوتا تھا شرکت کرتے تھے اور ان پر نشاط کی بجائے اس انداز کا گریہ طاری ہوتا تھا کہ گویا ان کا ذہن اس گانے سے انعام اخروی کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

۹۔ امام شافعی :

قال یونس بن عبد الاعلی سالت الشافعی عن اباحة اهل المدینة السماع فقال الشافعی لا اعلم احدا من علماء الحجاز كره السماع (احیاء ج ۲ ص ۱۹۴)

یونس بن عبد الاعلی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے اہل مدینہ کا خیال جو جواز سماع سے متعلق تھا دریافت کیا تو فرمایا میں علمائے حجاز میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو سماع کو مکروہ جانتا ہو۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدللج النبوة میں لکھتے ہیں ”مفتیہ است

غزالی کہ تحریم غنا مذہب او (امام شافعی) نیست و تنہی کردم چندیں از مصنفات  
وے را ندیدم او را نصیے بہ تحریم وے۔ و استاد ابو منصور بغدادی گفتہ کہ  
مذہب وے اباحت سماع ست۔ بقول و الحان چوں بشنود مرد از مرد یا از جاریہ  
خود یا امراے کہ حلال ست نظر بہ وے۔ یا بشنود در خانہ خود یا خانہ بعضے از  
صدقائے خود۔ و شنود آزاد در میان راہ و مقترن نہ گردد سماع بہ چیزے از  
مکرات و ضائع نہ کند بہ سبب آل اوقات نماز را۔ و روایت کردہ است ابو  
منصور بغدادی از یونس بن عبدالاعلیٰ کہ شافعی استعجاب کرد مرا بہ سوئے علیے  
کہ در وے تینہ بود و غنی میکرد۔ چوں فارغ شد تینہ گفت شافعی آیا خوش  
کردی تو ایں را؟ گفتم نہ۔ گفت اگر راست می گوئی نیست ترا حس صحیح۔ یعنی  
خوش داشتن غنا علامت سلامت طبع و حس است و ناخوش داشتن آل نشان  
اعوجاج طبیعت و نقصان حس۔ و ازیں جا معلوم می شود کہ دلیل شرعی بر حرمت  
و کراہت آل نیست۔ اگر آل بودے خوش داشتن طبع آزاچہ فائدہ کردے؟  
----- و بالجملہ بہ تحقیق صحیح شدہ است از قول و فعل شافعی چیزے کہ صریح  
است در اباحت و نیست نص در تحریم۔

(ترجمہ) امام غزالی فرماتے ہیں کہ گانے کی حرمت امام شافعی کا مذہب  
نہیں۔ میں نے ان (شافعی) کی بہت سی کتابوں کو چھانا لیکن گانے کی حرمت پر  
ان کی کوئی نص نہیں ملی۔ استاد ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ آپ (شافعی) کا  
مذہب جواز سماع ہے بشرطیکہ وہ شعرو غنا مرد دوسرے مرد سے سنے یا اپنی کنیز  
سے یا ایسی عورت سے جسے دیکھنا جائز ہے۔ خواہ اپنے گھر کے اندر سنے یا اپنے  
کسی دوست کے گھر پر۔ ہاں راستے کے درمیان نہ سنے اور وہ سماع مکر جسم کی  
کسی چیز سے آلودہ نہ ہو اور اس کی وجہ سے اوقات نماز ضائع نہ کرے۔ ابو  
منصور بغدادی یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی میرے  
ساتھ ایک ایسی محفل میں تشریف لے گئے جہاں کنیز گاری تھی۔ جب وہ گانے

سے فارغ ہو گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا: کو تمہیں یہ گناہ پسند آیا؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے کہا: اگر تم سچ کہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر صحیح حس موجود نہیں۔ گویا گانے کو پسند کرنا سلیم الطبع ہونے کی نشانی ہے اور اسے ناپسند کرنا طبیعت کی ٹیڑھ اور حس لطیف کی کمی کی علامت ہے۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ اگر ہوتی تو طبیعت کا اسے پسند کرنا بے معنی ہوتا۔ مختصر یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے قول و فعل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی اباحت واضح ہے اور حرمت کے لئے کوئی نص موجود نہیں۔

۱۰۔ امام احمد بن حنبل

علامہ ابو الوفا اپنی فصول میں لکھتے ہیں:

ان الامام احمد بن حنبل كان يسمع الغناء من ابنه صالح-

امام احمد بن حنبل اپنے صاحبزادے صالح سے گانا سنا کرتے تھے۔

مللج النبوة میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اما امام احمد بن حنبل صحیح شدہ است روایت کہ وے شنیدہ است غنا رازد پر خودش کہ نام وے صالح است۔ روایت است از ابو العباس قرطبی کہ می گفت:

شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفت:

بودم کہ دوست می داشتم سماع را د بود پدر من کہ ناخوش می داشت آل را۔ پس وعدہ کردم ابن جتادہ را کہ باشد نزد من شے، پس باشید نزد من تا دانستم کہ خواب کرد پدر من پس شروع کرد ابن جتادہ در تمنی۔ پس شنیدم آواز پائے را بر بام۔ پس بر آمدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ می



شعور غنا را و دامن در زیر بغل اوست و وے می خراشد بالائے بام گویا کہ رقص می کند۔ و مثل ایں قصہ از عبد اللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است و ایں دلالت دارد بر اباحت سماع نزد وے رحمۃ اللہ علیہ۔ و آنچه منقول است از وے مخالف ایں محمول است بر غنائے مذموم و مقررین بہ فحش و منکر۔ و روایت کردہ شدہ است از احمد کہ وے شنیدہ قوالے را نزد پسرش صالح و انکار نہ کرد۔ پس گفت پسروے اے پدر آیا بودی تو کہ انکاری کردی و مکروہ می داشتی تو آن را؟ گفت من چنان رسانیدہ اند کہ استعمال می کنند با وے منکر را۔

(ترجمہ) امام احمد بن حنبل کے متعلق یہ روایت صحیح ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے کے پاس جن کا نام صالح تھا، گانا سنا ہے۔ صالح بن احمد بن حنبل کی زبانی ابو العباس فرغانی یوں روایت کرتے ہیں کہ: میں تو وہ تھا کہ سماع کو پسند کرتا تھا اور میرے والد (احمد بن حنبل) وہ تھے جو سماع کو ناپسند کرتے تھے۔ میں نے ابن جنادہ سے وعدہ لیا کہ ایک رات وہ میرے پاس گزارے گا۔ وہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے والد سو گئے ہیں۔ پس ابن جنادہ نے گانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد میں نے چھت پر پاؤں کی آہٹ سنی۔ پھر میں چھت کے اوپر گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد گانا سن رہے ہیں اور اپنا دامن بغل میں دبائے چھت پر ٹھل رہے ہیں، جیسے رقص کر رہے ہوں۔ اسی طرح کا واقعہ عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ (امام احمد) کے نزدیک سماع جائز ہے اور آپ سے جو کچھ اس کے خلاف منقول ہے وہ اس گانے پر محمول ہے جو مذموم اور فحش و منکر سے آلودہ ہو۔ امام احمد کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے صالح کے پاس ایک قوال کا گانا سنا اور اظہار نفرت نہ کیا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے نے پوچھا: کہ ابا جان کیا آپ وہی نہیں جسے (گانے سے) انکار تھا اور اسے مکروہ جانتے تھے؟ آپ نے جواب دیا: مجھے جو اطلاعات

ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ منکرات کا بھی ارتکاب کرتے ہیں۔  
۱۱۔ احمد بن ابی داؤد

قال احمد بن ابی داؤد ان كنت لا سمع الغناء من مخارق  
عند المعتصم فيقع على البكاء حتى ان البهائم لتحن  
الى الصوت الحسن وتعرف فضله (ايضا)

احمد بن ابی داؤد کا کہنا ہے کہ اگر میں معتصم کے پاس مخارق  
کا گانا سنوں تو مجھ پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو  
اچھی آواز کی طرف تو بہائم بھی لپکتے ہیں اور وہ بھی اس کے  
مقام سے واقف ہیں۔

۱۲۔ محمد بن اسحاق بن سلیم قاضی قرطبہ :  
یہ مشہور فقیہ ہیں ان کا علم و فضل اور وقار بھی مسلم ہے۔ وفات  
۳۶۷ھ میں ہوئی ہے۔ ان کا ایک واقعہ سن لیجئے :

----- فخرج قاضی الجماعة ابن السليم يوما " لحاجة  
فاصابه مطر اضطره الى ان دخل بد ابنه في دهلير  
الشيبياني فواقفه فيه فرحب بالقاضي و ساله النزول  
فنزل وادخله الى منزله وتفاوضا في الحديث فقال له  
اصلح الله القاضي عندي جارية مدنية لم يسمع  
باطيب من صوتها فان اذنت اسمعتك عشرا من كتاب  
الله عز وجل و ابيتا فقال له افعل فامر الجارية فقرات  
ثم انشدت فاستحسن ذلك القاضي و عجب منه و كان  
على كمة دنانير فاخرجهما و جعلها تحت الفرش الذي  
جلس عليه و لم يعلم بذلك صاحب المنزل فلما ارتفع  
المطر ركب القاضي و ودعه الشيباني فدعا القاضي له

والجارية۔ (ایضاً ص ۲۱۸)

ایک دن قاضی صاحب موصوف (محمد بن اسحاق بن سلیم) کسی ضرورت سے باہر نکلے تو اس زور کی بارش ہوئی کہ مجبور ہو کر اپنی سواری لئے ہوئے شیبانی کے پھانک میں داخل ہو گئے۔ وہیں قاضی صاحب کو دیکھ کر شیبانی نے اتر پڑنے کی فرمائش کی۔ قاضی صاحب اتر کر مکان کے اندر تشریف لے گئے اور دونوں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ شیبانی نے کہا ”قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ اور صالح بنائے میرے پاس ایک مدنی لڑکی ہے جس سے بہتر آواز شاید ہی سنی گئی ہو۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو قرآن پاک کی چند آیتیں اور کچھ اشعار بھی سنواؤں۔ قاضی صاحب نے فرمایا ”ہاں سنواؤ“ شیبانی نے اس لڑکی سے فرمائش کی تو اس نے قرآن بھی سنایا اور اشعار بھی سنائے۔ قاضی نے خوب داد دی اور متحیر بھی ہو گئے۔ اس وقت ان کی جیب میں چند اشرفیاں تھیں انہوں نے وہ نکال کر اسی فرش کے نیچے رکھ دیں۔ جس پر وہ بیٹھے تھے اور صاحب خانہ سے اس کا ذکر بھی نہ کیا۔ جب بارش رک گئی تو قاضی صاحب نکل کر سوار ہو گئے اور شیبانی نے انہیں رخصت کیا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے شیبانی کو بھی دعائے خیر دی اور اس لڑکی کو بھی۔

۱۳۔ ابو طالب کی ۳۸۶ھ :

یہ قاضی بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ محدث بھی ہیں اور شیخ الصوفیہ بھی۔ یہ اپنی مشہور کتاب قوت القلوب جلد ۲ ص ۶۱ میں فرماتے ہیں :

وكان بعض العارفين يقول نعرف مواجيد اصحابنا  
 في ثلثة اشياء عند المسائل و عند الغضب و عند  
 السماع۔ و انما ذكرنا هذا لانه كان طريقا لبعض  
 المحبين و حالا لبعض المشناقين فان انكرناه مجملا  
 فقد انكرنا تسعين صادقا من خيار الامة۔

بعض عارفوں کا قول ہے کہ ہم اپنے رفقا کے مواجید کو تین  
 موقعوں پر پہچانتے ہیں۔ مسائل بیان کرتے وقت، غصے کے  
 وقت اور سماع کے وقت۔ ہم نے اس (سماع) کا ذکر یہاں  
 اس لئے کیا ہے کہ یہ بعض اہل محبت کا طریقہ اور بعض اہل  
 شوق و ذوق کا حال رہا ہے۔ لہذا اگر اجمالی طور پر سماع سے  
 انکار کریں تو یہ امت کے بہترین افراد میں سے نوے (یعنی  
 بکثرت) صادقین کا انکار ہو گا۔

### چند فقہاء

نامناسب نہ ہو گا اگر یہاں چند فقہائے کرام کا بھی ذکر کر دیا جائے۔  
 امام عبد الوہاب شعرانی لطائف المشن جلد ۲ ص ۱۰۷ میں لکھتے ہیں :

وسئل الشریف ابو محمد الهاشمی عن السماع فقال ما  
 ادری ما اقول فیہ و لکن حضرت دہر شیخنا ابی  
 الحسن التمیمی سنة سبعین و ثلثمائة و قد عمل دعوة  
 دعا بها ابابکر / لا بھری شیخ المالکیہ و ابا القاسم  
 الدارکی شیخ الشافعیہ و طاہر بن الحسین شیخ  
 الحدیث و ابا الحسن بن شمعون شیخ الواعظ و الزہاد و  
 ابن مجاہد شیخ المتکلمین و ابابکر الباقلائی و ابا

الحسن شيخ الحنابلة فقالوا الشخص حسن الصوت  
اسمعنا شيئاً فانشد لهم شعراً من جملته:

خطت انا ملها في بطن قرطاس  
رسالة بعير لا با نفاس  
ان زرتني فديتك من غير محتشم  
فان حبك لي قد شاع في الناس  
و كان قولي لمن اري رسالتها  
قف لي لا سعي على العينين و الراس

قال الشريف الهاشمي رضى الله تعالى عنه بعد ان رايت هولاء  
الاشياخ يسمعون لا يمكنني ان افق بمنع السماع فان هولاء مشائخ  
العراق حتى لو سقط السقف عليهم لم يبق في العراق من يفتنى بحادثة۔

شريف ابو محمد ہاشمی سے گانا سننے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا میری  
سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس بارے میں کیا کہوں؟ مگر ہاں میں اپنے شیخ یعنی ابو  
الحسن تمیمی کے دولت کدے پر ۳۷۰ھ میں حاضر ہوا جہاں دعوت کا انتظام تھا۔  
جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا وہ یہ تھے۔ شیخ الما کلیہ ابو بکر ابهری، شیخ الشافعیہ ابو  
القاسم دارکی، شیخ الحدیث طاہر بن الحسین، شیخ الواعظین و الزاہدین ابو الحسن  
بن شمعون، شیخ المنکلبین ابن مجاہد، ابو بکر باقلانی اور شیخ الحنابلہ ابو الحسن۔ ان  
لوگوں نے ایک خوش گلو آدمی سے کہا کہ کچھ سناؤ، اس نے ایک غزل سنائی جس  
کے چند اشعار یہ ہیں:

(ترجمہ) ”اس محبوبہ نے اپنی انگلیوں سے مختصر سے کاغذ پر ایک پیغام لکھ  
بھیجا جس میں عبیر (مخلوط خوشبو) سے لکھا تھا کہ میں تم پر قربان تم مجھ سے بے  
کھلے لو، کیونکہ مجھ سے تمہاری محبت سارے جہان میں مشہور ہو چکی ہے۔ میں  
نے اس پیغامبر سے کہا ذرا ٹھہرو تاکہ میں آنکھوں اور سر کے بل چلوں۔۔۔۔۔“

اس کے بعد شریف ہاشمیؒ نے کہا ان شیوخ کبار کو گانا سنتے ہوئے دیکھنے کے بعد میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں گانا سننے کے خلاف فتویٰ دوں کیونکہ عراق کے یہ مشائخ وہ ہیں کہ اگر ان سب پر چھت گر جائے (یعنی سب ابھی مر جائیں) تو سارے عراق میں کوئی مفتی باقی نہیں رہے گا جو کسی معاملے میں فتویٰ دے سکے۔

اس کے بعد امام شعرانی نے ان اکابر علماء و ضلحاء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے صرف گانے ہی نہیں سنے بلکہ تواجہ بھی فرمایا ہے۔ اخیر میں انہوں نے امام الفقہاء والحمدین عز الدین بن عبدالسلام کے سماع و تواجہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بزرگ جیسا کہ الامتاع میں لکھا ہے دف اور بربط پر گانا سنتے تھے۔

امام قشیری جن کا شمار ائمہ محققین اور عرفائے کاملین میں ہے، صاحب سماع و وجد تھے۔ جس کا ذکر کتب تاریخ کے علاوہ خود ان کے رسالہ قشیریہ میں بھی ہے۔ ان کے بعض اہل حلقہ کا ذکر بھی امام شعرانی کی زبان سے سنئے:

ان بعض رجال رسالة القشیری اوصی اہله و قال اذا خرجت من هذه الدار علی دین الاسلام و مت فشیعوا جنازتی بالدف و المزماری الحلال۔ فلما مات فعلوا معه ذالک۔

رسالہ قشیری کے بعض اصحاب نے اپنے ورثاء کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں دین اسلام پر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو میرے جنازے کی مشابیت دف اور جائزہ باجے کے ساتھ کرنا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔

اس کے بعد امام شعرانی لکھتے ہیں:

و لا اعتراض علی مثل ذلک فان الموت علی الاسلام

اعظم سرور اعند العاقل من تزويج ولده او ختانه۔  
ایسی باتوں پر کوئی اعتراض درست نہیں کیونکہ اسلام پر  
موت واقع ہونا صاحب عقل کے نزدیک بیٹے کی شادی یا  
فحشے سے زیادہ مسرت کا موجب ہے۔

اس کے بعد مزے کی بات اور بھی سنئے :

و قد رايت بعض العلماء و الصالحين يعطون الزار  
و غيره فى الدعوات الفلوس على ذالك  
میں نے دیکھا ہے کہ بعض علماء اور صالحین دعوتوں میں  
گالے بجائے والوں کو روپے بھی دیتے ہیں۔

### چند مزید صلحاء

اب چند ایسے علماء، فقہاء، صلحاء اور فقراء کا ذکر بھی سنئے جن کا علم و  
فضل مسلمات میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اصل عبارت کو بخوف طوالت ترک کر کے  
صرف ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اصل عبارت کے لئے شیخ محمد بن احمد مغربی  
تولسی کی کتاب فرح الاسماع مطبوعہ انوار محمدیؒ لکھنؤ کا ص ۱۲ تا ص ۱۶ ملاحظہ  
فرمائیے۔

۱۔ امام عز الدین بن عبدالسلام کے سماع مع دف و شبابہ (شمنائی) کا ذکر  
ہمت سے اہل علم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اوفوی نے بھی اپنی الامناع  
میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام ابن عماد کہتے ہیں کہ شیخ عز الدین موصوف  
سے تمام آلات غنا کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سب مباح  
ہیں۔ شیخ شرف الدین بولے مباح کہنے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی  
صحیح روایت اس کی حرمت کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس  
وقت ان کا روئے سخن اہل مصر کی طرف تھا۔ یہ سن کر شیخ عز الدین نے

کہا نہیں بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ مباح ہے۔

۲۔ شیخ تاج الدین فزاری دمشقی کے شیخ اور مفتی نے بھی دف اور شباہ پر کئی بار گانا سنا ہے، جس کا ذکر انہوں نے خو اپنی کتاب نوز القبس میں بھی کیا ہے۔ یہ اپنے وقت کے شیخ اور بہت بوڑھے تھے اور اپانچ (جو کھڑا نہ ہو سکتا ہو) ہو گئے تھے۔ لیکن جب سماع میں ان کو وجد آتا تھا تو دیر تک اس طرح کھڑے رہتے تھے جس طرح کوئی نہایت تندرست آدمی ہو۔

۳۔ حافظ دہمجد و متقی تقی الدین بن دیتی العید نے بھی دف و شباہ پر متعدد بار گانا سنا ہے۔ ایک موقع پر دف اور شباہ کے ساتھ گانا ہوا جس میں شیخ تقی الدین کے علاوہ ان کے والد کے شاگرد شیخ بہاؤ الدین اور فقہائے عدول بھی موجود تھے۔ اور فقہاء ان کے سامنے رقص کر رہے تھے۔ اوفوی کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین بن دیتی العید سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس (غنا و مزامیر) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ”کوئی صحیح حدیث نہ تو اس کے عدم جواز کے بارے میں ہے اور نہ جواز کے بارے میں۔ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ لہذا جس کا اجتہاد اس کی حرمت کی طرف لے گیا وہ حرمت کا قائل ہو گیا اور جس کے اجتہاد کا میلان جواز کی طرف ہوا وہ جواز کا قائل ہوا۔“ (۱۱)

اس کے بعد صاحب فرح الاسماع لکھتے ہیں:

جس محفل سماع میں شیخ تقی الدین موصوف شریک تھے، اس میں شیخ علی کروی بھی تھے۔ کچھ لوگوں پر بہت کیف و بے خودی طاری ہوئی۔ اس کے بعد وقت نماز آ گیا۔ ان ہی بے خودی والوں میں سے ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا۔ شیخ تقی الدین کہتے ہیں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش انہوں نے وضو کر لیا ہوتا۔ جب نماز سے فراغت



ہوئی تو شیخ کردی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ایسی بے خودی طاری نہیں ہوئی تھی کہ جس سے نقص و ضول لازم آتا۔

ایسی ہی ایک محفل میں شیخ موصوف کے ساتھ بعض ائمہ اور شیخ باغیم نے شرکت کی۔ جس کے متعلق شباب الدین بن عبد اللہ طاہر کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین پر عالم وجد و بے خودی طاری ہوا۔ وہ مثل مثل کر کہہ رہے تھے کہ ایسے لوگوں کی محفل سماع کی شرکت تو قرب الہی کا ذریعہ ہے۔ شیخ شباب الدین ویساوی نے شیخ تقی الدین سے جبکہ وہ قاضی القضاۃ تھے، پوچھا، سماع کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیخ تقی الدین نے کہا یہ جائز ہے۔ انہوں نے پوچھا دف اور شباہ کے ساتھ؟ کہا ہاں میرا اس سے یہی مطلب ہے (کہ دف و شباہ کے ساتھ جائز ہے)۔

۴۔ قاضی القضاۃ امام بدر الدین بن جماعہ نے بھی متعدد بار شباہ و دف پر گانا سنا ہے۔

۵۔ علی ہذا شیخ الشیوخ شمس الدین امبہانی نے بھی بارہا ایسی محفلوں میں شرکت کی ہے۔ یہ مشہور شارح اور مصنف ہیں۔

۶۔ شیخ نقوشانی، شیخ علاؤ الدین ترکمانی، شیخ شباب الدین کرکی کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہے۔

یہ سب کے سب اہل مشرق تھے۔ چند نام اہل مغرب کے بھی سنئے:

۱۔ سلطان فاس محروسہ سلطان ابو الحسن مع مشاہیر مفتیان کرام و مصنفین عظام۔

۲۔ امام ابو زید، اور

۳۔ امام ابو موسیٰ۔ یہ دونوں اپنے دور کے بے مثال علماء میں تھے۔

۴۔ حافظ المغرب ابو عبد اللہ محمد بساطی

۵۔ امام ابو عبد اللہ الایلی

- ۶۔ شیخ امام بن عرفہ
  - ۷۔ امام قردی
  - ۸۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرزاق جزوی
  - ۹۔ امام ابو الفضل مروعی
  - ۱۰۔ امام ابو عبد اللہ الصغار
  - ۱۱۔ امام ابو عبد اللہ الحفیدی و السلوی
  - ۱۲۔ امام ابو محمد عبد المیسن۔ یہ اپنے وقت کے بے نظیر محدث اور حافظ حدیث تھے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ عبد المیسن کے سوا مغرب میں کوئی عالم نہیں۔
  - ۱۳۔ امام عبد اللہ زیدی
  - ۱۴۔ امام ابو عبد اللہ بن مبتقر
  - ۱۵۔ امام ابو محمد بن الکاتب
  - ۱۶۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد السلام۔ یہ ابن حاجب کے شارح ہیں
  - ۱۷۔ امام ابو عبد اللہ بن ہارون۔ یہ مشہور مصنف ہیں
  - ۱۸۔ امام ابو محمد الاحمسی۔ یہ قاضی القضاۃ تھے
  - ۱۹۔ شیخ محمد نحاس (قاہرہ)
  - ۲۰۔ امام غنم الدین باطنی۔ ان سے صرف گانا مع الدف و الشاہ سننا ہی منقول نہیں بلکہ رقص کی بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ پھر شیخ محمد بن احمد مغربی لکھتے ہیں:
- ”شام کی ان محافل سماع میں صرف عوام ہی بکثرت نہیں شریک ہوتے تھے بلکہ ہر عالم و مفتی بھی شرکت کرتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ اگر ان پر چھت مگر جاتی (یعنی دفعتاً وفات پا جاتے) تو کوئی عالم اور کوئی مفتی باقی نہ رہتا۔“ (یہ روایت پہلے بھی آچکی ہے)

اس کے بعد مزے کی بات یہ لکھتے ہیں:

و من له اتساع على فوق و مشرب ورقة قلب ادرک  
معنى السماع و من حرم ذلك فهو حمار ولا يعقلها الا  
العالمون و من الادلة التى ذكروها الاجماع على  
تحليل السماع مطلقا قالوا و ذلك لانه اشتهر من فعل  
عبدالله بن جعفر الهاشمى و عبدالله بن الزبير  
و غيرهما و انتشر ذلك فى الصحابة فى خلافة على و  
زمن معاوية و لم ينكر ذلك احد و لو كان محرما لا  
نكره على فاعله و هذا هو الاجماع السكونى۔

جس کے اندر ذوق سلیم، وسیع المشربی اور درودل ہو وہ  
سماع سے لطف اندوز ہوتا ہے اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ  
گدھا ہے۔ اسے اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی مطلق  
حلت پر اجماع امت ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ  
عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کے عمل سے بالکل  
واضح ہے اور حضرت علی اور امیر معاویہ کے عہد میں صحابہ  
میں عام طور پر رائج تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف کوئی  
ایکشن نہیں لیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس پر نکیر ہوتی۔ لہذا  
اسے ”سکوتی اجماع“ سمجھنا چاہئے۔

یہی بات علی بن برہان الدین حلبی شافعی اپنی سیرت حلبیہ میں یوں  
لکھتے ہیں:

قال بعضهم یعنی بعض اہل علم کا کہنا ہے:

و اعلم ان السماع فى طريق القوم معروف و فى  
الجوازب الى المحبة معدود و موصوف و قال بعض

آخرانہ من اکبر مصائد النفوس لی و الرجوع بها الی  
 اللہ تعالیٰ و قد شوہد تاثیر السماع فی الحيوانات  
 غیر الناطقة بل فی الاشجار و من لم یحرکہ السماع  
 فهو فاسد المزاج غلیظ الطبع (سیرت علیہ ج ۲ ص ۶۶)  
 یاد رکھو سماع لوگوں کے طریقے میں معروف چیز ہے اور اس  
 کا شمار ان چیزوں میں ہے جو محبت کی طرف کھینچتی ہیں۔  
 بعض کا کہنا ہے کہ یہ دلوں کے لیے سب سے بڑا جال ہے،  
 یعنی اس کے ذریعے اثابت الی اللہ ہوتی ہے۔ اس کی تاثیر کا  
 مشاہدہ تو غیر ناطق حیوانوں بلکہ درختوں تک میں ہوا ہے،  
 اور جسے سماع حرکت میں نہ لائے وہ فاسد المزاج اور غلیظ  
 الطبع ہے۔

اور یہی مضمون امام غزالی کے ذکر میں ان ہی کے الفاظ میں آگے  
 ملاحظہ کیجئے۔

## امام تقی الدین سبکی کا ایک دلچسپ جواب

شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی ساتویں صدی میں قاضی القضاۃ مصر و  
 شام رہے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے معاصر ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ غیبت  
 (چٹلی) زیادہ بری چیز ہے یا سماع؟ اس کا جواب امام موصوف نے نہایت بلیغ  
 اشعار میں دیا جو یہ ہیں:

یا صاحب الاحوال و الزفرات  
 و الذکر و النسبیح فی الخلوات  
 اے وہ جو خلوتوں کے اندر اپنے خاص احوال، پاس انفاس،  
 ذکر اور تسبیح میں مگن رہتے ہو۔

اما اغتیب الناس فهو محرم  
 قطعاً بنص الله فی الحجرات  
 لوگوں کی غیبت تو نص قطعی سے حرام ہے جیسا کہ سورۃ  
 حجرات میں موجود ہے۔

فحذر منه حذر لا تعدل به  
 لہو" به نوع من الشبهات  
 لہذا اس سے جس قدر بچ سکتے ہو بچو اور کسی "لہو" کو بھی  
 اس کے برابر نہ سمجھو کیونکہ لہو میں کچھ کچھ اشتباہ کی  
 گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

و اعلم بان الرقص و الدف الذی  
 عنه سالت و قلت فی اصوات  
 فیہ خلاف للائمة قبلنا ----  
 سرچ الہدایۃ سادۃ السادات  
 اور یہ سمجھ لو کہ تم نے جس آواز (گائے) 'دف اور رقص  
 کے متعلق دریافت کیا ہے اس میں ہم سے پہلے کے ائمہ  
 کے درمیان اختلاف رہا ہے اور وہ سب اپنی جگہ شیعہ ہدایت  
 اور سرداروں کے سردار ہیں۔

لکنہ لم نات قط شریعۃ  
 طلبتہ لو جعلتہ فی القربات  
 لیکن گائے بجانے سے متعلق کوئی شریعت ایسی نہیں آئی  
 ہے جس نے اس کا مطالبہ کیا ہو یا اسے موجب قرب الہی  
 قرار دیا ہو۔

و العارف المشتاق ان هو ہزہ

وجد فقام يهيم في سكرات  
لا لوم يلحقه و بحمد حاله  
يا طيب ما يلقى من اللذات  
اور عارف مشتاق کو اگر اس کا وجد جھنجھوڑ دے اور وہ اس  
بے خودی میں گردش کرنے لگے تو وہ قابل ملامت نہیں  
ہوتا بلکہ اس کا کیف قابل تعریف ہوتا ہے۔ خوشا وہ لذت  
روحانی جو اسے حاصل ہوتی ہے۔

ان نلت ذا يوما فقد نلت المنا  
و غنيت فيه عن فناوى الفات  
اگر تمہیں کسی دن یہ کیف و لذت حاصل ہو جائے تو سمجھ لو  
کہ تم نے ایک بڑا مقصد پایا اور اس معاملے میں مقفیوں  
کے فتوے سے بے نیاز ہو گئے۔

هنا جواب على السبكي ذى ال  
حجب العظيمة صاحب الحسرات  
علی سبکی کی طرف سے جو خود بہت سے پردوں کے نیچے دبا  
اور حسرت کا مارا ہوا ہے، بس اتنا ہی جواب ہے تمہارے  
سوال کا۔

## امام شوکانی اور ابن حزم کی رائے

امام شوکانی نے ایک خاص رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام  
ہے ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع۔ اس کا ترجمہ بھی  
چھپ گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وقد وضع جماعة من اهل العلم في ذلك مصنفات و

لكنه ضعفها جميعاً بعض اهل العلم حتى قال ابن حزم انه لا يصح في الباب حديث ابداء وكل ما فيه فموضوع۔

اہل علم کی ایک جماعت نے حرمت سماع پر تفنیفات کی ہیں لیکن دوسرے اہل علم نے ان سب کی تنقیص کی ہے، حتیٰ کہ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس بات (حرمت سماع) کے متعلق ہرگز ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی ہے وہ سب موضوع ہے۔

پھر دوسری جگہ خاص طور پر معازف (مزامیر اور ہاجوں) کے متعلق لکھتے ہیں:

و قد اختلف فی الغناء مع آلة من آلات الملاهی و بدونها و ذهب الجمهور الى التحريم مستدلين بما سلف و ذهب اهل المدينة و من وافقهم من علماء الظاهر و جماعة من الصوفية فی السماع ولو مع العود و البیراع و حکى الاسناذ ابو منصور البغدادی الشافعی فی مولفه فی السماع ان عبدالله بن جعفر کان لا یری بالغناء باسا و یصوغ الالحان لجواریه و یسمعها منهن علی لوطار و کان ذلک فی زمن امیر المومنین علی رضی الله عنه و حکى الاسناذ المذكور مثل ذلک ایضاً عن القاضی شریح و سعید بن المسیب و عطاء بن رباح و الزهری و الشعبی۔

غنا مع مزامیر و بے مزامیر کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور اس کی حرمت کی طرف ہے۔ ان کے دلائل ہم اوپر بیان

کر چکے ہیں۔ اہل مدینہ اور ان سے موافقت کرنے والے علمائے ظاہر اور صوفیہ کی ایک جماعت سماع کی اباحت کی طرف گئی ہے۔ اگرچہ ربط و نے کے ساتھ ہو۔ استاد ابو منصور بغدادی شافعی نے اپنی کتاب میں جو سماع کے متعلق ہے، روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر گانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنی باندیوں کو لہجے تراش کر بتاتے تھے اور اپنی ربط پر ان سے گانا سنتے تھے۔ اور یہ سب کچھ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ہوتا تھا۔ استاذ مذکور ابو منصور بغدادی نے قاضی شریح، سعید بن مسیب، عطاء بن ربیع، زہری اور شعی کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

## امام مالک، اہل مدینہ اور ظاہریہ

پھر آگے لکھتے ہیں:

و حکى الاستاذ ابو منصور و الفوزانى عن مالک جواز العود و حکى الرويانى عن القفال ان مذهب مالک بن انس اباحة الغناء بالمعازف۔ قال طاهر هو اجماع اهل المدينة۔ قال ابن طاہر والیہ ذہبت الظاہریة قاطبة۔ استاذ ابو منصور اور فوزانی نے امام مالک سے بھی ربط کا جواز ہی نقل کیا ہے۔ رویانی نے قفال سے بھی مالک بن انس کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ وہ گانے کو معازف (ہاجوں) کے ساتھ مباح سمجھتے تھے۔ طاہر کا کہنا ہے کہ اس کے جواز پر اہل مدینہ کا اجماع ہے اور بقول ابن طاہر کے ظاہریہ سب



کے سب اسی طرف گئے ہیں۔ (امام شوکانی کی یہ تمام عبارتیں نیل الاوطار ج ۷ ص ۳۱۹، ص ۳۲۰ میں ہیں)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں:

پرسیدہ شد امام مالک از سماع، پس گفت دریا قتم اہل علم را در بلاد خود کہ منکر نیستند آل راومی شنید ازاں و گفت منکر نہ شود آل را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ الطبع۔ و ہمچیں نقل کرده است از وے عدولے۔ و حکایت کردہ است اباحت را از وے امام قشیری و استاد ابو منصور و قفال و غیر ایشاں و آنچہ نقل کردہ شدہ است از مالک کہ گفت نمی شنوند آل را مگر فاسقاں محمول ست بر غنائے کہ مقترن ست بوے منکر۔ جمعاً بین القول والفعل

(ترجمہ) امام مالک سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے شہروں کے اہل علم کے متعلق جو کچھ معلوم کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے منکر نہیں۔ وہ گانا سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کا منکر صرف وہی ہو سکتا ہے جو عامی یا جاہل یا غلیظ الطبع عراقی ہو۔ ثقہ شخص نے آپ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ امام قشیری، استاذ ابو منصور اور قفال وغیرہم نے بھی آپ (مالکؒ) سے اباحت ہی کی روایت نقل کی ہے۔ اور آپ سے جو یہ قول منقول ہے کہ اسے صرف فاسق لوگ سنتے ہیں وہ اس گانے پر محمول ہے جو منکرات سے آلودہ ہو۔ آپ کے قول و فعل میں یوں ہی توافق پیدا کیا جاسکتا ہے۔

نیز ابراہیم بن سعد کے بیان میں محدث دہلوی مدارج میں لکھتے ہیں:

پرسند از دے از احوال مالک پس گفت خبر دادند مرا کہ دعوتے بود در بنی یربوع و با قوم دفوف بود دعود ہاکہ مخنی میگردند و لعب می نمودند و بود نزد مالک دف مریع کہ می زد آں را و مخنی مے نمود۔

(ترجمہ) ان (ابراہیم بن سعد) سے لوگوں نے امام مالک کا طرز عمل پوچھا تو آپ نے کہا، مجھے لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ بنی یربوع کے ہاں ایک دعوت تھی جس میں لوگ دفوف اور ہنگوں کے ساتھ گا بجا رہے تھے اور کھیل میں لگے تھے۔ امام مالک بھی ایک چوکھنی دف بجا بجا کر گارہے تھے۔

نیز امام مالک کے نزدیک دف صحت نکاح کی شرط ہے۔ (مکتوب قاضی ثناء اللہ)

اب خود شوکانی کی کتاب ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع صفحہ ۴۰-۴۱ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

والاحادیث المروية من هذا الجنس في هذا الباب في غاية الكثرة وقد جمع العلماء مصنفات كابن حزم وابن طاهر وابن ابی الدینا وابن حمدان الازبیلی والذهبی وغيرهم واكثر الاحادیث فی النهی عن الات الملاهی وقد اجاب المجوزون للغناء عن هذه الاحادیث فقالوا في الامتناع:

وضعف هذه الاحادیث الواردة في هذا الباب جماعة من الظاهرية والمالكية والحنابلة والشافعية ولم تحتج بها الائمة الاربعة ولا دلود ولا سفیان و هم رؤس

المجتہدین و اصحاب المذاهب المتبعة - و قد ذکر ابو بکر بن العربی فی کتاب احکام الاحادیث فی ذلك و ضعفها و قال لم یصح فی تحریم شئی یعنی من جمیع الاحادیث الواردة فی تحریم الغناء و الالات اللہویة - و هکذا قال ابن طاهر انه لم یصح فیها حرف واحد - و قال علاؤ الدین القونوی فی شرح التعرف قال ابو محمد بن حزم لا یصح فی هذا الباب شئی - و لو ورد لکننا اول قائل به و کل ما ورد فیہ فموضوع ثم حلف علی ذلك----

حرمت سماع و مزامیر کے متعلق بے شمار روایات مروی ہیں جن کو بعض علماء مثلاً ابن حزم، ابن طاهر، ابن ابی الدین، ابن حمدان ازلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی تصنیفات میں یکجا کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ احادیث ہیں جو آلات لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ ان ساری احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے، جو غناء کو جائز بتاتے ہیں۔ چنانچہ کمال الدین ادفوی اپنی الامتاع میں کہتے ہیں کہ ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتایا ہے جو حرمت غنا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان احادیث کو نہ ائمہ اربعہ نے حجت مانا ہے نہ داؤد ظاہری نے اور نہ سفیان ثوری نے، حالانکہ یہ سب سرخیل مجتہدین ہیں اور ان کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابو بکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان احادیث کا ذکر کر کے ان کو ضعیف

بتایا ہے۔ ابو بکر بن عربی کہتے ہیں کہ غنا اور آلات لہو (مزامیر) کی حرمت کے متعلق جتنی بھی حدیثیں آئی ہیں ان میں سے ایک بھی تو صحیح نہیں۔ اور ابن طاہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایسی احادیث کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ علاؤ الدین قنوی اپنی شرح نعرف میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو سب سے پہلے اسے ہم مانتے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ پھر ابن حزم نے اس پر قسم بھی کھائی۔

### علامہ فاکہانی

ان کے متعلق نواب سید صدیق حسن خان اپنی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں فرماتے ہیں:

و مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ثاجی السنوخی المالکی در شرح رسالہ ابی زید گفتہ ' قال الفاکہانی لم اعلم فی کتاب اللہ ولا فی سنة رسول اللہ حدیثا صحیحاً صریحاً' فی تحریم الملاحی۔ و انما ہی ظواہر و عمومات ینانسان بہا دلة قطعیة

مغرب کے مفتی علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ثاجی سنوخی مالکی ابو زید کے رسالے کی شرح میں (فاکہانی کا قول) یوں نقل کرتے ہیں:

فاکہانی کہتے ہیں کہ مجھے ملاہی (گانے بجانے) کی

حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی، نہ سنت  
رسولؐ میں کوئی صحیح و صریح حدیث نظر آئی۔  
(نواب صاحب کا یہ اقتباس آگے بھی ہے)

### چند اور محدثین و فقہاء

سید جمال الدین محدث حنفی (۱۲) (تلمیذ امام جزری صاحب ”روایت  
الاحباب“) مولانا فخر الدین زراوی حنفی، علامہ غلام مصطفیٰ نہانیسری حنفی  
وغیرہم نے الگ الگ رسالے جواز سماع و معاذف پر لکھے ہیں۔ اور حرمت  
ملائی کی تمام روایات کو ناقابل اعتبار و استناد بتایا ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی  
حنفی شارح ”احیاء العلوم“ اور مولانا نور اللہ پھرانوی صاحب ”نغمہ عشاق“  
اور مولانا قاضی عبدالرحیم حنفی سبجراتی شارح ”خطبہ قاموس“ وغیرہم بھی ایسی  
کسی حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے بلکہ تضعیف کرتے ہیں۔ ہم یہاں نمونے  
کے طور پر صرف سید جمال الدین محدث حنفی کے رسالہ جواز سماع (قلمی جو  
پہلواری شریف کے کتب خانے میں موجود ہے) کی ایک عبارت نقل کرتے  
ہیں۔ اس سے کئی دوسرے محدثین کی رائیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں:

و اما الاخبار التي تمسك بها بعض الفقهاء مثل  
استماع الملاهي حرام والجلوس عليها فسق والتلذذ  
بها كفر ”و مثل“ ما من رجل يسمع الملاهي الا بعت  
على منكبيه (۱۳) الخ وغيرهما قال النووي:

لا يصح في باب حرمة الغناشي منها والامام السخاوي  
ذكر في المقاصد الحسنة في الاحاديث المشهورة على  
اللسنة:

ما تمسك به في باب حرمة الغناء بعض الفقهاء

لا یصح ولا یوجد لها اصل۔

و ذکر الشیخ ابن حجر العسقلانی ما تمسک به بعض المتأخرین فی حرمة الغناء غیر مثبت لا اصل له اذ لو صح فی بابہ حدیث لتمسک به المجتهدون ولم یثبت فی باب حرمة الغناء من الاحادیث صحاحها و حسناتها و ضعافها و الذی تمسکوا بها غیر مثبت او موضوع لا يتمسک بها فی الاحکام ولم يتمسک بها ابو حنیفة و الشافعی و لا مالک و لا احمد بن حنبل و لا غیرهم من اصحاب المذاهب المتبوعة و انما یوجد تلك الاحادیث فی کلام من تأخر من اتباع ائمة المذاهب و اتباع اتباعهم من الذین لا يعتمد علیهم فی معرفة الصحة و السقم بل قال ابن العربی رحمہ اللہ بعد ما اورد تلك الاحادیث انه لم یصح فی التحريم شی و النی تمسک بها الفقهاء کلها موضوعة و کذا قال ابن طاهر بل قال بعض الشافعية حدیث التحريم لا یوجد الا فی کتاب المنکرین (انتهی مختصراً)

چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہاء حرمت سماع کی دلیل لاتے ہیں، مثلاً استماع الملاہی الخ یعنی ”گانا بجا سنا حرام ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے“ یا مثلاً ما من رجل الخ وغیرہ تو ان کے متعلق نووی لکھتے ہیں کہ حرمت غناء کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ امام سخاوی بھی اپنی مقاصد حسنہ میں ان احادیث کے متعلق جو زبان زد عوام ہیں، فرماتے ہیں: بعض

فقہاء نے حرمت غنا کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ ان کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔ اور ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق جن احادیث سے بعض متاخرین استدلال کرتے ہیں وہ نہ ثابت ہیں اور نہ ان کی کوئی اصل ہے کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے۔ صحیح حسن، تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے حرمت غنا ثابت ہو۔ جن احادیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں بلکہ سب موضوع ہیں جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ ایسی احادیث کو نہ ابو حنیفہ نے لیا نہ شافعی نے، نہ مالک نے قبول کیا نہ احمد بن حنبل نے، بلکہ جن دوسرے مذاہب کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے بھی ایسی روایتوں سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت متاخر ہیں، بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں اور ان پر احادیث کے صحت و سقم کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ابو بکر بن العربیؒ ایسی تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے اور جن احادیث سے فقہاء تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں، بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمت غنا کی حدیثیں صرف منکرین ہی کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

## علامہ خیر الدین ربلی (۸۹۳-۱۰۸۱ھ)

علامہ ربلی شیخ الفقہاء الحنفیہ اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد خاص طور پر صوفیائے کرام کی محفل سماع مع الزامیر کے متعلق لکھتے ہیں:

و اما سماع السادة الصوفية فبمعزل من هذا الخلاف بل مرتفع عن درجة الاباحة الى رتبة المستحب كما صرح به غير واحد من المحققين (فتاویٰ خیرہ جلد ۲ ص ۱۷۹ و ص ۲۱۲)

رہا صوفیہ کرام کا گانا سنانا تو وہ ان اختلافیات سے الگ چیز ہے بلکہ جواز کے درجے سے گذر کر یہ مستحب کے درجے تک پہنچتا ہے، جیسا کہ بہت سے محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔

سرخیل سلسلہ رفاعیہ حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی متوفی ۵۷۸ھ

فرماتے ہیں:

السماع داعية الى الحق و هو من جملة القربات (جلاء الصدى فی سیرۃ امام الہدیٰ قلمی)

سماع حق کی طرف لے جاتا ہے اور ان کا شمار ان چیزوں میں ہے جو تقرب الہی پیدا کرتی ہیں۔

نیز مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی نے لطائف اشرفی میں سماع کے لئے مسجد کو اولیٰ کہا ہے اور امام غزالی کا بھی یہی خیال ہے اور مولانا عبدالرحمن لکھنوی (پنجابی) تو مسجد ہی میں سماع سنا کرتے تھے۔ خود در مسجد میں ہوتے اور قوال صحن مسجد میں۔ یہ بحر العلوم کے شاگرد تھے اور نصیر الدین حیدر کے ہم عصر۔ (عقائد العزیز مولفہ شاہ عزیز اللہ صفی پوری ص ۱۳۵ و ص ۱۳۶)



ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا محض ایک ہی پہلو یعنی لہو و لعب یا معصیت نہیں بلکہ اس کے اندر دوسرا پہلو عبادت اور استجاب کا بھی ہے۔

امام کمال الدین اوفوی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو اپنی الامتناع میں فرماتے ہیں:

ان السماع يحصل به رقة القلب والخشوع واثارة شوق لقاء الله والخوف من سخطه وعذابه وما يفضي الى ذلك قربة و اذا كان السماع هكذا فكيف يكون فيه شائبة اللهو والهوى (مسئلہ سماع و وحدت وجود ص ۸-  
للقاضی ثناء اللہ پانی پتی)

سماع سے رقت قلب، خشوع، لقاء ربانی کی تڑپ، اس کی خفگی کا خوف اور اس طرح قرب الہی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جب سماع کا یہ انداز ہو تو اس میں کھیل یا ہوائے نفس کا شائبہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

نیز شیخ شہاب الدین سروروی عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

السماع يستجلب الرحمة من الله الكريم (ایضاً)

سماع خدائے کریم کی رحمت کو جذب کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة مطبوعہ نول کشورج اول ص

۲۴۵ میں شیخ الشیوخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

اين سماع مستجلب رحمت است از پروردگار کریم۔

یہ سماع خدائے کریم کی رحمت کو کھینچتا ہے۔

## علامہ شامی (۱۲۳۹-۱۳۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی بڑا محتاط قدم اٹھاتے ہوئے تقریباً "اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:

و هذا يفيد ان الة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من اشتغل بها و به تشعر الاضافة الا ترى ان ضرب تلك الالة بعينها حل تارة و حرم اخرى باختلاف النية و الامور بمقاصد ها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بسماعها امور لهم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار كى يحرم بركنهم (رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۱)

اس بحث سے (جو اوپر گزری) یہ ثابت ہوتا ہے کہ آلہ لہو حرام بذاتہ نہیں بلکہ ارادۂ لہو کی وجہ سے ہے خواہ سننے والے کا مقصد لہو ہو یا گانے بجانے والے کا۔ گویا یہ ایک اضافی چیز ہے۔ دیکھتے نہیں کہ یہی باجا ایک موقع پر حرام ہوتا ہے اور دوسرے موقع پر حلال۔ یہ فرق محض نیت کی وجہ سے ہوتا ہے یا ان باتوں کی وجہ سے جو اس کے مقصد سے متعلق ہوں۔ اس میں ہمارے صوفیہ کرام کے لئے دلیل ہے۔ سماع سے ایسی باتیں ان کا مقصود ہوتی ہیں جن کو وہ بہتر جانتے ہیں۔ لہذا معترض کو نکیر کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ ہو۔

## علامہ عبدالغنی نابلسی (۱۰۵۰-۱۱۴۳ھ)

یہ فقہ حنفی کے مسلم عالم ہیں۔ علامہ شافعی اور علامہ طحاوی ان کے

خوشہ چیں ہیں۔ تاریخ جبرقی میں ان کے تبرہ علی کا اعتراف ہے۔ انہوں نے ایک مستقل رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام ایضاح الدلالات فی سماع الالات (۱۳) ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸ پر تقریباً ”یہی مضمون یوں لکھتے ہیں:

و الحاصل ان هذا المسئلة و هي مسئلة سماع الالات المطربة بانوا عها مع الصوت الطيب لا يجوز اطلاق الحرمة فيها من غير تقييدها بالملاهي او بالالات اللهو لو نحو ذلك مما يدل على كونها مستعملة لاجل اللهو كما هو مقيد بذلك في غالب الاحاديث و ان كانت مطلقة في البعض فان الاحاديث يفسر بعضها بعضها كالالات۔ وهذه مقيدة بذلك ايضا في عبارات جميع الفقهاء من المذاهب الاربعة و ان اطلق بعضهم فمراده التقييد عملا بالتفصيل المفهوم من الدين بالضرورة و العاقل اللبيب تكفية الاشارة و الجاهل الخبيث لا يفهم مقصود الشارع و لو بالف عبارة۔ و اذا تقيدت هذه المسئلة بقيد اللهو كان الافتاء بحرمة هذه الالات المطربة يشترطا لتقييد بالتلهي بها و ان لم يكن لاجل التلهي فليست بحرام بل هي مباحة حنيذ لجميع المسلمين و المومنين سواء كانوا من العامة القاصرين او من الخاصة الكاملين و لا يكتف هذا الحكم عن احد مطلقا۔

و المراد باللهو الاعراض بسبب ذلك عن الطاعات و نسيان الفرض و الواجبات و الاشتغال بالمحرمات المكروهات كسما عها على الخمر و الزنا

و نحو ذالك من المنهيات او خطو شى من ذالك بباله و  
استقرارها فى وقت سماعها كما سيأتى بيانه و كل  
احد يعرف ذالك من نفسه لا من غيره و الاعمال  
بالنيات و انما لكل امرى ما نوى (انہی مختصراً)

خلاصہ یہ ہے کہ اچھی آواز کا مختلف النوع باجوں پر سننے کا  
مسئلہ ایسا نہیں کہ علی الاطلاق اس کو حرام کہنا جائز ہو  
تا آنکہ وہ ”طماہی“ یا ”آلات لہو“ کے ساتھ مقید نہ ہوں یا  
کوئی ایسی چیز نہ ہو جو لہو کے لئے استعمال ہوتی ہو۔ اس  
بارے میں بعض احادیث مطلق ہیں اور بیشتر مقید ہیں اور  
احادیث بھی آیات قرآن کی طرح ایک دوسرے کی مفسر  
ہوتی ہیں۔ مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء کی تمام عبارتیں بھی  
اس بارے میں مقید ہی ہیں۔ اور اگر بعض فقہاء نے اسے  
مطلق حرام لکھا ہے تو وہ بھی دراصل مقید ہی ہے کیونکہ  
دین کی تفصیلات سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے وہ یہی تقید  
ہے۔ سمجھدار کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہے اور بے عقل  
جاہل تو شارح کے مقصود کو ہزار طرح کی عبارتوں سے بھی  
نہیں سمجھتا۔ غرض یہ مسئلہ لہو کی قید سے مشروط ہے تو  
باجوں کی حرمت کا فتویٰ بھی اسی وقت صحیح ہو گا جب اس  
میں لہو کی شرط بھی پائی جائے اور اگر باجوں کی غرض لہو نہ  
ہو تو یہ حرام نہ ہو گا بلکہ تمام مومن و مسلم کے لئے جائز ہو  
گا خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل خاص۔ اور اس حکم کو  
کسی سے پوشیدہ نہ رکھنا چاہئے۔

اس کے بعد وہ ”لہو“ کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

”لو“ سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعت الہی کی طرف سے بے توجہی ہو، یا فرائض و واجبات فراموش ہو جائیں، یا حرام و مکروہات میں رغبت ہو جائے، مثلاً خمر یا زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا گانا سننا یا ایسا گانا سننا جس سے سنتے وقت یا بعد میں عارضی یا مستقل طور پر ناجائز خیالات دل میں پیدا ہوں۔ اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور ان تمام باتوں کا اندازہ ہر شخص اپنے دل ہی سے کر سکتا ہے نہ کہ دوسرا۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت ہی کے مطابق جزا ملے گی۔

ایک شبہ یہ رہ جاتا ہے کہ آلات غنا جب بھی ہوں گے اور جہاں بھی ہوں گے ”لو“ ہی کے لئے ہوں گے اس کا کوئی اچھا مصرف کیا ہو سکتا ہے؟ علامہ عبدالغنی نابلسی اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

الجاهل الذی یزعم ان هذه الآلات لا تخرج عن كونها لاجل اللهو۔ قلنا لو لم تخرج عن ذلك لما استثنى العلماء من ذلك الطبل في الجهاد وعلوه بانه اعانة على غزو المشركين و ارهابهم و فى النكاح لا علانه و كذلك يوم العيد لاظهار السرور و الفرح و الطبل محسوب من جملة الآلات المطربات و كذلك الدف ولولا خروج ذلك ما استثنوه و خصصوا به الاحاديث المطلقة۔

جاہل ہے وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ یہ آلات غنا بجز لو کے اور کچھ نہ ہو سکتے۔ ایسے شخص کے لئے میرا جواب یہ

ہے کہ اگر یہ آلات لوہیت کے دائرے سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے تو علماء نہ تو طبل جنگ کو اس سے مستثنیٰ کرتے اور نہ اس استثناء کی یہ علت بتاتے کہ مشرکین سے جنگ کرنے اور ان کو مرعوب کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اور نہ اعلان نکاح کے لئے یا عید کی مسرتوں کے اظہار کے لئے اس کو مستثنیٰ کرتے۔ طبل یا دف کا بھی آخر آلات مطربہ ہی میں شمار ہے۔ اگر یہ لوہیت کے دائرے سے خارج نہ ہو سکتا تو علماء اسے مستثنیٰ ہی نہ کرتے اور نہ احادیث مطلقہ کی تخصیص کرتے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی حنفی کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے مطبوعہ مکتوب میں لکھتے ہیں :

حضرت شاہ عالمین شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ  
العزيز باوجود علم ظاہر و رفعت شان در علم باطن و در سماع غنا  
بامزامیر افراط می داشتند۔ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی  
موسوم بہ رسالہ سماع و وحدت وجود)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی باوجود علم ظاہر کے اور علم باطن میں  
درجہ بلند رکھنے کے مزامیر کے ساتھ گانا سننے میں غلو رکھتے  
تھے۔

امام ابو الفضل محمد طاہر مقدسی (۱۳۳۸-۱۳۵۰ھ)

یہ اکابر علمائے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب  
جولز السماع والمزامیر لکھی ہے۔ ان کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی کی  
زبان سے سنئے :

و قد تكلم العلماء فى السماع كثيرًا و مال بعضهم الى التحريم - و حمله المحققون على ان من داخله علة من هوس او نفاق - و صنف الامام الحافظ ابو الفضل محمد بن طاهر بن على المقدسى فى ذلك كتابا و نقض اقوال من قال بالتحريم و جرح النقلة للحديث الذى لوهم التحريم و ذكر من جرحهم من الحفاظ و استدلى على اباحة السماع و البراع و الدف و الاوتار بالاحاديث الصحيحة و جعل الدف سنة (لطائف المنن ج ۲ ص ۱۰۶)

سماع کے بارے میں علماء کی بڑی بحثیں ہیں۔ ان میں سے بعض تحریم کے قائل ہیں لیکن محققین اس تحریم کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ جب اس کے سننے سے کم عقلی یا نفاق جیسی بیماریاں پیدا ہوں۔ امام ابو الفضل محمد بن طاهر بن علی مقدسی محدث نے اس مسئلے پر ایک کتاب بھی لکھی ہے اور ان لوگوں کے اقوال کی تردید کی ہے جو اسے حرام کہتے ہیں، بلکہ اس حدیث پر بھی جرح کی ہے جس سے حرمت مزامیر و غنا کا وہم پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ان محدثین کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے قائلین تحریم پر جرح کی ہے۔ پھر صحیح احادیث سے گائے، بانسری، دف، ستار وغیرہ کے جواز کو ثابت کیا ہے بلکہ دف کو تو سنت بتایا ہے۔

اس کے بعد شعرانی شیخ عبدالغفار قوسی کا ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

قال الشيخ عبدالغفار القوصي رضى الله تعالى عنه وقد قرأت ذلك على الحافظ شرف الدين البمياطي و اجازني به و جماعة من الحفاظ كابى طاهر السلفى

الاصبهانی بسماعه من المصنف و قال لا فرق بین  
سماع الاوتار و سماع صوت الهزار و البلبل و کل طیر  
حسن الصوت فکما ان صوت الطیر مباح سماعه  
فکذلک الاوتار۔ (ایضاً)

شیخ عبدالغفار قوسی کہتے ہیں کہ میں نے اور بعض محدثین  
نے مثلاً ابو طاہر سلفی اصہبانی نے یہ کتاب (جواز السماع و  
الزما میر) شرف الدین دمیاطی سے پڑھی اور مجھے اس کا  
اجازہ بھی دیا اور انہوں نے خود مصنف (یعنی امام ابو الفضل  
محمد بن طاہر مقدسی) سے یہ کتاب پڑھی تھی وہ کہتے ہیں  
خواہ ستار سنو یا بلبل ہزار داستان کی چمک اور خوش آواز  
پرندے کا گانا سنو، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس  
طرح چڑیا کی چمک سننا مباح ہے اسی طرح ستار سننا بھی جائز  
ہے۔

## امام ابو اسحاق شیرازی

امام مقدسی کے ہم عصر امام ابو اسحاق شیرازی ہیں۔ یہ بھی مجتہد زمانہ  
تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں خود امام ابن طاہر کے الفاظ سنئے۔ بحث  
جواز بریط و عود کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و نقل الحافظ ابن طاہر عن الشیخ ابی اسحاق  
الشیرازی انه کان مذہبہ و انه کان مشہوراً عنه و انه لم  
ینکرہ علیہ احد من علماء عصرہ و ابن طاہر عاصر  
الشیخ و اجتمع بہ و ہو ثقة و حکایۃ اہل المدینۃ و  
ادعی انه لا خلاف فیہ بینہم والیہ مذہب الظاہریۃ



حکامہ ابن حزم وغیرہ (تحفۃ المحبین ص ۵۵)  
 ابن طاہر محدث شیخ ابواسحاق شیرازی کے مسلک کے متعلق  
 فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب میں غنامع العود (بربط) جائز  
 ہے، بلکہ ان کے متعلق یہ بہت مشہور بات ہے۔ اس کے  
 باوجود ان کے کسی ہمعصر عالم نے ان کے بارے میں ان پر  
 نکیر نہ کی۔ ابن طاہر ان کے معاصر تھے اور دونوں کی  
 ملاقات بھی ہوئی ہے۔ یہ امام شیرازی ثقہ ہیں اور اہل مدینہ  
 سے بھی یہ غنامع العود کے جواز ہی کی روایت کرتے ہیں،  
 بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ اہل مدینہ کے درمیان اس کے  
 متعلق کوئی اختلاف نہیں (یعنی سب گانے اور بربط بجانے کو  
 مباح سمجھتے ہیں) اور جیسا کہ ابن حزم لکھتے ہیں، سارے  
 ظاہر یہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

### شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات ج ۴ ص ۶۹ میں فرماتے ہیں:  
 کلام دریں مقام دراز است در علمائے دیگر ہم بطریق فقہاء  
 و محدثین و ہم بر طریق مشائخ طریقت خن کردہ ایم محدثین  
 میگویند ہیچ حدیثی در تحریم غنامع صحیح نہ شدہ است و مشائخ  
 میگویند آنچه در مقام نبی واقع شدہ مراد ہاں مقرون بلہ و  
 لعب است و فقہاء دریں باب تشدید بلیغ دارند۔ و اللہ  
 اعلم۔

(ترجمہ) اس جگہ متفنگب بڑی لمبی ہے جو ہم دوسرے مقام پر  
 کر چکے ہیں یعنی فقہاء اور محدثین کے نقطہ نگاہ سے بھی اور

مشائخ طریقت کے زاویہ نظر سے بھی۔ محدثین تو کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق ایک صحیح حدیث بھی موجود نہیں، اور مشائخ کہتے ہیں کہ جہاں اس کی ممانعت آئی بھی ہے تو اس سے مراد وہی غنا ہے جو لود و لعب سے وابستہ ہو۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں تشدد سے کام لیا ہے۔

پھر مدارج النبوة جلد اول ص ۲۴۵ میں فرماتے ہیں :

و بالجملہ دریں جاہ طریقتہ است۔ یکے مذہب فقہاست، و ایثاں انکار می کنند اشد انکار، و سلوک می کنند مسلک تعصب و عناد، و الحاق می کنند فعل آں را بذنوب و کبائر، و اعتقاد آں را بکفر و زندقہ و الحاد و ایں افراط است و خروج است از طریقتہ اعتدال و انصاف۔ دوم طریقتہ محدثین است و ایثاں می گویند کہ ثابت شدہ در تحریم آں حدیث صحیح و نص صریح بلکہ ہرچہ دارد شدہ دریں باب از احادیث یا موضوع است یا مطعون ----- سوم طریقتہ سادہ صوفیہ و مذہب ایثاں دریں باب مختلف و افعال منجذب آمدہ -----

(ترجمہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تین مسلک ہیں۔ ایک تو فقہا کا مسلک ہے جو (سماع غنا و مزامیر کے) سخت منکر ہیں اور اس بارے میں تعصب اور عناد کا انداز رکھتے ہیں، بلکہ اس فعل کو کبیرہ گناہ اور اس کے جواز کے عقیدے کو کفر، زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہا کا یہ طرز عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے ----- دوسرا مسلک محدثین کا ہے جن کا کہنا ہے کہ تحریم غنا کے

متعلق کوئی صحیح حدیث یا صریح نص موجود نہیں اور جو کچھ  
ہے وہ بھی یا موضوع ہے یا ضعیف ----- تیسرا مسلک  
صوفیہ کرام کا ہے۔ ان کا مسلک اس بارے میں مختلف ہے  
اور عمل بھی باہم متخالف -----

ان ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسئلہ سماع پر ایک رسالہ بھی لکھا  
ہے جس کا نام ہے قرع الاسماع فی بیان احوال القوم و اقوالہم فی  
السماع۔ یہ کتاب فرنگی محل لکھنؤ اور نیزاکاوری کے کتب خانوں میں موجود  
ہے۔ اس کا مخلص خانقاہ سلیمانیہ (پہلواری شریف) کے کتب خانے میں بھی  
ہے۔ اس میں وہ حرمت غنا کی تمام روایتوں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

و مراد ازیں اخبار و آثار و امثال آں غنائے خواہد بود کہ  
فصل و استماع آں بطریق لبو و لعب و داعیہ نفسانیت و  
شہوت حرام و بروجہ بطلالت باشد تطبیقا" بین الدلائل و  
حفظا" للرفیقین و محدثین را در احادیث مذکورہ دریں باب  
خن ہم ست۔ و ایساں ی گویند کہ بیچ حدیث صحیح دریں  
باب وارد نہ شدہ است۔ و اعتماد دریں باب بر قول ایساں  
ست۔

ایسی تمام احادیث و آثار اور روایتوں سے مراد اسی غنا کی  
حرمت ہوگی جس کا گانا یا سننا لبو و لعب کے طریقے پر ہو اور  
غلط طریقے پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف  
لے جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے  
یہی تطبیق ہو سکتی ہے اور محدثین کو ان احادیث کی صحت  
ہی میں کلام ہے جو حرمت غنا کے بارے میں اوپر بیان ہوئی  
ہیں۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث

وارد ہی نہیں ہوئی ہے اور ان کا یہی قول معتبر ہے۔

### مرزا مظہر جان جاناں

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مرشد حضرت میرزا مظہر جان جاناں فرماتے

ہیں:

در مسئلہ سماع در میان ائمہ فقہاء و حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اختلاف قوی است۔ فرقہ اولیٰ می گویند کہ سماع مطلقاً "حرام" است۔۔۔۔۔ فرقہ ثانیہ می فرمایند کہ باطلاق حلال است۔۔۔۔۔ سماع بر دو قسم است یکے آنکہ شخصے محل فتنہ نباشد کلامے موزوں بالحنے موزوں بے مداخلت معذور شرعی انشاء و نماید و فسادے ازاں در باطن مستمعین نزاید بلکہ سرورے یا حزنے در قلب پدید آید۔ این قسم سماع البتہ مباح است کہ مرکب است از دو امر مباح کہ کلام موزوں و نشید موزوں باشد۔۔۔۔۔ قسم دوم آں است کہ غالبان متاخرین رواج داده اند و آں را بجد گرفتہ و امور غیر مشرودہ را وراں خلط نموده اند۔ این قسم بقدر مداخلت امور غیر مباح از کراہت بحرمت خواہد رسید۔ و اینکه جماعتے از ارباب کمال رغبت بہ سماع نیز ندارند از خصوصیات ذوقی است نہ از احکام شرعی (کلمات طہیات مکتوب دوازدهم ص ۲۳-۲۴)۔

فقیر از سماع غیر مباح تائب و سماع مباح را تارک است و در عقیدہ اباحت و غیر اباحت آں تابع کتاب و سنت است (ایضاً) منقول از معارف فروری ۱۳۶۰ ص ۹۰-۹۱)۔



میں یوں لکھتے ہیں :

چوں ضرب دف برائے اعلان نکاح جائز یا مستحب باشد دلیل  
و ظہورہ و نقارہ وغیرہ را از دف چہ تفاوت ست ؟ برائے لمو  
ہمہ حرام ست و برائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان نکاح  
از ہر یک می شود۔ فرق کردن در دف وغیر آں امریست غیر  
معتول۔

جب اعلان نکاح کے لئے دف جائز یا مستحب ہے تو ڈھول  
ظہورے اور نقارے میں اور دف میں کیا فرق ہے ؟ ”لمو“  
کی غرض سے سبھی حرام ہیں۔ اور صحیح مقصد کے لئے سب  
ہی حلال ہیں۔ اعلان نکاح ہر ایک سے ہوتا ہے دف اور  
دوسری چیزوں میں فرق کرنا کوئی معتول بات نہیں۔  
(مکتوبات قاضی ثناء اللہ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ مطبع مجبائی دہلی  
ص ۸)

اپنے رسالہ سماع میں یہی قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں :

----- و مزامیر ہمہ اگر موید شوق و محبت الہی باشند آزا  
حرام نتواں گفت چہ برائے حکمت اعلان نکاح و اعلام قافلہ  
غازیان چوں دف جائز باشد بلکہ طاعت بود برائے ہیجان  
عشق الہی البتہ بہتر باشد۔

بھو نے زہرے و تریاقے کہ دید

بھو نے دمساز و مشتاقے کردید

یعنی در حق فاسقاں زہرست و در حق صوفیان صادق تریاق  
ست

(ترجمہ) مزامیر بھی اگر خدا کی محبت و شوق کی تائید کرے تو

اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔ جب نکاح یا غازیوں کے قافلے کے اعلان کی غرض سے دف جائز ہے بلکہ عین طاعت ہے تو عشق الہی کو ابھارنے کے لئے اس سے بھی بہتر ہے۔  
 ہچھوٹے ----- الخ یعنی یہ ہانسی فاسقوں کے حق میں زہر ہے اور سچے صوفی کے حق میں تریاق ہے۔

### نواب سید صدیق حسن خاں

نواب صاحب موصوف دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں :  
 مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی السنوخی المالکی در شرح رسالہ ابی زید گفتہ قال الفاکہانی لم اعلم فی کتاب اللہ و لا فی سنۃ رسولہ حدیثا صحیحاً صریحاً فی تحريم الملاہی و انما ہی ظواہر و عمومات ینانس بہا لا ادلة قطعیۃ۔

(ترجمہ) مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی رسالہ ابو زید کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ”فاکہانی کہتے ہیں قرآن میں مجھے کوئی نص اور سنت نبوی میں کوئی صحیح و صریح حدیث ایسی نہ ملی جس سے ملاہی کی حرمت ثابت ہو۔ ہاں کچھ ظاہری و عمومی باتیں ہیں جن میں سے کچھ اشارہ ملتا ہے لیکن قطعی دلیلیں موجود نہیں۔ (نواب صاحب کی یہ عبارت علامہ فاکہانی کے ذکر میں گزر چکی ہے)

## مسلك صوفیہ

اوپر کے تمام حوالوں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ:

۱۔ عام فقہائے کرام اس بارے میں سخت تشدد ہیں اور ان کا تشدد حد تعصب و عناد تک پہنچا ہوا ہے۔ نیز جن احادیث کی بناء پر یہ سماع غنا و مزامیر کو مطلق حرام کہتے ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع۔ (اہم آگے چل کر کچھ ان کا بھی ذکر اور تجزیہ و تحلیل کریں گے)

۲۔ محدثین عام طور پر سماع کو جائز و مباح کہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مزامیر کو بھی عام طور پر جائز کہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مخصوص مزامیر کو مباح بتاتے ہیں۔ حرمت غنا کے متعلق کسی حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور ہر ایک کو مطعون و موضوع بتاتے ہیں۔ ہاں وہ ایسے غنا و مزامیر کو جائز نہیں سمجھتے جس کا مقصد نیک نہ ہو۔ اگر اس سے غیر مباح باتوں کی تحریک پیدا ہو تو ناجائز ہے اور کوئی اعلیٰ مقصد ہو تو مستحب بھی ہو سکتا ہے۔ تفریحات و اعیاد کے موقعوں پر گانا بجانا صرف مباح ہی نہیں بلکہ سنت بھی ہے۔

یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک بات کو صاف کر لینا چاہئے۔ محدثین کرام بطور لہو و لعب گانے بجانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ لیکن اس لہو و لعب کا مطلب محض کھیل تماشہ نہیں۔ خوشی، شادی، عید، رخصتی کے مواقع پر جو بھی گانا بجانا ہوتا ہے وہ ایسی تفریح ہوتی ہے جو کوئی اہم مقصد نہیں رکھتی۔ وہ تفریحات بہر حال لہو و لعب ہی ہیں لیکن یہ ناجائز نہیں۔ لہو و لعب سے مراد صرف وہی چیزیں ہیں جن کے سبب سے طاعت الہی کی طرف سے بے توجہی ہو، یا فرائض و واجبات فراموش ہو جائیں، یا حرام و مکروہات کی طرف رغبت پیدا ہو۔ مثلاً خمر



و زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارے یا فاسد خیالات پیدا کرے وغیرہ وغیرہ۔

لو و لعب کی یہ تصریح علامہ عبدالغنی نابلسی نے کی ہے اور ہم اسے اوپر لکھ چکے ہیں۔

۳۔ تیسرا مسلک صوفیہ کرام کا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سب یکساں نہیں۔ بعض تو مطلقاً جواز کے قائل ہیں اور عامل بھی اور بعض اس بارے میں بے حد محتاط ہیں۔

عام طور پر آج کل یہی سمجھا جاتا ہے کہ گنا اور قوالی صرف صوفیہ سنتے ہیں اور یہی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ یہ خیال موجودہ صوفیہ کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے قائم کیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے جواز کے زیادہ تر محدثین ہی قائل ہیں۔ اور صوفیہ اس باب میں اگرچہ فقہاء کی طرح تشدد نہیں لیکن محدثین کی بہ نسبت بہت زیادہ محتاط رہے ہیں۔ بلاشبہ کچھ صوفیہ ایسے بھی گذرے ہیں جن کو سماع میں غلو رہا ہے۔ لیکن اکابر صوفیہ میں اکثر کا مسلک ایسا بھی رہا ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ چند مثالیں سنئے۔ ہم اس موقع پر لمعات سلیمانی کی اصل عبارت کو بخوف طوالت ترک کر کے صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ کتابچہ حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ کی تحریریں ہیں جو ان کی وفات کے چھ سال بعد ۴۱ء میں مولانا منظور الحق صاحب کلیم اعظم گڑھی نے نظامی پریس بدایوں میں لمعات سلیمانی کے نام سے طبع کرائی تھیں۔ یہ لمعات سلیمانی ایک سو بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس میں کسی صاحب کے متعدد سوالات کا علی انداز سے جواب دیا گیا ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ ان سوالات میں ایک سوال سماع و مزامیر کے متعلق بھی ہے جس کا جواب صفحہ ۱۱۱ سے صفحہ ۱۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔ سماع و مزامیر کے متعلق فقہاء اور محدثین کے مسلک پر جامع بحث کرتے ہوئے صوفیہ کا مسلک

اور طرز عمل ص ۱۱۸ سے یوں شروع ہوتا ہے:

سمع کے بارے میں صوفیہ کا مسلک عوارف المعارف، آداب المریدین اور قوت القلوب وغیرہ میں متخالف نظر آتا ہے۔ لیکن ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ اس سے انکار میں کچھ زیادہ تشدد اور احتیاط رکھتے ہیں، کیونکہ ان کا مسلک اقوال و افعال میں عزیمت ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں سماع کو مکروہ لکھا ہے۔ شیخ شہاب الدین سروردی اس سے اجتناب فرماتے تھے۔ شیخ بہاؤ الدین نقشبندی فرماتے ہیں کہ ”انکار می کنم نہ اس کار“ یعنی مجھے اس سے انکار تو نہیں لیکن میں خود یہ کام نہیں کرتا۔ متقدمین میں اکابر اور متاخرین میں جم غفیر اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ وہ نہ تو اسے حرام سمجھتے تھے اور نہ اس میں غلو رکھنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ بجز اس سماع کے جو بطور لہو و لعب ہو۔ ہاں صوفیہ میں ایک گردہ ایسا ہے جس پر ولہ و شوق، سکر محبت اور وجد و حال غالب رہا جس کی وجہ سے انھیں سماع کے بغیر چارہ نہ تھا، جیسے حضرات چشتیہ۔ ان کے لئے وہی حکم ہے جو شوق و مستی والوں کے لئے ہے، کیونکہ نعمتوں کا جو اثر دل پر ہوتا ہے قلب میں سوز یا قلق پیدا ہوتی اور بعض باطنی قوتیں ابھرتی ہیں اس میں شک کی گنجائش نہیں بلکہ بعض اوقات تو سماع کے درمیان نزول رحمت اور تجلیات صفاتیہ کا بھی مشاہدہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے سماع کے لئے انھوں نے خاص خاص آداب و شرائط مقرر کئے ہیں۔ حاشا و کلا ان کے سماع کو ظاہر پرست نادانوں کے سماع سے کوئی نسبت نہیں۔ ہل بستوی الاعمی والبصیر؟ شتان بینہما۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

سمع اے برادر بگویم کہ چیت؟  
مگر مستمع را بدانم کہ کیست؟  
مگر از برج معنی بود سیر او

فرشتہ فرو ماند از سیر او  
اگر مرد لہو ست و بازی دلاغ  
قوی تر شود دیوش اندر دماغ (۱۵)

(یعنی میں تو یہ بتا سکتا ہوں کہ سماع کا کیا مسئلہ ہے لیکن پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سننے والا کیسا ہے؟ اگر سماع سے وہ آسمان معانی کی سیر کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کے سامنے پست ہیں اور اگر محض لہو و لعب کے لئے سنتا ہے تو اس کے نفس امارہ کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔)

بعض فقہاء یا دہابیہ جو صوفیہ کرام پر سماع مزامیر یا آلات لہو کی وجہ سے طعن و تشنیع کرتے ہیں وہ دراصل تعصب و بہتان ہے۔ کیونکہ انھوں نے دف کے سوا اور کسی مزامیر کو حلال نہیں کہا ہے۔ بلکہ بعض اکابر صوفیہ نے تو صرف سماع غنا کا بھی ارتکاب نہیں کیا ہے۔ سنا ہے تو صرف ان متقدمین اور چند متاخرین صوفیہ نے جو مغلوب الحال ہو گئے۔ پھر انھوں نے نہ اس کی حلت کا اعلان کیا اور نہ اس پر ہمیشہ مداوم رہے۔ ظاہر پرست نادانوں اور ان صوفیہ میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ جیلانی فرماتے ہیں:

فان حضرة منكر كالطبل والجزامير والعود والنای و  
الشربوق و الشبابة و الرباب و المغانی الطنابر و  
الجعران الذی يلعب به الترك لانجلس هناك لان ذلك  
محرم۔

یعنی اگر کسی محفل میں ٹکرات ہوں مثلاً طبل، مزامیر، بربط،  
بانسری، شربوق، شابہ، چنگ، مغانی، طنبورہ، جعران وغیرہ  
جن کو یہ ترک استعمال کرتے ہیں تو ہم وہاں نہیں جاتے  
کیونکہ یہ سب حرام ہیں۔-----



رکھی ہے، اس کے بارے میں ہم کیا کہیں۔ بعض بلکہ اکثر و بیشتر مشائخ نے سماع کو سب سے بڑا مقصد، اعلیٰ درجے کا مقام اور سلوک و عرفان کا رکن سمجھ رکھا ہے گویا انہوں نے اسے عبادت میں داخل کر لیا ہے اور اس کے اہتمام کو صوم و صلوٰۃ کے اہتمام سے بھی بڑھا دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون — بلکہ بعض مشائخ کو تو ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ جو سماع سے اجتناب کرے اس پر یہ طعن و تشنیع کرتے ہیں اور مزامیر کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ بعض جگہ ڈھولک پر غلاف چڑھا کر اسے اپنے سر پر رکھتے ہیں اور ستار کو اپنے سجادے پر جگہ دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من صنیعائہم۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے کمال احتیاط کی وجہ سے ڈھولک (۱۸) کو تو جائز رکھتے ہیں اور ستار کو مزامیر پر شمار کرتے ہیں، یہ بھی عجیب بات ہے۔ ان لوگوں پر علماء کا ہنسنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان لوگوں کو یعنی (سماع و مزامیر کو عبادت سمجھنے والوں کو) چاہئے کہ کبھی ان آیات کا بھی مراقبہ (غور و فکر) کریں کہ ماکان صلونہم عند البیت الا مکاء و تصدیۃ (بیت اللہ کے پاس ان کی نماز تالیاں اور سیٹیاں بجانا ہی رہ گئی تھی) اور ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لیفضل عن سبیل اللہ (بعض یہودہ گفتگو کو خریدتے ہیں تاکہ راہ خدا سے ہٹا دیں۔ اس مراقبے کے بعد ان پر یہ خوب آشکار ہو جائے گا۔ ع

کہ باکہ باختر عشق در شب دیجور

میرے مرشد (مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلوار دی) نے بار بار سماع کو مباح فرمایا ہے، لیکن مزامیر کے جائز ہونے کے متعلق نہ کچھ فرمایا نہ کچھ لکھا۔ ان کے جلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ شجاعت علی صاحب محدث سماع نہیں سنتے تھے اور عرس و محفل سماع کی شرکت سے کاملاً اجتناب کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے جب اس کا ذکر ان کے مرشد حضرت شاہ علی حبیب کی خدمت میں کیا تو آپ نے ان کے اس صدق معاملہ کو پسند فرمایا اور ان کے اس طرز عمل

کی تحسین فرمائی۔ کیوں نہ ہو؟ حضرت مرشدؒ صوفی و عارف بھی تھے اور فقیہ و محدث بھی۔ صاحب شریعت بھی تھے اور اہل طریقت بھی۔ اپنے دور کے مشائخ بھی تھے اور عالم اجل بھی۔ ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے ان ہی سے ملا ہے۔

کفی شرفانی مضاف البکم وانی بکم ادعی و ارعی واعرف

(انتہی کلامہ)

اسی طرح حضرت موصوف اپنے ایک مکتوب بنام مولانا شاہ شریف اعظم لکھمینیباوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

سماع مبتدی کو صحبت شیخ میں مفید اور متوسط کو معین اور متشی کو غیر مفید بلکہ کبھی مضرت ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بہترے کبرائے مشائخ نے آخر میں ترک سماع کیا۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ انوار تلاوت قرآن نے ہمیں سماع سے مستغنی کر دیا۔ بعضوں نے فرمایا کہ نماز کی مشغولی ذوق سماع کو بے کار کر دیتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے آخری دور تک سماع کو اس لئے قائم رکھا کہ مسترشدین کا افاضہ و استفاضہ بہ آسانی قائم رہے۔ ورنہ ان لوگوں کی شان کہیں رفیع تھی۔ میں اب بھی سماع کو چنداں دوست نہیں رکھتا۔ ہمیں اپنے توحیدی مراقبات میں استغراق چاہئے اور ہمیں مشاہدات کی ضرورت ہے۔

رزقنا اللہ وایاکم حلاوة المشاهدة (مُس العارف ج ۱ ص ۱۲۵)

اور یہی بات حضرت جنید بغدادیؒ یوں فرماتے ہیں:

الناس فی السماع ای سماع الالات علی ثلثة اضرب:  
العوام و هو حرام علیہم لبقاء نفوسہم و الزہاد هو  
مباح لہم لحصول مجاہدتہم - و العارفون و هو  
مستحب لہم لحیاء قلوبہم و ذکر نحوہ ابو طالب  
المکی و صححہ السہروردی فی عوارف المعارف  
(سیرت طیبہ جلد ۲ ص ۶۷)

آلات سماع (مزامیر) کے سننے والے تین طرح کے ہیں۔ ایک عوام ہیں جن کے لئے یہ حرام ہے کیونکہ ان کا نفس (امارہ) باقی ہے۔ دوسرے زاہد لوگ ہیں جن کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ اس سے ان کے مجاہدات بروئے کار آتے ہیں۔ تیسرے عارف لوگ ہیں جن کے لئے یہ مستحب ہے کیونکہ ان کے دل زندہ ہیں۔ یہی مضمون ابو طالب مکی نے بیان کیا ہے اور شیخ سروردی نے اسے درست مانا ہے۔

آپ کو ”لمعات سلیمانی“ وغیرہ کے ان اقتباسات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سماع اور مزامیر کے بارے میں محدثین سے کہیں زیادہ محتاط صوفیاء کرام رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں فقہاء جیسا متشکک نہیں رہا ہے صوفیہ کی اس احتیاط کی وجہ اسی مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی زبان سے بڑی خوبی سے ادا ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طریقت بہر حال شریعت سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ اس لئے اہل شریعت یعنی محدثین تو رخصت پر عمل کرتے ہیں لیکن صوفیہ کا عمل عزیمت پر ہے۔ جو عزیمت یعنی طریقت سے گرا وہ شریعت پر آکر رک جائے گا۔ لیکن اگر شریعت سے بھی گرا تو اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ اس فرق کے باوجود ہمارے دور میں بدنام تو صوفی ہے اور بدنام کرنے والا محدث۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ”تعریئے“ نانوائے فیہد تو سنی بناتا ہے اور بدنام ہوتا ہے بچارہ شیعہ۔ لیکن صوفیوں کی یہ بدنامی اور محدثین کی نیک نامی بالکل بے بنیاد بھی نہیں۔ متاخرین میں فی الواقع معاملہ علمی حیثیت سے کچھ برعکس سا ہو گیا ہے۔ محدثین تو احتیاط برتتے ہیں اور عام صوفیہ کو اس میں خاصہ انہماک ہو گیا ہے۔ بلاشبہ یہ انہماک صوفیہ حقدمین میں بھی رہا ہے لیکن ان میں احتیاط بھی کمال درجے کی تھی۔ بلکہ بعض صوفیہ مثلاً سید علی ہجویری نے تو انہماک سماع کے باوجود آخر میں سماع کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں ایک پورا باب سماع ہی پر لکھا ہے جس میں زمان، مکان اور اخوان کی شرائط کے علاوہ اور بھی بہت سی شرطیں سماع کی لکھی ہیں جو آج کل تو یقیناً کہیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔

متاخرین فقہاء میں بھی کچھ اسی قسم کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ نابلسی و شامی کی طرح کے کئی فقہاء کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے جو محدث سے زیادہ فقیہ تھے۔ اور وہ سماع و مزامیر کو جائز سمجھتے ہیں یا دوسرے سننے والوں پر معترض نہیں ہوتے۔ چنانچہ لمعات سلیمانی صفحہ ۱۲۲ میں ہے:

خود شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں بہت سے مشائخ مزامیر سنتے تھے اور اس کے باوجود ان دونوں کے نزدیک وہ عرفاء و کملاء میں تھے جیسا کہ ان دونوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔

لیکن آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہو گا کہ صاحب لمعات سلیمانی (حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواری) خود بڑے صاحب وجد و سماع تھے۔ قوالی میں سارنگی، اسرار، ستار، سرود، ہارمونیم، ڈھولک اور دف سب کچھ سنتے تھے۔ وجد و رقص بھی کرتے تھے۔ لیکن ان کے مسترشدین میں بہت سے لوگ اس سے احتراز کرتے تھے بلکہ اپنے بعض مسترشد کو وہ خود اس سے روکتے بھی تھے اور بعض کو خاص شرائط زمانی و مکانی کے ساتھ اجازت بھی دیتے تھے۔

جناب مولوی بشیر الدین صاحب اٹاوی (مدیر البشیر اٹاوی اور بانی اٹاوی مسلم ہائی سکول) کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

----- سماع و قوالی کی جو کیفیت آپ نے لکھی ہے الحمد للہ کہ آپ اس مکتب میں بٹھائے گئے۔ مگر یاد رکھو کہ ابھی یہ ابجد خوانی ہے۔ آگے چل کر یہ سب اچھل کو اور رقص و خروش سب کے سب ففروا ہو جائیں گے۔ اور باہمی صفات سے تخلی ہو کر ربانی صوت و صدا سنو گے۔ جدھر سے آواز آئے



وہی ایک آواز ہوگی۔ قوال تم کو غزل سنائے گا اور تم بقول مولوی رومی اپنے دل میں یوں کہو گے اور اسی دھیان میں ہو گے۔

پیش من آوازت آواز خداست  
عاشق از معشوق حاشا کے جداست  
پس غذائے عاشقان باشد سماع  
کہ درو باشد خیال اجتماع  
قوتے گیرد خیالات ضمیر  
بلکہ صورت گیرد آں بانگ صغیر  
اتصالے بے تکلیف بے قیاس  
ہست رب الناس را با جان ناس  
لیک گفتیم ناس من ناس نے  
ناس غیر جان جاں اشاس نے

(شمس المعارف حصہ اول خط بنام مولوی بشیر الدین صاحب اٹاوی ربیری)

### مولانا رومیؒ

مولانا رومی کے ان اشعار کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ رومی سماع یا مزامیر کے متعلق کیا رجحان رکھتے ہیں۔ ان کا مسلک اور انداز فکر صوفیہ، فقہاء، محدثین، فلاسفہ سب سے الگ ہے۔ مذکورہ بالا اشعار میں تو صرف سماع کا ذکر ہے۔ مزامیر کا معاملہ ایسا ہے کہ رومی کی مثنوی شروع ہی ہوتی ہے ”نے نامے“ سے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند  
واز جدائی ہا شکایت می کند  
ایک جگہ مزامیر کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

خنگ تار و خنگ چوب و خنگ پوست

از کجایم آید این آواز دوست

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

سر پنہاں ست اندر زیر و بم

فاش اگر گویم جہاں برہم زخم

مولانا رومی کے مزار پر اب بھی وہ پرانی نے وغیرہ بطور یادگار رکھی ہے

اور طریقہ مولویہ کے سالک تو مزامیر و رقص میں اتنا انہماک و غلو رکھتے ہیں کہ

صوفیائے چشتی کو بھی اتنا غلو نہ ہو گا۔ فرقہ مولویہ کا یہ مشغلہ اب بھی جاری

ہے۔

### امام غزالی (و ۴۵۰/۵۵۰ھ)

موسیقی پر کوئی گفتگو اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک امام

غزالی کا انداز فکر بھی نہ پیش کیا جائے۔ غزالی جب بحث کرتے ہیں تو موضوع

بحث کے کسی باریک سے باریک گوشے کو بھی نہیں چھوڑتے۔ انھوں نے فن

موسیقی، اس کی اقسام، مزامیر اور ان کی انواع دونوں کی تاثیر اور حدود حلال و

حرام، غرض ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ہم احیاء العلوم سے جتنہ جتنہ

عبارت مع ترجمہ نقل کرتے ہیں :

لله تعالى سرفى مناسبة النغمات الموزونة للارواح

حتى انها لتؤثر فيهما تأثيراً عجيباً فمن الاصوات ما

يفرح ومنها ما يحزن ومنها ما يضحك ويطرب ومنها

ما يستخرج من الاعضاء حركات على وزنها باليد و

الرجل والراس ولا ينبغي ان يظن ان ذلك لفهم معانى

الشعر بل هذا جار فى الاوتار حتى قيل من لم يحركه

الربيع وازهاره وعوده و لوتاره فهو فاسد المزاج ليس له علاج و كيف يكون ذلك لفهم المعنى و تأثيره شاهد فى الصبى فى مهده فانه يسكنه الصوت الطيب عن بكائه و تنصرف نفسه عما يبكيه الى الاصغاء اليه و الجمل مع بلادة طبعه يتاثر بالحداء تاثيراً يستخف معه الاحمال الثقيلة و يستقصر لقوة نشاطه فى سماعه المسافات الطويلة و ينبعث فيه من النشاط ما يسكره و يوليه فترى الجمال اذا طالت عليها البوارى و اعترها الاعياء و الكلال تحت المحامل و الاحمال اذا سمعت منادى الحداء تمد اعناقها و تصفى الى الحادى ناصية اذانها و تسرع فى سيرها حتى تنزعزع عليها احمالها و محاملها و ربما تتلف نفسها من شدة السير و ثقل الحمل و هى لا تشعر به نشاطها۔

موزوں نغموں کو روح سے جو مناسبت ہے، اس میں قدرت کا عجیب راز ہے اس لئے کہ روح پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بعض آوازیں فرحت بخشی ہیں، بعض مغموم بنا دیتی ہیں، بعض سلا دیتی ہیں، بعض ہنسا دیتی ہیں، یا وجد پیدا کر دیتی ہیں اور بعض جگہ سن کر ہاتھ پاؤں اور سر اسی (تال سر) کے مطابق حرکت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں یہ نہ سمجھئے کہ شعر کے معانی سمجھنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، بلکہ صرف ستار کی آواز میں بھی یہی تاثیر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں اگر کسی کو بہار اور اس کی چمکتی ہوئی کلیاں نیز بربط اور اس کے تاروں کے نغمے متاثر نہ کریں، تو وہ لا علاج فاسد المزاج

ہے۔ فہم معانی کا یہاں کیا دخل ہے۔ اس کا مشاہدہ اس بچے میں ہوتا ہے جو ابھی گود میں ہے، وہ روتا ہے اور اچھی آواز اسے چپ کرادیتی ہے اور سبب گریہ سے اس کی توجہ ہٹ کر خوش آوازی کی طرف لگ جاتی ہے۔ اونٹ (۱۹) باوجود اپنی حیوانی کم عقلی کے حدی خوانی سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بوجھ کو آسانی سے اٹھا لیتا ہے۔ اور حدی خوانی کی مستی میں لمبی لمبی مسافتوں کو کچھ نہیں سمجھتا۔ بلکہ بعض اوقات ایسا نشاط پیدا ہوتا ہے کہ مست و بے خود ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اونٹ کو لمبے میدان طے کرتے ہوئے عملوں یا دوسرے بارگراں سے تھکن ہونے لگتی ہے تو حدی خوانی کی آواز سنتے ہی وہ گردن اٹھا کر کانوں کو کھڑا کر لیتا ہے اور حدی خواں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنی رفتار اتنی تیز کر دیتا ہے اور لدے ہوئے اسباب اور ٹھیلیں بری طرح جنبش کرنے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ تیز رفتاری اور بار برداری کی کثرت سے اونٹ مر جاتا ہے لیکن وہ حدی خوانی میں ایسا محو و مست ہوتا ہے کہ اسے کچھ احساس تک نہیں ہوتا۔

اس کے بعد غزالی نے ایک لمبا واقعہ لکھا ہے جس میں ایک غلام کا ذکر ہے جس کی آواز حدی سے دوڑتے دوڑتے کئی اونٹ مر گئے تھے۔ اس کے بعد غزالی پھر لکھتے ہیں:

فاذا تائب السماع فی القلب محسوس و من لم  
بحركة السماع فهو ناقص مانل عن الاعتدال بعید عن  
الروحانية زائد فی غلظ الطبع و كثافة علی الجمال و

الطیور بل علی جمیع البہائم فان جمیعہا تنائر  
 بالنعومات الموزونة و لذلك كانت الطیور تقف علی  
 راس دود علیہ السلام لاستماع صوته و مهما كان  
 النظر فی السماع باعتبار تاثیرہ فی القلب لم یجزان  
 یحکم فیہ مطلقا باباحة و لا تحریم بل مختلف ذلك  
 بالاحوال و الاشخاص و اختلاف طرق النعمات  
 فحکمه حکم ما فی القلب۔

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی قلبی تاثیر  
 محسوس ہوتی ہے، اور جسے سماع حرکت میں نہ لائے وہ  
 ناقص ہے۔ راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے، روحانیت سے دور  
 ہے، طبیعت کی سختی اور کثافت میں اونٹوں اور پرندوں سے  
 بلکہ سارے بہائم سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ موزوں  
 ترنم سے سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرندے  
 بھی حضرت داؤد کا نغمہ سننے کے لئے ان کے سر پر آکر بیٹھ  
 جاتے تھے۔ جب سماع پر تاثیر قلبی کے لحاظ سے غور ہو گا تو  
 اس پر نہ مطلقاً ”جائز ہونے کا فتویٰ لگانا درست ہو گا اور نہ  
 مطلقاً ”حرام ہونے کا“ بلکہ احوال، اشخاص اور طریقہ  
 موسیقی کے اختلاف سے حکم بھی بدل جائے گا، یعنی فیصلہ  
 اس اثر کے مطابق ہو گا، جو اس کے دل کے اندر پیدا ہو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ان الغناء اجتمعت فیہ معان ینبغی ان یبحث عن افرادھا  
 ثم عن مجموعھا فان فیہ سماع صوت طیب موزون  
 مفہوم المعنی محرک للقلب فالوصف الاعم انہ صوت

طیب ثم الطیب ینقسم الی الموزون وغیره و الموزون ینقسم الی المفہوم کالاشعار و الی غیر المفہوم کاصوات الجمادات و سائر حیوانات اما سماع الصوت الطیب من حیث انه طیب فلا ینبغی ان یحرم بل هو حلال بالنص والقیاس اما القیاس فهو انه یرجع الی تلذذ حاسة السمع باذراک ما هو مخصوص به وللانسان عقل وخمس حواس و لكل حاسة ادراک و فی مدرکات تلك الحاسة ما یستلذ فلذة النظر فی المبصرات الجمیلة كالخضراء و الماء الجاری و الوجه الحسن و بالجملة سائر الالوان الجمیلة و هی فی مقابلة ما یکره من الالوان الکدرة القبیحة و للشم الروائح الطیبة و هی فی مقابلة الانان المتکرة و للمذوق الطعوم اللذیة کالدسومة و الحلاوة و الحموضة و هی فی مقابلة المرارة المستنشعة و لللمس لذة و اللین و النعومة و الملاسة و هی فی مقابلة الخشونة و الضراصة و للعقل لذة العلم و المعرفة و هی فی مقابلة الجهل و البلادة فکذلك الاصوات المدركة بالسمع تنقسم الی مستلذة کصوت العنادل و المزامیر و مستکرة کنهیق الحمیر و غیرها فما اظهر قیاس هذه الحاسة ولذتها علی سائر الحواس ولذاتها۔

گانے کے بہت سے پہلو ہیں۔ پہلے مختلف پہلوؤں سے بحث کرنی چاہئے۔ پھر مجموعی حیثیت سے اس پر بحث ہونی چاہئے۔ ایک اچھی اور موزوں آواز کا سنتا ہے جس کے

معنی بھی سمجھ میں آئیں اور وہ دل میں حرکت بھی پیدا کرے۔ یہاں عام صفت خوش آوازی ہے۔ پھر یہ خوش آوازی موزوں بھی ہوتی ہے اور غیر موزوں بھی۔ پھر موزوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ وہ جو سمجھ میں آئے جیسے اشعار اور وہ جو سمجھ میں نہ آئے جیسے جمادات اور تمام حیوانات کی آوازیں۔ اب اچھی آواز کا اس حیثیت سے سننا کہ یہ اچھی آواز ہے نص اور قیاس دونوں سے حلال ہے۔ قیاس یوں ہے کہ سننے والا اپنے ایک حاسہ سمع سے ایک ایسی چیز کا ادراک کر کے لطف حاصل کرتا ہے جو قوت سامعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان کو عقل بھی عطا ہوئی ہے اور پانچ حواس بھی۔ ہر حاسے کا ایک الگ ادراک ہوتا ہے۔ اور جس چیز کا وہ حاسہ ادراک کرتا ہے اس میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن سے وہ لطف و لذت حاصل کرتا ہے۔ لگا ہوں کو حسین مناظر میں لذت آتی ہے مثلاً سرسبزی، آب رواں، روئے نیکو اور مختلف قسم کے خوبصورت رنگ جو ناپسندیدہ، میلے اور بد منظر رنگوں کے مقابلے میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح قوت شامہ کے لئے عمدہ خوشبوئیں ہیں جن کے مقابلے میں مکروہ بدبوئیں ہیں۔ یوں ہی زبان کے لئے خوشگوار کھانے ہیں مثلاً روغنیت، مٹھاس اور چاشنی ہے جو کڑواہٹ یا سزاند کے مقابلے میں ہے۔ حاسہ لامہ کے لئے نرمی اور چکناہٹ کی لذت ہے جس کے بالمقابل سختی اور کھردرا پن ہے۔ عقل کے لئے علم اور معرفت کا لطف ہے جس کی مد مقابل جمالت اور بلاوت

ہے۔ بالکل اسی طرح وہ آوازیں ہیں جن کو کان سن کر اور اک کرتے ہیں۔ یہ ایک تو وہ ہوتی ہیں جن سے لذت ملتی ہے مثلاً بلبل اور مزامیر کی آوازیں اور دوسری وہ ہوتی ہیں جن سے نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے جیسے گدھے کا رینگنا (۲۰) وغیرہ۔ پس اس حاسہ سامعہ اور اس کی لذتوں کو تمام دوسرے حواس اور ان کی لذتوں پر قیاس کرنا چاہئے۔

امام غزالی کا شرعی نقطہ نگاہ سے غنا کے متعلق کیا خیال ہے، اسے بھی

سنئے:

اعلم ان قول القائل السماع حرام معناه ان الله يعاقب عليه وهذا امر لا يعرف بمجرد العقل بل بالسمع و معرفة الشرعيات محصورة في النص والقياس على المنصوص و اعنى بالنص ما اظهره صلى الله عليه وسلم بقوله لوفعله و بالقياس المعنى المفهوم من الفاظه و افعاله - و ان لم يكن فيه نص و لم يستقم فيه قياس على منصوص بطل القول بتحريمه و بقى فعلا لا حرج فيه كسائر المباحات و لا يدل على تحريم السماع نص ولا قياس (انتهى ملخصا- احياء العلوم) واضح رہے سماع کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر معاقبہ فرمائے گا لیکن یہ فتویٰ محض عقل سے نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کا تعلق سمع (نقل) سے ہے۔ شرعی احکام یا تو منصوص ہوتے ہیں یا نص پر قیاس ہوتا ہے۔ نص سے مراد وہ چیز ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل



واضح کر دے اور قیاس کا مطلب وہ شے ہے جو حضور علیہ السلام و الصلوٰۃ کے فعل یا قول سے مفہوم ہوتا ہو۔ پس اگر سماع کے متعلق نہ کوئی نص ہو اور نہ کسی نص پر کوئی صحیح قیاس ہو تو سماع کے حرام ہونے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اس صورت میں دوسرے مباحات کی طرح ایک ایسا مباح رہ جاتا ہے جس میں کوئی مضائقہ نہ ہو اور سماع کے حرام ہونے پر نہ تو کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی قیاس ہے۔

### موسیقی سے علاج امراض

موسیقی کی جن مفید تاثیرات کا مجمل ذکر امام غزالی نے کیا ہے، اسے دوسرے حکماء اور فلاسفہ بھی بیان کر چکے ہیں۔ مثلاً افلاطون کہتا ہے :

من حزن فلیستمع الاصوات الطیبة فان النفس اذا حزنت حمد منها نورها فاذا سمعت ما یطربها اشتغل منها ما خمد۔ ان هذا العلم لم تضعه الحکماء للتسلية و اللهو بل للمنافع الذاتیة و لذة الروح و الروحانیة و بسط النفس و ترویق الدم۔ اما من لیس له درایة فی ذلك فیهعتقد انه ما وضع الا للهو و اللعب و الترفیح فی شہوات الدنیا و الغرور بامانیہا (القدیم و الحدیث ص ۲۰۹)

غم زدہ آدمی کو اچھی آوازیں سننی چاہئیں کیونکہ جب دل پر غم طاری ہوتا ہے تو اس کی روشنی بجھ جاتی ہے۔ لہذا جب وہ وجد و کیف پیدا کرنے والی چیزیں سنتا ہے تو بجھا ہوا جذبہ

پھر بھڑک اٹھتا ہے۔ حکماء نے اس علم کو محض طفل تسلی اور کھیل کے لئے ایجاد نہیں کیا تھا، بلکہ اس کا مقصد تھا داخلی منافع، روح اور روحانیت کی لذتوں کا حصول، قلبی انبساط اور گردش خون جس کو اس فن میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ موسیقی کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں کہ کھیل تماشا ہو، دنیا کی خواہشوں کی ترغیب ہو اور دنیا کی آرزوؤں کے دھوکے میں پڑا رہے۔

افلاطون کی ہدایت کے مطابق آج تک حکماء و اطباء نے بیسیوں طرح کے مریضوں کا علاج موسیقی ہی کے ذریعے سے کیا ہے۔ القدیم والحديث کے مولف محمد کرد علی نے صفحہ ۲۲۴ پر ان امراض کی ایک فہرست دی ہے جن میں موسیقی کی امداد کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ وہ امراض یہ ہیں :

مرگی، سودا، اشتیاق وطن (Home Sickness)، وہ جنون جو کسی صدمے کی وجہ سے ہو، دمہ، کم عقلی، عام جنون، کند زہنی (۲۱)، نیند میں چلنا اور بولنا، کابوس، ہسٹریا، سکتہ، فالج، سرسام، دوسرے اعصابی امراض، مختلف قسم کے بخار، نقرس، عرق النساء، گنٹھیا، طاعون، تھخہ، زہر سگ، زخم، زہر باد، سوئے ہضم، تنفس وغیرہ۔

اس کے بعد صاحب القدیم و الحدیث لکھتے ہیں :

فللموسیقی شان فی الطب تستخدم للممریض و کانت تنم فی القدیم معرفة فنون الشعر والموسیقی و الطب لشخص واحد۔

موسیقی طب کا ایک حصہ ہے جس سے امراض دور کئے جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں شاعری، موسیقی اور طب تینوں فنون کی واقفیت ایک شخص کے اندر ہونا کمال سمجھا جاتا تھا۔

بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد محمد کرد علی ص ۲۱۳ میں دوسرے اخلاقی اور روحانی فوائد کا یوں ذکر کرتے ہیں :

الاحسان تصفی الارواح و نبعث النشاط فی النفوس فیہا  
قد یجسر الجبان فی ساحة الوغی و یکرّم الشجیع و  
یرقّ الکثیف و یلین القاسی و یقوی الضعیف و یعدل  
الظالم و یعطف اللّیم...

خوش آوازی روح میں صفائی اور دل میں کیف پیدا کرویتی  
ہے۔ بعض اوقات اس کے طفیل بزدل میدان جنگ میں  
شیر دل بن جاتا ہے، بخیل سخی ہو جاتا ہے، کثیف میں لطافت  
اور سخت دل میں نرم دلی پیدا ہو جاتی ہے، کمزور قوی اور  
ظالم عادل بن جاتا ہے اور کمینہ شریف ہو جاتا ہے۔

### ابن ساعد

ابن ساعد نے بڑے جامع الفاظ میں موسیقی کے فوائد کا یوں ذکر کیا ہے :

و منفعة الموسیقی بسط الارواح و تعدیلہا و تقوینہا و  
قبضہا ایضاً لانه یحرکها اما عن مبدئہا فیحدث  
السرور و اللذّة و یطهر الکرم و الشجاعة و نحوہا و اما  
الی مبدئہا فیحدث الفکر فی العواقب و الاهتمام و  
نحوہا و لذلك یستعمل فی الافراح و الحروب و  
علاج المرضی تارة و یستعمل فی الماتم و بیوت  
العبادات اخری۔

موسیقی کے مختلف فوائد ہیں۔ روح میں انبساط پیدا کرنا،  
اسے اعتدال پر لانا، اسے تقویت پہنچانا اور اس میں انقباض

پیدا کرنا، کیونکہ موسیقی جب روح میں حرکت پیدا کر کے روح کو اس کے اصل مبداء سے ہٹاتی ہے تو وہ سرور و لذت پیدا کرتی ہے اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کے اوصاف بروئے کار لاتی ہے اور اصل مبداء کی طرف لے جاتی ہے تو آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کا استعمال کبھی تو خوشی، جنگ اور مریض کے علاج کے لئے ہوتا ہے اور کبھی مواقع غم پر اور کبھی عبادت گاہوں میں۔

ابن ساعد، غزالی، شاہ ولی اللہ اور کرد علی وغیرہم نے موسیقی و مزامیر کو جو بعض جسمانی و روحانی امراض کا علاج بتایا ہے وہ کوئی جدید تحقیق نہیں۔ سیدنا داؤدؑ نے بھی اس کا تجربہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سموکیل باب ۱۶ آیت ۲۳:

”سو جب وہ بری روح خدا کی طرف سے ساؤل پر چڑھتی تھی، تو داؤد بربط لے کر ہاتھ سے بجاتا تھا، اور ساؤل کو راحت ہوتی، اور وہ بحال ہو جاتا تھا اور وہ بری روح اس پر سے اتر جاتی تھی۔“

### ملاحیون

شاہنشاہ اور نگزیب کے استاد ملاحیون سماع کے مخالف ہیں۔ لیکن صوفیہ کرام کے محافل سماع کو اس سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کے غنا و مزامیر کو حرام بھی بتاتے ہیں اور وجوہ حرمت کا نقشہ اپنی تفسیر احمدی میں یوں کھینچتے ہوئے حلال و حرام کا فرق بتاتے ہیں:

و اما ما رسمه اهل زماننا من انهم يهيئون المجالس و  
يرنكبون فيها بالشرب و الفواحش و يجمعون الفساق

و الاما رد و يطلبون المغنيين والطوائف و يسمعون  
منهم الغناء و يتلذذون بها كثيرا من الهواية النفسانية و  
الخرافات الشيطانية و يحمدون على المغنين باعطاء  
النعم العظيم و يشكرون عليهم بالاحسان العميم فلا  
شك ان ذلك ذنب كثير و استحلاله كفر قطعاً و  
يقيناً لانه عين لهو الحديث فى شانهم بخلاف اولياء  
الحق فانه لم يبق حديثاً لهو فى شانهم بل يكون ذلك  
وسيلة لرفع درجاتهم و نيل كما لانهم۔

ہمارے زمانے کے لوگوں نے جو انداز اختیار کر رکھا ہے وہ  
یہ ہے کہ وہ مجلس منعقد کرتے ہیں اس میں میخواری اور  
فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں فاستوں اور لونڈوں کو اکٹھا  
کرتے ہیں اور گویوں اور طوائف کو بلا کر ان سے گانے  
سننے ہیں، ان سے لطف اٹھاتے ہیں، جو محض نفسانی  
خواہشوں اور شیطانی خرافات کی تکمیل ہوتی ہے۔ پھر  
گانے والوں کو خوب انعام دے کر ان کی داد دیتے ہیں  
اور شکر یہ ادا کرتے ہیں، ان باتوں کے متعلق کوئی شک  
نہیں کہ یہ سخت گناہ ہے اور اسے جائز سمجھنا یقیناً قطعاً  
کفر ہے۔ کیونکہ لبو الحديث ان ہی کی شان میں پورا اترتا  
ہے۔ بخلاف اولیائے حق کے کہ ان کا معاملہ لبو الحديث  
سے الگ ہی نہیں بلکہ یہ سماع ان کی بلندی درجات اور  
حصول کمالات کا ذریعہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ سماع میں متشغف واقع ہوئے ہیں لیکن حلت و  
حرمت کی حدود کو بیان کرنے میں انھوں نے فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ سماع (خواہ سماع غنا ہو یا سماع مزامیر یا دونوں) اپنے اندر دونوں پہلو رکھتا ہے اور یہ فرق صرف نیت اور انداز استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیہ بھی ہمیشہ یہی کہتے آئے ہیں کہ لاهلہ حلال و لغیرہم حرام: اہل کے لئے جائز اور نا اہل کے لئے ناجائز ہے۔ یہی مسلک اعتدال ہے اور باقی افراط ہے یا تفریط۔

### افراط و تفریط کی ایک مثال

بعض فقہاء نے اس مسئلے میں بڑی سختی اور تشدد سے کام لیا ہے (جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے) اور ضعیف یا موضوع روایات کی بنا پر سماع کو مطلقاً حرام اور اس کے اعتقاد جواز کو کفر تک کہہ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری طرف بھی اسی قسم کی شدت پیدا ہو گئی۔ اس کی ایک دلچسپ مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ابو الفتح (۲۲) الغزالی متوفی ۵۰۲ھ نے ایک رسالہ لکھا جس کے مضمون کا اندازہ اس کے نام سے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا نام ہے بوارق الالماع فی نکفیر من یحرم السماع۔ اس میں وہ ایک جگہ پہلے وہ حدیث ربیع نقل کرتے ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ:

ربیع بنت معوذ بن عفرا کی رخصتی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے، اس کے بعد دو لڑکیاں دف پر گانے لگیں۔ گانے میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا کہ وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے) حضور نے فرمایا، اسے چھوڑ کر وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (رواہ البخاری عن الربیع و ابو داؤد عن بشر بن الحفصل و ابن ماجہ عن ابی الحسن بالفاظ مختلفہ)

ابو الفتوح الفزالی اسے نقل کر کے لکھتے ہیں :

فمن قال ان النبي صلى الله عليه وسلم سمع حراما وما منع عن السماع حراما واعتقد ذلك فقد كفر بالاتفاق  
جو شخص یہ کہتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام سنا اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق کفر کا مرتکب ہے۔

در اصل غلط چیز کا رد عمل بھی کچھ غلط ہی ہوتا ہے۔ جیسی افراد ایک طرف ہوتی ہے ویسی ہی تفریط دوسری طرف بھی ہے۔ بقول حافظ۔  
مختب غم نکست و من سر او  
من ہالن و لبحروح قصاص  
لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض رد عمل والی تکفیر نہیں۔ امام عبدالغنی نابلسی نے بھی اپنی کتاب میں بالکل یہی بات فرمائی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

### روایات اہل اسلام

ہمارے تعجب میں اس وقت خاصا اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوتؐ سے لے کر آج تک موسیقی میں اہل اسلام نے صرف عملی حصہ ہی نہیں لیا ہے بلکہ علمی و فنی حیثیت سے بھی یہ امت کسی سے پیچھے نہیں رہی ہے۔ اکابر امت نے جن میں علماء، فضلاء، فقہاء، محدثین، صوفیہ، حکماء سب ہی طرح کے لوگ گذرے ہیں، فن موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر اعلیٰ کتابیں لکھی ہیں۔ یوں تو تھوڑا بہت ہم آپ بھی گا لیتے ہیں، اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھیردیں ہے یا بھیروں، یہ چیزیں ہر وہ شخص کسی حد تک سمجھ لیتا ہے جس کو تھوڑا فطرتاً ذہنی مس (Mental Touch) ہو۔ اس سے آگے پھر معمولی

بارکیاں ہوتی ہیں، مثلاً بھیروں اور جوگیہ میں کیا فرق ہے۔ یہ بھی عام طور سے سمجھ لیا جاتا ہے لیکن جو فنی بارکیاں ہوتی ہیں ان کو کتابی شکل دینا ماہرین ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر موسیقی ایسی ہی حرام چیز ہوتی تو ائمہ دین قسم کے لوگوں کا اس فن پر کتابیں لکھنا آسانی سے سمجھ میں نہیں آنا چاہئے۔ ہر کیف چند مولفین اور ان کی کتابوں کا ذکر سنئے۔ ساتھ ہی ہم ایسے لوگوں کا بھی ذکر کریں گے جنہوں نے اگرچہ کوئی کتاب تو نہ لکھی لیکن وہ اس فن کے ماہر تھے اور اس میں عملی حصہ لیتے تھے:

۱۔ ابو نصر فارابی اعلیٰ درجے کے گانے والے اور اس فن کے ماہر تھے۔ اس فن کو انہوں نے ایسا کمال پر پہنچا دیا کہ اس پر اضافہ مشکل ہے۔ قانون (سرود) کے موجد بھی بتائے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بعض عجیب بابے انہوں نے بنائے تھے۔ ان کی ایک ضخیم کتاب الموسیقی الکبیر ہے جو انہوں نے الوزير ابو جعفر بن القاسم کے لئے لکھی تھی۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ اور بھی لکھا ہے جس کا نام کلام فی الموسیقی ہے۔ ایک اور کتاب لکھی ہے جس میں تالوں کی گنتی بتائی ہے، اس کا نام کلام فی احصاء الایقاع ہے۔

۲۔ یعقوب بن اسحاق الکندی حکیم عرب نے موسیقی کے فن، ترتیب، تالیف اور تال پر ایک ایک رسالہ لکھا ہے اور احمد بن معصوم کی اس کتاب کا خلاصہ بھی کیا ہے جس میں نغموں کی تالیف اور چنگ سازی کی گئی ہے۔

۳۔ احمد بن طیب سرخسی نے کتاب الموسیقی الکبیر لکھی ہے اور کتاب اللو لو و الملاہی و نزہۃ المفکر الساہی بھی لکھی ہے۔ گانے اور گویوں کے ذکر کے علاوہ اس میں اور بھی کار آمد چیزیں ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے خلیفہ وقت کے لئے لکھی تھی۔



۴۔ ثابت بن قرۃ نے موسیقی پر ایک کتاب لکھی جو ان کے مختصر رسالوں کے علاوہ ہے۔

۵۔ ابن ہاجہ اندلس کے مشہور فلسفی و حکیم تھے اور اپنی جلالت شان کے باوجود فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے اور چنگ و بربط بجانے میں بھی خاصی مہارت کے مالک تھے۔ ابن سعید کے بیان کے مطابق ان کی موسیقی کا مغرب میں وہی درجہ تھا جو مشرق میں فارابی کا تھا۔ اندلس کے وجد آفریں نغموں کے ایجاد کا سرا ان ہی کے سر ہے۔

۶۔ ابن یونس مشہور عالم ہست و نجوم بھی بربط بہت اچھی بجاتے تھے۔  
۷۔ ابو الجعد بن ابی الحکم مشہور حکیم و فلسفی نہ فقط موسیقی کے واقف کار تھے۔ بلکہ بربط نوازی، گانے، تال کے فن، ہانسی اور ارگن باجا بجانے میں کمال رکھتے تھے۔

۸۔ ابو زکریا یحییٰ البیہاسی افاضل علماء میں شمار کئے گئے ہیں۔ یہ بھی بربط اور ارگن میں مہارت اور اہتمام رکھتے تھے، بلکہ موسیقی کا علم ان سے باقاعدہ پڑھا جاتا تھا۔

۹۔ ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز ریاضی و طب کے علاوہ علم موسیقی میں اور بربط نوازی میں صاحب کمال تھے۔

۱۰۔ حرث بن کلدہ ثقفی ایک عربی طبیب تھے اور بربط خوب بجاتے تھے۔ انھوں نے فارس اور یمن سے یہ فن حاصل کیا تھا۔

۱۱۔ قسطن بن لوطا بطبری عالم اور حکیم تھے۔ علم موسیقی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ فن اور اہل فن دونوں کی طرف ان کا رجحان بہت تھا۔

۱۲۔ صفی الدین عبدالمومن بن فاخر فقط عالم دین ہی نہ تھے، بلکہ موسیقی سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی ایک کتاب رسالۃ الشرعیہ اور

دوسری کتاب الادوار ہے۔

۱۳۔ نجم الدین بن المنفاخ نہ فقط ادب اور طب میں مہارت رکھتے تھے، بلکہ بربط نواز بھی تھے۔ ان کی والدہ بنت دھین اللوز بھی دمشق کی بڑی عالمہ تھیں۔ چنانچہ نجم الدین کو جہاں ابن المنفاخ کہتے ہیں وہاں انھیں ابن عالمہ بھی کہتے ہیں۔ نجم الدین کو ملک مسعود صاحب المد نے اپنا وزیر بھی بنالیا تھا اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔

۱۴۔ فخر الدین بن ساعاتی فلکی فلسفی اور طبیب بھی تھے اور بربط نواز بھی۔ یہ ملک معظم کے وزیر بھی رہے ہیں۔

۱۵۔ رشید الدین بن خلیفہ عالم دین اور طبیب ہونے کے علاوہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم موسیقی تھے۔ بربط بھی اعلیٰ درجے کی بجاتے تھے۔ ان کی خوش آوازی اور ان کی تاثیر ابو نصر فارابی سے کم نہ تھی۔ ملک معظم نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں۔

۱۶۔ ابن خلکان کے بیان کے مطابق ابوبکر محمد بن زکریا رازی بھی عنفوان شباب میں بڑے بربط نواز تھے لیکن جب فلسفہ و طب کی طرف متوجہ ہوئے تو ادھر سے توجہ ہٹ گئی۔

۱۷۔ ابو الحسین علی بن المہارہ غرناطی اندلس کے آخری فلسفی علم الحان میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور صاحب نغم الغیب کے بیان کے مطابق یہ اپنے ہاتھوں سے لکڑی تراش خراش کر بربط تیار کرتے۔ شعر بھی خود کہتے، اور خود ہی گاجا کر سننے والوں کو مست کرتے۔

۱۸۔ ابو الحسین بن الوزير ابی جعفر الوثقی بڑے فاضل تھے۔ ذہانت، موسیقی اور ادب میں بے مثال تھے۔ ابو الحسین بن الحسن بن الحاسب کے شاگرد تھے۔ خوش آوازی میں ضرب المثل تھے۔

۱۹۔ محمد بن احمد بن ابی بکر قرموطی مری جہاں فلسفے، طب، منطق اور

ہندسے میں اندلس کے اندر سب سے زیادہ شہرت رکھتے تھے، وہاں موسیقی اور برہم نوازی میں بھی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ بہت سی زبانیں جانتے تھے اور مختلف ممالک کے طالب علموں کو ان ہی کی زبان میں تعلیم دیتے تھے۔ مسلمان، یہود اور نصاریٰ سب ان کی شاگردی کرتے تھے۔

۲۰۔ اسحق بن ابراہیم موصلی کو تو موسیقی میں استاذ الکمل تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ زبان دانی، شعر گوئی اور تاریخ، فقہ اور حدیث اور کلام میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مامون الرشید کہتا تھا کہ اگر اسحق ایک موسیقار کی حیثیت سے مشہور نہ ہوتے تو میں ان ہی کو قاضی بناتا، اس لئے کہ میں اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اور عفت، صدق دین اور امانت میں یہ تمام قاضیوں سے فائق ہیں۔ لیکن یہ اپنے تمام علوم کی بہ نسبت موسیقی و غنا میں زیادہ شہرت رکھتے ہیں، حالانکہ گانا ان کی نگاہوں میں تمام علوم سے کم درجہ رکھتا ہے۔

صاحب القدیم و الحدیث تمام مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و علی الجملة لم نكن صناعة الموسيقى بالمنزلة التي  
يصورها اهل جيلنا من الغضاضة والضعة بل عرف بها  
اناس اهل الصيانة والعلم و ما كان كل من نعاطى صناعة  
الغناء عاريا من سائر العلوم (ص ۲۲۳)۔

مختصر یہ کہ فن موسیقی کوئی ایسا ذلیل اور گرا ہوا فن نہیں جیسا کہ ہم لوگ آج کل سمجھتے ہیں بلکہ اس کے واقف کار وہ لوگ ہیں جو علم اور دینداری کے مالک ہیں، اور اس فن کے حاصل کرنے والے سب کے سب ایسے نہیں جو دوسرے علوم سے بے خبر ہوں۔

پھر اسی صفحے پر یہ بتانے کے بعد کہ بہت سے اہل وقار اور اہل علم گانے بجانے کا فن جاننے کے باوجود اپنے آپ کو چھپاتے رہے، لکھتے ہیں:

و لولا التقية لانهمي الينا اسماء كثير ممن لم تبلفنا  
عنهم سوى اخبار العلوم المتعارفة على ان الشرف كله  
اعتباري و لا مانع من الغناء و النلحين اذا لم يتبعه  
الغلط بحماسة السفاهة والرديلة۔

اہل وقار اور اہل علم کے پیش نظر اگر یہ بچاؤ نہ ہوتا تو ہمیں ایسے بے شمار لوگوں کے نام معلوم ہوتے جن کے متعلق ہمیں فقط مشہور علوم ہی سے واقف ہونے کی اطلاع پہنچی ہے۔ علاوہ ازیں ہر فضل و کمال اعتباری ہوتا ہے۔ (یعنی فی نفسہ اچھا برا نہیں ہوتا بلکہ مصرف کا انداز اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے) اور اگر بے وقوفی اور بیہودگی سے گانے بجانے کو آلودہ نہ کیا جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

ان کے علاوہ ہمیں کچھ اور نام بھی ملے ہیں جو اپنی جلالت شان کے باوجود فن موسیقی میں عملی کمال رکھتے تھے یا اس فن میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ خلیل اور یونس الکاتب نے دوسری صدی میں موسیقی پر کتابیں لکھیں۔

۲۔ تیسری صدی میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن طاہر علی بن ہارون بن علی بن یحییٰ بن ابی منصور اور سلمان بن ایوب نے موسیقی پر کتابیں لکھیں۔

۳۔ ابوالوفا (۲۴۰) بوزجانی (۲۴۰) نے تال اور سم کے فن پر کتاب لکھی۔

۴۔ چوتھی صدی میں ابن خرداوید نے بھی موسیقی پر کتاب لکھی۔

۵۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن سینا اور ابن زیلہ نے کتابیں لکھیں۔ ابن

سینا کی کتاب الشفا میں پورا مقالہ موسیقی پر لکھا ہے۔

۶۔ پانچویں چھٹی صدی میں ابن ہشام اور ابو الصلت (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) نے بھی فن موسیقی پر بڑی تصنیفات کیں۔ نیز قاضی شیراز شافعی عالم و فقیہ ابو العباس احمد بن عمر بن سرتج بھی بڑے موسیقار تھے اور اس فن پر انھوں نے کتاب لکھی۔

۷۔ آٹھویں صدی میں قطب الدین شیرازی نے فارسی میں کتاب لکھی۔ اور محمد بن محمود آملی نے نفائس الفنون لکھی۔ پھر کنز التحف لکھی گئی۔

۸۔ پھر عبدالقادر بن غیبی نے ”جامع الالحان“ اور ”کنز الالحان“ لکھیں اور ان کے فرزند اور پوتے نے بھی کتابیں لکھیں۔

ان کے علاوہ امام فخر الدین رازی، ابن مقفع، نصیر الدین طوسی، ابن نکلان، ابو الحکم ہامی، ابو الجود محمد، علم الدین قیصر وغیرہم کی خدمات بھی اس فن میں بہت ہیں۔

بعض کتب ادب و لغت میں فن موسیقی کی بہت سی تفصیلات کی گئی ہیں۔ مثلاً ابو الفرج (۲۵) کی کتاب الاغانی (۲۶) مسعودی کی مروج الذهب ہیں اور یحییٰ بن ابی منصور کے رسالہ فی الموسیقی میں تو ہر جگہ موسیقی کے فن کا اور اس کے فن کاروں کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اسی طرح عقد الفرید، اخوان الصفا، الدر الناطم (لمحمد بن ابراہیم) مقالہ العلوم (لعلی بن محمد الجرجانی) انموزجۃ العلوم (لمحمد شاہ چلبی) وغیرہ بھی ہیں۔

پھر نویں صدی ہجری کے بعد تو بے شمار کتابیں موسیقی اور متعلقات موسیقی پر لکھی گئیں۔

خلفائے بنی امیہ و بنی عباس میں تو شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جو شاعری اور گانے بجانے سے بے انتہا دلچسپی نہ رکھتا ہو اور بیسیوں مغنی و مغنیات اس کے

درباری نہ ہوں۔ لیکن ہم ان کا ذکر یہاں نہیں کریں گے۔ یہ سب ہمارے موضوع سے باہر ہیں، کیونکہ یہ عیش پسند طبقہ اس فن سے جس طریقے پر دلچسپی لیتا رہا ہے وہ وہی ہے جسے نہ فقط تشدد فقہاء اور معتدل صوفیہ بلکہ فراخ ذل محدثین بھی ناجائز ہی قرار دیتے آئے ہیں۔ ہم نے تو صرف چند ان فضلاء کے نام لکھے ہیں جن میں بیشتر کی دینداری، متفقہ حدیث وغیرہ مسلم ہیں اور ان کی دینی و علمی خدمات بھی مخفی نہیں۔

علامہ خیر الدین رملی کے ایک شاگرد امام محمد بن سلیمان ابن القاسی بن طاہر السوسی الرمدانی المغربی المالکی ہیں (المتوفی ۱۰۹۴ھ)۔ ان کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ جمع الفوائد کے مولف ہیں اور تمام علوم اسلامیہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ یہ موسیقی کے بہترین ماہر تھے۔

يعرف انواع الحساب ----- و الموسيقى -----

معرفة لا يشارك فيها غيره الا في ظواهر هذه العلوم  
دون دقائقها۔ (مقدمہ جمع الفوائد ص ۴ از مولوی عاشق علی  
عمادی خفی قدوسی میرٹھی)

یہ علم حساب ----- اور موسیقی وغیرہ میں ایسی دستگاہ  
رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کا مد مقابل نہ تھا، ان علوم کے  
مولے اصولوں میں نہیں بلکہ ان کی باریکیوں میں۔

## شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

آخری دور کے ایک بزرگ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بھی ہیں جن کا  
علم و فضل اور تدین کسی سے مخفی نہیں۔ فن موسیقی میں یہ امام غزالی، ملا جامی،  
امام رازنی سے غالباً آگے ہی تھے۔ دہلی کے موسیقاروں میں جب فنی اختلاف  
ہوتا تھا تو وہ تحقیق و تصدیق کے لئے شاہ صاحب ہی کے پاس آتے تھے۔

دھرم اور خیال جیسے خشک پہلوؤں کے متعلق بھی ان کا فیصلہ سارے فنکار تسلیم کرتے تھے اور راگ راگنی کے متعلق بھی۔

مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں :

كانت له مهارة في الفروسية والرمي والموسيقى (۲۷)

ان کو شہ سواری، تیر اندازی اور موسیقی میں مہارت حاصل

تھی۔ (ملاحظہ ہو نزحۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۹)

اس کے بعد کے دور میں خود ہمیں ذاتی طور پر ایسے بہت سے علماء و صوفیہ کا علم ہے جو باوجود اپنے مسلم تقویٰ اور علم و فضل کے فن موسیقی سے واقف ہونے کے علاوہ خود بھی شوق فرماتے رہے ہیں۔ ہمارے دور کے مشہور عالم و مصنف و مفسر علامہ جوہری طنطاوی نے بھی موسیقی پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے :

یہ پوری کائنات ایک موسیقی ہے (۲۸)

## چند شواہد سنت

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ غنا و مزامیر کو قرآن حرام نہیں کہتا۔ وہ احسان (حسن کاری) کی طرف ضرور توجہ دلاتا ہے اور خوش آوازی اس سے باہر نہیں۔ اب آئیے حدیث کی طرف۔ ہم چند احادیث شروع میں نقل کر چکے ہیں، یہاں ہم دوسری روایتیں بھی نقل کریں گے اور اوپر کی لکھی ہوئی روایتوں کو بھی بعض ضروری فوائد کے لئے ذیل میں پھر درج کریں گے۔ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی نے بھی شرح احیاء العلوم میں یہ روایات نقل کی ہیں :

(۱)

بخاری باب الضرب بالدف فی النکاح میں ربیع بنت معوذ کے الفاظ یوں ہیں :

جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی  
فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت  
جواریات لنا یضربن بالدف ویندن من قتل من ابائی  
اذ قالت احدھن و فینا نبی یعلم ما فی غد فقال صلی  
اللہ علیہ وسلم دعی هذا و قولی النی کنت نقولین۔  
جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف  
لائے اور اسی طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے  
ہو۔ اتنے میں ہماری کچھ باندیوں نے دف پر گاکا کر میرے  
مقتول آباؤ اجداد کا ندبہ (تعریف اور ماتم) شروع کیا۔ ان  
میں سے ایک نے ایک مصرعہ یوں کہا (ترجمہ) ہم میں ایک  
نبی ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے۔ تو حضور علیہ  
الصلوة والسلام نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دے، وہی کہہ جو  
پہلے کہہ رہی تھی۔

یہ روایت اپنی سند سے ترمذی نے بھی ربیع سے بیان کی ہے اور ابو  
داؤد نے بشر بن مفضل سے اور ابن ماجہ نے ابو الحسن مدائنی سے روایت کی  
ہے۔ ابن ماجہ میں دو چار باتیں زائد ہیں، اس لئے ہم اسے بھی درج کرتے  
ہیں:

کنا بالمدينة يوم عاشوراء و الجوارى یندن بالدف و  
یغنین فدخلنا علی الربیع بنت معوذ فذكرنا ذلك لها  
فقالت-----

ہم بروز عاشوراء مدینے میں تھے اور کچھ لڑکیاں دف پر گارہی  
تھیں۔ پھر ہم ربیع بنت معوذ کے پاس گئے اور ان سے اس  
کا ذکر کیا تو انھوں نے اپنا واقعہ جو اوپر موجود ہے بیان کیا۔



اس روایت میں دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے اور ندبے میں ان بزرگوں کا ذکر ہے جو معرکہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ نیز حضورؐ کا یہ قول بھی ہے کہ لا یعلم مافی غد الا اللہ کل ہونے والی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں :

(الف) شادی بیاہ کے موقع پر گانا سنا گیا۔

(ب) دف کے ساتھ گانا سنا گیا۔

(ج) لڑکیوں سے گانا سنا گیا۔

(د) غلط مضمون کی اصلاح کی گئی۔

(ه) صحیح مضمون کو دف پر گانے کی فرمائش کی گئی۔

## (۲)

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے یوں روایت ہے :

انہا زفت امرأة الى رجل من الانصار فقال النبي صلى  
الله عليه وسلم يا عائشة ما كان معكم من لہو فان  
الانصار يعجبهم اللہو۔

حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو ایک انصاری کے پاس  
رخصت کیا تو حضورؐ نے فرمایا اے عائشہؓ تم لوگوں کے  
ساتھ کوئی لہو نہیں تھا؟ انصار کو تو لہو پسند ہے۔

یہاں اس روایت میں بڑی بنیادی چیز لفظ لہو ہے۔ اگر لہو حرام ہوتا تو  
حضور علیہ السلوٰۃ والسلام نہ اس کی فرمائش کرتے اور نہ انصار کی دلچسپی لہو پر  
خاموش رہتے۔ یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصار کی پسندیدگی لہو کی رعایت  
سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی۔ گویا اگر کسی کو اس لہو

سے طبعی دلچسپی نہ بھی ہو تو دوسرے دلچسپی رکھنے والوں کی خاطر سے گایا بجایا جا سکتا ہے۔

یہاں لہو سے جو کچھ بھی مراد ہو وہ یقیناً اس لہو سے جداگانہ چیز ہے جو گانے بجانے کو ناجائز بنا دیتا ہے۔ یعنی اگر لہو کھیل تماشے کے معنی میں بھی ہو تو وہ ناجائز نہیں۔ ہر ایک شخص کو گانے سے عرفان ہی حاصل نہیں ہوا کرتا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو راگ یا فن یا خوش آوازی یا پھر کتے ہوئے مضمون سے صرف مسرت و لذت حاصل کرتے ہیں۔ لہو میں یہ بھی داخل ہے لیکن یہ وہ لہو نہیں جس سے سماع غنا حرام ہو جائے۔ علت حرمت صرف وہ لہو ہے جو فرائض و واجبات سے غافل کر دے یا مکروہات میں مبتلا کر دے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی کے الفاظ میں ہم اوپر اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں لہو و لعب کی وہ بہترین صحیح تفسیر ہے۔ اس قسم کے لہو کے علاوہ دوسرے گانے لہو ہونے کے باوجود مرتبہ جواز میں آتے ہیں۔ بلاشبہ شادی بیاہ یا دوسرے مواقع خوشی پر جو گانا بجانا ہوتا ہے اس کا ایک مقصد اعلان اور اظہار مسرت و شکر بھی ہے۔ لیکن اس کا ایک مقصد اور بھی ہو سکتا ہے جو اس روایت میں موجود ہے یعنی فان الانصار يعجبهم اللہو۔ انصار کو یہ لہو مرغوب ہے اور اس معاملے میں ان کے مذاق یا روایات کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہئے تھی۔

### (۳)

غالباً ”یہی واقعہ ہے جو ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے یوں بیان کیا ہے :

انكحت عائشة قرابة لها من الانصار فجاء رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم فقال اهديتم الفتاة قالوا نعم قال  
لرسلمن معها من يغنى قالت لا فقال رسول الله صلی اللہ  
علیہ وسلم ان الانصار فيهم غزل خلوا بعثتم معها من

يقول اينناكم اينناكم----- الخ

حضرت عائشہؓ نے اپنی کسی رشتہ دار (۲۹) انصار یہ کا نکاح کرا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا کیا تم نے اس لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا کیا کسی گانے والے کو اس کے ساتھ کر دیا تھا؟ کہا نہیں تو۔ فرمایا انصار تو عورتوں کے گانے سے (۳۰) دلچسپی رکھتے ہیں، کاش تم نے اس لڑکی کے ساتھ کوئی آدمی بھیج دیا

ہوتا جو یہ گاتا ہو جاتا اينناكم (۳۱) اينناكم----- الخ

طبرانی کی روایت کے مطابق یہ رخصتی ایک ایسی عہدہ کی ہوئی تھی جو حضرت عائشہؓ کے پاس رہتی تھی۔ نیز اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس کی رخصتی کا حال معلوم کرنے کے بعد یوں فرمایا۔ ”تم نے اس کے ساتھ کوئی عورت کیوں نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی جاتی؟“ (۳۲)

صحیح ابن حبان میں حضورؐ کا اس موقع پر ارشاد ان الفاظ میں ہے:

يا عائشه لا تغنين؟ فان هذا الحي من الانصار يحبون الغناء۔

عائشہ! تم نے کوئی گانے کا اہتمام نہ کیا؟ انصار کا یہ قبیلہ تو گانے کو پسند کرتا ہے۔

ہمارے خیال میں اس روایت سے بڑی اور کوئی حجت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر عہد نبوت میں انصار غنا کو پسند کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کی اس پسند سے نہ فقط یہ کہ روکا نہیں، بلکہ ان کی اس پسندیدگی کو باقی رکھا۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ بعض علماء (۳۳) نے لکھا ہے کہ ابو سارے ناجائز نہیں ہوتے، کچھ ابو جائز و مباح بھی ہوتے ہیں اور انھوں نے ایک دلچسپ استدلال اس آیت سے

کیا ہے :

قل ما عند الله خیر من اللہو (۳۴) ومن التجارة  
کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے  
بہتر ہے۔

یہاں لہو اور تجارت کو ایک جگہ رکھا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ معطوف  
علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے اگر تجارت مباح ہے تو لہو بھی مباح  
ہے اور ما عند اللہ جس طرح لہو سے بہتر ہے اسی طرح تجارت سے بھی بہتر ہے۔  
اگر ذکر الہی یا دوسرے فرائض سے تجارت غافل کر دے تو وہ بھی لعنت ہے  
اور اگر یہ غفلت نہ پیدا ہو تو جس طرح تجارت مباح ہے اسی طرح لہو بھی مباح  
ہے۔

(۴)

”لہو مباح“ ہی سے متعلق ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

عن عامر بن سعد انه اتى ابا مسعود و قرظہ بن کعب و  
ثابت بن یزید و عندهم غناء فقلت لهم ما هذا و انتم  
اصحاب محمد؟ قالوا انه رخص لنا فى الغناء فى العرس  
(۳۵) (اخرجه الحافظ ابو ذر الہروى بسنده)

عامر بن سعد ایک بار ابو مسعود انصاری، قرظہ بن کعب اور  
ثابت بن یزید کے پاس گئے تو وہاں گانا ہو رہا تھا۔ انہوں نے  
کہا تم لوگ حضورؐ کے صحابی ہو کر یہ حرکتیں کر رہے ہو؟  
انہوں نے جواب دیا کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر حضورؐ نے  
ہم لوگوں کو غنا کی اجازت دی ہے۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ اور نسائی کے الفاظ یوں ہیں :

فان شئت فاقم وان شئت فاذهب انه رخص لنا في اللهو  
عند العرس-

(اے عامر بن سعد) تمہارا دل چاہے تو بیٹھو زور نہ جاسکتے  
ہو۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں لو کی اجازت دی ہے۔

اور الرخصة في السماع میں ابن حنیہ نے جو روایت اپنی سند سے  
لکھی ہے، اس میں شادی بیاہ کی بھی کوئی قید نہیں۔ وہاں یہ الفاظ ہیں نعم  
رخص لنا في ذلك یعنی ہاں اس کی اجازت ہے۔ ابن حنیہ کی روایت میں یہ  
بھی درج ہے کہ اس وقت کچھ جواری (چھوکریاں) دف بجا بجا کر گا رہی  
تھیں۔ وجوار يغنين بدفوف لهن۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غنا لو ہے لیکن وہ لو نہیں جو ناجائز  
ہو، خواہ محض زوقی دلچسپی کے لئے ہو یا کھیل تماشے کے لئے، دل بہلانے کے  
لئے ہو یا وحشت تمنائی کو دور کرنے کے لئے، اظہار خوشی کے لئے ہو یا اعلان  
کے لئے۔ یہ سب کے سب وہ لو ہیں جو مباح ہیں۔ لیکن جب اس سے وہ  
غفلت پیدا ہو، جو فرائض کی ادائیگی سے بے نیاز کر دے، یا مکروہات میں مبتلا کر  
دے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا قدم اس لو کے دائرے میں پڑ گیا جس کے  
ناجائز ہونے میں کسی شبہ کی ضرورت نہیں۔

## (۵)

اوپر حضرت عائشہؓ والی جو روایتیں ہیں، ان میں ”لو“ اور ”غزل“ کے  
دو لفظ ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے مفہوم کی تحسین ایک اور حدیث سے ہوتی  
ہے جو حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ  
ہو:

قال (جابر بن عبد اللہ) نکح بعض الانصار بعض اهل

عائشہ و اهدتها الى فتى فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم اهديت عروسك قالت نعم وقال فارسلت معها بغناء فان الانصار يحبونه قالت لا قال فادر كيهابا زينب امرأة كانت تغنى بالمدينة۔

کسی انصاری نے حضرت عائشہ کے خاندان میں کہیں شادی کی اور عائشہ نے اسے اس کے شوہر کے پاس رخصت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم نے دلہن کو رخصت کر دیا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کے ساتھ کوئی گانے والا نہ بھیجا؟ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔ عرض کیا نہیں۔ پھر حضورؐ نے زینب (ایک گانے والی) سے فرمایا جلدی روانہ ہو کر دلہن کے ساتھ ہو جا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کی خاطر داری اتنی زیادہ منظور تھی کہ صرف دریافت کرنے ہی پر بس نہ کی بلکہ مخفیہ کو پیچھے دوڑا دیا کہ سرال پہنچنے سے پہلے ہی دلہن سے مل جائے اور گاتی بجاتی دلہن کے ساتھ جائے۔ اور یہ بھی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مخفیہ کے متعلق حضورؐ کو علم تھا لیکن حضورؐ نے اسے منع نہ کیا، بلکہ اس موقع پر اس سے اپنے فن کے اظہار کی فرمائش بھی کی۔ نیز یہ جملہ کہ ”انصار گانے کو پسند کرتے ہیں“ بواغور طلب ہے۔ ایک پورے گروہ کی پسند پر حضورؐ کا نہ فقط خاموش رہنا، بلکہ امر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حلت غنا پر اجماع صحابہ مع رسولؐ رہا ہے بلکہ امر فرمانا اگر وجوب نہیں تو استحباب کو ضرور ثابت کرتا ہے۔

(۶)

ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر ببعض ازقة المدينة فاذا هو بجوار يضربن بدفهن ویغنین ویقلن نحن جوار من بنی النجار یا حبنا محمد من جار۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ یعلم انی لا حبکن۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی ایک گلی سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ گا رہی ہیں۔ (ترجمہ) ہم سب بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، خوش نصیب کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پڑوسی ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں تم لڑکیوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ان نجاری لڑکیوں کے گانے بجانے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور یہ محض جواز نہیں بلکہ استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

(۷)

نسائی سائب بن یزید سے اور طبرانی جعید سے روایت کرتے ہیں :

ان امرأت جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا عائشة تعرفین هذه فقالت لا یا نبی اللہ حدثنا قال هذه قینة بنی فلان تحبین ان تغنیک فغنتها فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد نفخ الشیطان فی منخریها۔

ایک عورت حضورؐ کے پاس آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عائشہؓ تم اسے پہچانتی ہو؟ کہا نہیں، حضورؐ بتائیں۔ فرمایا یہ فلاں قبیلے کی میراثن (یا مخنیہ یا باندی) ہے۔ کیا تم اس کا گانا پسند کرو گی؟ اس کے بعد اس نے حضرت عائشہؓ کو گانا سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا یہ تو بلا کی گانے والی ہے۔

یہاں بعض لوگ نفخ الشیطان فی منخریہا کا ترجمہ لفظی یوں کریں گے کہ اس کے نختوں میں شیطان نے پھونک ماری ہے۔ اس غلط لفظی ترجمے سے یہ مفہوم پیدا ہو گا کہ گانا ایک شیطانی فعل ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عربی کا ایک محاورہ ہے۔ اقرب الموارد اور منجد میں ہے۔

نفخ الشیطان فی انفہ ای نطاول الی مالیس لہ۔  
نفخ الشیطان فی انفہ کے معنی ہیں کہ وہ اس حد تک آگے بڑھ گیا ہے جو اس کے بس کی بات نہ تھی۔

یہ اسی قسم کا محاورہ ہے جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ اس نے غضب کر دیا، وہ بلا کا فنکار ہے وغیرہ۔ پھر تیلے آدمی کو ہم کہتے ہیں کہ اس میں بجلی بھری ہے، وہ عفریت ہے، وہ جن سے کم نہیں۔ یا حسن و جمال کو دیکھ کر ہم تقویٰ شکن، ایمان سوز اور زہد ربا وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔ نفخ الشیطان فی منخریہا بھی کچھ اسی قسم کا محاورہ ہے۔ محض لفظ شیطان سے اس کے مذموم ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

## (۸)

اسی طرح ترمذی میں بریدہ بن الحصیب سے روایت ہے:  
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رجع من مغازیہ



جائے جاریہ سوداء فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ سالما ان اضرب بین یدیک بالدف واتغنی فقال لها ان کنت نذرت فاضربی و الافلا۔ فجعلت تضرب فدخل ابوبکر و ہی تضرب ثم دخل عثمان و ہی تضرب ثم دخل عمر فالقت الدف تحت استہا و قعدت علیہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان یخاف منک یا عمر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے سے واپس تشریف لائے تو ایک کالی سی لڑکی حضور کے پاس آکر کہنے لگی، یا رسول اللہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ حضور کو سلامتی کے ساتھ واپس لے آئے تو میں حضور کے سامنے وف بجا بجا کر گاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منت مانی ہے تو گا بجالے ورنہ رہنے دے۔ اس کے بعد وہ گانے بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عمرؓ آئے تو وہ اپنی وف کو الٹ کر اس پر بیٹھ گئی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اے عمرؓ تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔

اس مضمون کی روایت بیہقی میں بھی ہے اور عمرو بن شعیب کے دادا سے ابو داؤد والی روایت میں بین یدیک کی بجائے علی راسک اور آخر میں صرف اتا ہے کہ اوفی بنذرک (اپنی منت پوری کر لے۔)

اس روایت میں اس جملے سے کہ ”اے عمرؓ تم سے تو شیطان بھی خوف کھاتا ہے“ لوگوں کو عجیب عجیب غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس سے

یہ نتیجہ نکلا ہے کہ دف پر اس عورت کا گانا بجانا شیطانی فعل تھا جو حضرت عمرؓ کے تشریف لانے کے بعد ختم ہوا۔ لیکن وہ یہ کہتے وقت اتنا نہیں سوچتے کہ یہ فعل شیطانی تھا تو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عثمانؓ (اور رزین کی روایت میں حضرت علیؓ کا نام بھی ہے) اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیطانی فعل کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے کس طرح گوارا کر لیا؟ حضور کے اس جیلے کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اگر یہ عورت تمہارے ڈر سے اپنی دف کو الٹ کر بیٹھ گئی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔ ہمارے پاس ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنے جائز کام کو حضرت عمرؓ کی وجہ سے روک دیا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر بہت سی عورتیں با آواز بلند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصروف گفتگو تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی۔ ساری عورتیں ادھر ادھر چھپ گئیں۔ حضورؐ کو ہنسی آگئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے اپنی جانوں کی دشمنو! تم رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں اور مجھ سے ڈرتی ہو؟ عورتوں نے جواب دیا، ہاں! کیونکہ تم زیادہ درشت مزاج ہو۔۔۔۔۔ (رواہ البخاری و مسلم عن سعید)

اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں اور اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ بعض بڑے بوڑھوں کی بیبت محلے والوں پر زیادہ ہوتی ہے۔ کھیلتے ہوئے بچے انہیں آتا دیکھ لیں تو کھیل کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ کھیل ناجائز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا مزاج بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ ہر بات پر تلوار، ہر بات سے پہلے درہ، ہر بات پر اعتراض، ہر شخص کو ڈانٹ پھٹکار، بلاشبہ یہ سب کچھ راہ حق میں ہوتا تھا لیکن اس مظہر اشداء علی الکفار کی بیبت بہر حال مسلمانوں پر بھی تھی۔ اگر ایک عورت اپنی دف کو اپنا موڈ بھانپ کر بیٹھ گئی تو تعجب کیوں؟ اور یہ کیوں فرض کیا جائے کہ رسولؐ، ابوبکرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی موجودگی تک تو یہ فعل بالکل مباح تھا اور عمرؓ کے آتے ہی شیطانی فعل بن

گیا۔

ذرا سوچئے اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو کیا اس کو بطور منت پورا کرنے کی اجازت حضورؐ دے سکتے تھے؟ اس عورت کی فرمائش کا جواب یہ تھا کہ چونکہ تیری منت ہی غلط ہے اس لئے ہم اسے پورا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔۔۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے غلط فہمیں مانی ہیں حضورؐ نے ان کی تکمیل کی اجازت ہی نہیں بلکہ ان کی اصلاح فرمادی۔ مثلاً ایک شخص (ابو اسرائیل) نے منت مانی کہ روزہ رکھ کر سارا دن دھوپ میں کھڑا رہے گا اور نہ افطار کرے گا، نہ کسی سے بات کرے گا، تو حضورؐ نے اس منت کو پورا کرنے سے روک دیا اور فرمایا سائے میں آ جائے اور بیٹھ بھی جائے، افطار بھی کرے اور بات بھی کرے۔ (رواہ البخاری و ابو داؤد و عن ابن عباس)

غور فرمائیے اگر اس عورت کی گانے بجانے کی منت مانتی ہی غلط تھی اور یہ حرکت ہی شیطانی تھی تو حضورؐ کو منع کرنے سے کون سی چیز روک سکتی تھی؟ ایسے ایفائے نذر کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے لا نذر فی معصیۃ الرب ولا فی قطعۃ الرحم ولا فیما لا تملک (رواہ ابو داؤد عن ابن شعیب) یعنی ایسی کوئی منت ہی صحیح نہیں جس میں خدا کی نافرمانی ہو، یا قطع رحمی ہو یا جو اپنے قبضے سے باہر ہو۔

یہ بھی واضح رہے کہ ایفائے نذر کے اس موقع پر کوئی شادی بیاہ کا قصہ نہ تھا جس میں اعلان ضروری ہو، یہ صرف ایک موقع مسرت تھا، یقیناً حضورؐ کی صحیح سلامت واپسی اس عورت کی نگاہ میں ایک ایسی مسرت تھی جس پر کروڑوں عید کی خوشیاں قربان ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر گانے بجانے سے اظہار خوشی اور اعلان نکاح دونوں ہی مقصد حاصل ہو جاتے ہیں۔

## (۹)

یہاں تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ ایفائے نذر کوئی شیطانی فعل نہ تھا، اتنا ہی کافی ہے کہ خود حضورؐ نے اور حضورؐ کے ساتھ دوسرے متعدد جلیل القدر صحابہؓ نے یہ گانا بجانا سنا۔ لیکن ان سب دلیلوں سے زیادہ دلچسپ ایک اور روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ کا اس گانے بجانے کو باصرار سننا ثابت ہے۔ علامہ نور اللہ حنفی ”نغمہ عشاق“ میں لکھتے ہیں :

الثانی عشر روى الحافظ محمد بن طاهر فى كتابه  
صفوة التصوف بسنده الى عبدالله بن ابى مليكة ان  
عائشة حدثته انه كانت عند النبى صلى الله عليه وسلم  
امراة تغنى فاستاذن عمر بن الخطاب فالتقت الدف و  
قامت فدخل عمر و النبى صلى الله عليه وسلم  
بضحك فقال بابى انت وامى ما اضحكك يا رسول الله  
فذكر له الخبر فقال لا ابرح حتى اسمع مما كان يسمع  
رسول الله فسمع-

بارہویں حدیث یہ ہے کہ محمد بن طاہر محدث اپنی کتاب  
صفوة التصوف میں اپنی سند (مذکورہ بالا) سے عبد اللہ بن  
ملیکہ سے عائشہؓ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ کے  
پاس ایک عورت گارہی تھی، اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندر  
آنے کی اجازت چاہی۔ اس گانے والی نے اپنی دف تو نیچے  
ڈالی اور کھڑی ہو گئی۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو حضرت  
ہنس رہے تھے۔ عمرؓ نے پوچھا میرے ماں باپ قربان ہوں  
حضورؐ ہنس کیوں رہے ہیں؟ حضورؐ نے یہ واقعہ (کہ

تمہارے آتے ہی یہ مغینہ اپنی دف پھینک کر کھڑی ہو گئی)  
 بیان فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا میں تو یہاں سے ٹلنے کا  
 نہیں جب تک وہی نہ سن لوں، جو حضورؐ نے سنا ہے۔ آخر  
 عمرؓ نے بھی سنا۔

اس روایت کو دوسری سند سے خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے۔  
 اور ایک تیسری سند سے محمد بن اسحاق فاکھی محدث نے بھی اپنی تاریخ مکہ میں  
 لکھا ہے۔ علامہ نور اللہ نے ان سب سندوں پر بحث کر کے ابن اسحاق کی سند کو  
 اصح الاسناد قرار دیا ہے۔ ہم نے یہ تمام تفصیل نظر انداز کر دی ہیں۔ اس کے  
 بعد علامہ نور اللہ حنفی لکھتے ہیں:

پس در صحت حدیث و وثوق اسناد اشباہے باقی نماند۔ مخفی مباد کہ اس  
 حدیث برہان قاطع ست مراد اوہام منکرین را و معطل ست جہلمائے متعصین را کہ  
 مخصوص میگردد و انہذا باحت سماع غنا بایام اعیاد و تقریبات سرور مباحہ و اندیشہ و  
 گریز مغنیہ را از حضرت عمر دلیل حرمت می پندارند و وجہ بطلان جمل مذکور اس  
 کہ از اس حدیث و از حدیث سابق ثابت گردد کہ حضرت عمر بایں اصرار بخضور  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم سماع غنا باو ف کہ بقول صدیق اکبرؓ در حدیث ثامن معبر  
 بہ مزامیر الشیطان بود، کردند و در اس وقت چہک تقریب از اعیاد و ولیمہ و ختان  
 وغیرہ مشروط فقہا نبود، پس اگر در اس غنہ حرمت بووے چرا حضرت عمرؓ بر  
 شنیدن آں اصرار کروے و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شنیدے و جناب عمرؓ را  
 بر سماع فعل حرام اجازت کے داوے۔ پس ہر کہ سماع حضرت عمرؓ انکارے کند  
 گویا تکذیب اس حدیث صحاح می نماید۔

(ترجمہ) لہذا اس حدیث کے صحیح ہونے اور اس کی سند کے قابل وثوق ہونے  
 میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ واضح رہے یہ حدیث منکروں کے اوہام کے لئے برہان  
 قاطع ہے اور ان اہل تعصب کے تمام جیلوں بہانوں کو ختم کر دیتی ہے جو گانا سننے

کے جواز کو عید یا دوسرے جائز مواقع خوشی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اس گانے والی کے ڈر اور گریز کو اس کے حرام ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس جہالت کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے اور اس سے پہلے والی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی موجودگی میں اصرار کر کے گانا اور دف سنا (جو آٹھویں حدیث میں بقول صدیق اکبرؓ مزامیر شیطان تھا) اس وقت نہ کوئی عید تھی نہ دعوتِ ولیمہ تھی، اور نہ تقریبِ ختنہ وغیرہ، جس کی فقہا شرط لگاتے ہیں۔ اگر یہاں حرمت کا کوئی شبہ ہو تا تو حضرت عمرؓ اس کے سننے پر اصرار کیوں کرتے؟ اور حضورؐ خود کیوں سنتے؟ اور حضرت عمرؓ کو ایک حرام چیز سننے کی اجازت ہی کب دیتے؟ پس جو شخص حضرت عمرؓ کے سامع کو جھٹلاتا ہے وہ صحاح کی حدیث کو جھٹلاتا ہے۔

اس روایت کے علاوہ ہم گزشتہ صفحات میں استیعاب لابن عبد البر کے حوالے سے خود حضرت عمرؓ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ آپ خوات بن جیر سے ساری رات گانا سنتے رہے۔ اس روایت کو مولانا شبلی نعمانی نے بھی القاروق میں نقل کیا ہے۔

ان تمام روایتوں کو ملا کر دیکھئے تو صاف معلوم ہو گا ان الشیطن یخاف منک یا عمر (اے عمرؓ تم سے شیطان ڈرتا ہے) کا کوئی تعلق حرمتِ غنا و مزامیر سے نہیں۔ اور کیا عجب کہ یہ راوی کا اپنا اضافہ ہو، کیونکہ دوسری روایتوں میں جو (ابھی نقل کی گئیں) یہ جملہ سرے سے مذکور ہی نہیں۔

## (۱۰)

خاص طور پر اعیاد و خوشی کے مواقع پر گانے بجانے بلکہ کھیل تماشے کے جواز کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے جو بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کی ہے:

دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندى جاريتان تغنيان بغناء بعث فاضطجع على الفراش و حول وجهه و دخل ابوبكر فانتهرنى و قال مزماره الشيطان عند النبى صلى الله عليه وسلم فقال و عهما فلما غفل غمزتهما فخرجتا و كان يوم عيد يلعب السودان بالدرق و الحراب فى المسجد فاما سالت النبى صلى الله عليه وسلم و اما قال اتشتهين تنظرين؟ فقلت نعم فاقامنى و راه خلى على خده و يقول دونكم يا بنى ارفدة حتى اذا مللت قالت حسبك قلت نعم قال فاذهبى-

حضور میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس دو لڑکیاں بعث کے گیت گا رہی تھیں۔ حضور میرے بسترے پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ پھیر لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے تو مجھے ڈانٹ کر کہا حضورؐ کے پاس یہ شیطانی گانے؟ حضورؐ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا چھوڑ دو ان کو۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا غصہ ذرا تھا تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر چلی گئیں۔ یہ عید کا دن تھا اور حبشی ڈھالوں اور نیزوں کے کھیل مسجد میں دکھا رہے تھے۔ حضورؐ نے از خود یا میرے کہنے سے دریافت فرمایا کیا تم بھی دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ تو حضورؐ نے مجھے اپنے پیچھے اس طرح کھڑا کر لیا کہ میرا رخسارہ حضورؐ کے رخسارے سے ملا ہوا تھا اور حضورؐ فرماتے جاتے تھے کہ ہاں بنی ارفدہ (حبشیو) دکھائے جاؤ

اپنے کرتب۔ جب تھک گئی تو پوچھا بس؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا واپس جاؤ۔

## (۱۱)

بخاری و مسلم میں یہ روایت یوں ہے :

عن عائشة قالت ان ابابکر دخل علیها و عندها جاریتان فی ایام منی تدفقان و تضربان و فی رواية تغنیان بما تقاولت الا انصار یوم بعث و النبی صلی اللہ علیہ وسلم متغش یشوب به فانتھرهما ابوبکر فکشف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن وجهه فقال دعهما یا ابابکر فانها ایام عید و فی رواية یا ابابکر ان لكل قوم عید و لهذا عیدنا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایام منیٰ میں ان کے ہاں دو لڑکیاں آئیں اور تھرک تھرک کر (دف) بجانے لگیں۔ دوسری روایت میں ہے، گانے لگیں۔ مضمون جنگِ بعثت کے واقعات تھے جن کا انصار چرچا کرتے تھے۔ آنحضورؐ اس وقت ایک کپڑا لپیٹے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں (لڑکیوں) کو ڈانٹا تو حضورؐ نے اپنے چہرے پر سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: اے ابوبکر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔ دوسری روایت میں ہے : ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

اس میں لفظ تدفقان خاص طور پر غور طلب ہے۔ یہاں اس کا وہی

مفہوم ہے جو دوسری روایت میں ترفن کا ہے یعنی ترقصان۔



## (۱۲)

یہاں ایک روایت اور سن لیجئے جو ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی زبانی یوں بیان کی ہے:

قالت: کان رسول اللہ جالسا فسمعنا لفظا و صوت صبيان فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حبشية تزفن و الصبيان حولها فقال يا عائشة تعالی فانظري فجئت فوضعت لحبي علي منكب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعلت انظر اليها فقال اما شبت اما شبت؟ فجعلت اقول لا لا نظر منزلتي عنده اذ طلع عمر فارفض الناس عنها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اني لا انظر شياطين الانس و الجن قد فروا من عمر۔ قالت فرجعت-----

حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور اور لڑکوں کی آواز سنی۔ حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ ایک حبشی عورت تھرک تھرک کر گامی ہے اور بچے اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: عائشہ! آکر دیکھو۔ میں آئی اور اپنی ٹھوڑی حضورؐ کے کاندھے پر رکھ کر دیکھنے لگی۔ حضورؐ نے کئی بار پوچھا: کیا ابھی سیری نہیں ہوئی؟ میں اس خیال سے کہ دیکھوں حضورؐ کو میری کتنی خاطر منظور ہے، ہر بار کہتی رہی کہ ابھی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ دکھائی دیئے اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ عمرؓ سے انس و جن کے شیاطین بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد میں (عائشہؓ) واپس آ گئی۔

الناج الجامع الاصول کے حاشے پر ترفن کی شرح یوں ہے کہ  
ترقص و تضرب بالدف پھر اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث کے متعلق  
شارح لکھتے ہیں: (۳۶)

و فی ہذین عظیم لطف النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
بالعباد و جواز سماع اللہ بقدر الحاجة۔  
ان دونوں روایتوں سے حضور کا وہ کرم بھی ثابت ہوتا ہے  
جو لوگوں پر تھا اور لہو کا بقدر ضرورت سننا بھی۔

### (۱۳)

مسند کی دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

ان الحبشة كانوا يدفون بين يدي رسول الله صلى الله  
عليه وسلم و يرقصون و يقولون محمد عبد صالح۔  
فقال صلى الله عليه وسلم ما يقولون؟ قال: محمد عبد  
صالح۔

جبشی لوگ حضور کے سامنے دف بجا بجا کر رقص کر رہے  
تھے اور محمد عبد صالح گاتے جاتے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ  
یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہا: محمد عبد صالح کہہ رہے ہیں۔  
اس میں یرقصون کا لفظ یزفنون کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔

### (۱۴)

جبشی گاتے بھی تھے اور ناچتے تھرکتے بھی تھے۔ چنانچہ مسند احمد (ج ۳

ص ۱۵۲) کی ایک روایت حضرت انسؓ سے یوں مروی ہے:

كانت الحبشة يزفنون بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم ويرقصون محمد عبد صالح-

جیسی حضورؐ کے سامنے پاؤں مار مار کر (تھرک تھرک کر) ٹاپتے اور الپتے تھے کہ محمد (رسول اللہ) اللہ کے صالح بندے ہیں۔

یہ غالباً اس موقعے کا ذکر ہے جب حضور ہجرت فرما کر وارد مدینہ ہوئے تھے۔ حدیث نمبر ۵ نحن جولو من بنی النجار الخ بھی اسی موقع کی ہے اور اسی موقعے کی ایک اور بھی حدیث آگے ملاحظہ کیجئے گا۔

### (۱۵)

بیہقی کی روایت ابن عاکشہ سے ہے:

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة جعل النساء والصبيان يقلن-

طلعت	البدر	علينا
من	ثنيات	الوداع
وجب	الشكر	علينا
ما	دعا	لله
ايها	المبعوث	فيينا
جنت	بالامر	المطاع

جب حضورؐ مدینے تشریف لائے تو عورتیں اور بچے یہ استقبالی نغمہ الپ رہے تھے۔

(ترجمہ) آج ہمارے گھر چاند آگا ہے وداع کے ٹیلوں سے،

ہم پر شکر الہی واجب ہے جب تک دعا کرنے والے دعا کرتے رہیں۔ اے حضورؐ آپ تو ہم میں ایسا نظام لے کر آئے ہیں جو واجب الاتباع ہے۔

دوسری روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ عورتیں دف پر گاری تھیں۔ حضورؐ نے اور سارے مجمع صحابہؓ نے ان عورتوں کا کانادف پر سنا۔ آخری شعر بیہقی کی روایت میں نہیں۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے۔ (منقول از البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۹۷)

یہ اشعار گانے والی محض کمن لڑکیاں نہ تھیں بلکہ علی بن برہان الدین اپنی سیرت حلیہ میں یوں لکھتے ہیں:

عن انس ----- لما كان اليوم الذي دخل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة اضاء منها كل شيء وصعدت نوات الخدور الى الاجاجير اى الاسطحة عند قدومه يعلن بقولهن طلع البدر علينا -----

جس دن حضورؐ مدینے میں داخل ہوئے، ہر شے روشن ہو گئی اور پردہ نشین عورتیں حضورؐ کی تشریف آوری کے وقت با کنیوں پر چڑھ گئیں اور طلع البدر علینا کہہ کر اعلان کرنے لگیں۔

پھر لکھتے ہیں:

عن عائشة لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة جعل النساء والصبيان والولائد يقلن طلع البدر ----- (سیرت حلیہ ج ۲ ص ۵۸)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضورؐ مدینے میں تشریف لائے تو عورتوں، بچوں اور نوجوان عورتوں نے

طلع البدر علينا الخ الاپنا شروع کر دیا۔

## (۱۶)

عن ابن عباس مرفوعا ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسوا سحاطین و جاءت جارية يقال لها سيرين معها مزبر تختلف به بين القوم وهي تغنيهم و تقول هل على و يحكم ان لهوت من حرج؟ فتبسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال لا حرج انشاء اللہ۔  
(سیرت طیبہ ج ۲ ص ۵۸)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ دو صفوں میں آئے  
سامنے بیٹھے تھے اور ایک کنیز جس کا نام سیرین تھا باجہ  
(ہانسری یا دف) لئے ہوئے آئی اور لوگوں کے درمیان  
گردش کرتی ہوئی یہ گانے لگی:  
(ترجمہ) اللہ تم پر رحم کرے۔ اگر میں لو اختیار کروں تو کیا  
مجھ پر کوئی تنگی (مضائقہ) ہے؟ آنحضورؐ مسکرا دیئے اور  
فرمایا: نہیں اللہ نے چاہا تو کوئی تنگی نہیں۔

## (۱۷)

و عن ابی بشر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر مرابا الحبشة و هم  
يلعبون و یرقصون و یقولون:

يا بها الضيف المعرج طارقا  
لو لا مررت بال عبد الدر

لو لا مررت بهم ترید قراهم  
 منعوك من جهد و من اقتار  
 اى ولم ينكر عليهم وبه استدلت الممتناعلى جواز الرقص  
 حيث خلا عن التكرسرقصت الاخبار وتواترت  
 الانار بانشاء الاشعار بين يديه بالا صوات الطيبة مع  
 الدف وبغيره وبذلك استدلت الممتناعلى جواز الضرب  
 بالدف ولو فيه جلاجل لما هو سبب لاطهار السرور  
 ----- (سیرت ملیہ لعلی بن برهان الدین الحللی الشافعی  
 صفحہ ۶۷-۶۸)

ابو بشر سے روایت ہے کہ آنحضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ کچھ جشیوں کے  
 پاس سے گزرے جو ہازی گری اور رقص کے ساتھ یوں الاپ رہے تھے:  
 (ترجمہ) اے شب کے آنے والے مہمان! تم آل عبدالدار کے پاس  
 سے کیوں نہ گزرے -----

مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے ان جشیوں کو ناپسند نہیں فرمایا۔ اور اسی  
 سے ہمارے ائمہ رقص کے جواز کی دلیل لاتے ہیں، بشرطیکہ وہ ٹکسر (۳۷) سے  
 خالی ہو۔ کیونکہ صحیح اور متواتر روایات سے حضورؐ کے سامنے اشعار کا خوش  
 آوازی سے دف اور بغیر دف پڑھا جانا ثابت ہے۔ اسی سے ہمارے ائمہ دف  
 بجانے کے جواز کی دلیل لاتے ہیں۔ اگرچہ دف میں جلاجل (گھنٹیاں) بھی لگی  
 ہوں، کیونکہ یہ اظہار خوشی کا ایک ذریعہ ہے۔

## (۱۸)

ترمذی احمد بن منیع سے اور ابن ماجہ محمد بن طالب حاطب الجعفی سے  
 حضورؐ کا ایک ارشاد یوں نقل کرتے ہیں کہ:

فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت۔

جائز و ناجائز نکاحوں میں صرف دف اور گانے کا فرق ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حرام میں اعلان نہیں ہوتا، خفیہ آشنائی ہوتی ہے جسے قرآن اتخاذ النکاح کہتا ہے اور حلال میں گاجا کر نہ فقط اظہار خوشی ہوتا ہے بلکہ ایک قانونی جواز کا اعلان ہوتا ہے۔

یہ روایت دوسری اسناد میں عائشہؓ، جابر اور ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند اور نسائی نے اپنی سنن میں بھی اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تصحیح کی ہے۔

اس سے دف اور گانے کا جواز ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ گانا بجانا بعض اوقات شادی بیاہ کے موقع پر اتنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اگر اس تقریب کو اس سے الگ رکھا جائے تو حلال و حرام کے ملتبس ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اعلان نکاح و رخصتی کا یہ طرز و انداز عمد نبوت کی ایک ثقافتی خصوصیت تھی یعنی یہ کوئی ضرور نہیں کہ آج یا کسی دوسرے دور میں بھی دف و غنا ہی کے ذریعے اعلان کیا جائے۔ اعلان کا کوئی دوسرا طریقہ اگر آج وہی مقصد پورا کرے جو اس دور میں دف و غنا کے ذریعے پورا ہوتا تھا تو یہ بھی اسی غنا و دف کا قائم مقام ہو گا۔ یہ نکتہ یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ امام مالک کے نزدیک اعلان بالدف صحت نکاح کی ایک شرط ہے، یعنی یہ محض مباح ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

## لھو الحدیث

جواز سماع کے لئے اتنی حدیثیں بہت کافی ہیں۔ پھر اس پر بے شمار علماء، فضلاء، محدثین، عرفا وغیرہ کے اقوال و اعمال میں بھی کچھ کم دلیل جواز نہیں۔ تاہم جن لوگوں نے غنا و مزامیر کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا ہے وہ بھی اپنے

علم و فضل، معرفت، حدیث و فقہ میں کچھ کم درجہ نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنے رجحان کے حق میں دلیلیں رکھتے ہی ہوں گے۔ اس لئے اگر سرسری نظر سے ان کے دلائل کو بھی دیکھ لیا جائے تو نامناسب نہ ہو گا۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم اس باب میں خاموش ہے، بلکہ وہ ہر حسن و جمال کو پسند کرتا ہے خواہ اس کا تعلق دید سے ہو یا شنید سے، لیکن بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کو بعض علماء نے غنا کے عدم جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ ایک مشہور آیت یہ ہے:

و من الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل  
الله بغير علم ويتخذها هزا والولئك لهم عذاب مهين - و  
اذا تنلى عليه ايننا ولي مستكبرا كان لم يسمعها كان  
في اذنيه وقرأ فبشره بعذاب اليم (۶: ۳۱)

بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو ”لہو حدیث“ خریدتے ہیں تاکہ بغیر کسی دانست کے راہ خدا سے بھٹکائیں اور آیات ربانی کا مذاق بنائیں، یہ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز سزا ہے، جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سرکشی کے ساتھ اس طرح رخ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ پڑی ہو، لہذا اسے تو درد ناک سزا کی خوشخبری دے دیجئے۔

بات بہت صاف ہے۔ سیاق و سباق نے بھی کوئی الجھن نہیں رہنے دی ہے۔ لیکن مفسرین نے اس آیت کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔ ہم ان سب کو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۴۱ و ۴۴۲ سے الگ الگ نقل کرتے ہیں:

(۱) الایة عطف بذكر حال الاشقياء الذين اعرضوا عن  
الانتفاع بسماع كلام الله و اقبلوا على استماع



المزامیر والغناء بالالحن والالتطرب۔

یہ آیت عطف ہے اوپر کی آیت پر (جس میں محسنین مفلحین کا ذکر ہے) اس میں ان بد بختوں کا ذکر ہے جو کلام الہی سن کر فائدہ اٹھانے کی طرف سے بے رخی برتتے ہیں اور مزامیر اور سوز و ساز سننے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) عن ابی الصہبالبکری انه سمع عبداللہ بن مسعود و هو یسال عن هذه الایة "و من الناس" النخ۔ فقال عبداللہ بن مسعود الغناء و اللہ الذی لا الہ الا هو یردوها ثلث مرات۔

ابو صہبالبکری سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان کو یہ کتے سنا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی الہ نہیں، اس سے مراد غنا (گانا) ہے۔ ابن مسعود نے تین بار اسے دہرایا۔

(۳) کذا لک قال ابن عباس وجابر وعکرمہ وسعید بن جبیر ومجاہد ومکحول وعمر بن شعیب وعلی بن بذیمہ۔

ابن عباس، جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے:

(۴) قال الحسن البصری نزلت هذه الایة "و من الناس" النخ۔ فی الغناء والمزامیر۔

حسن بھری کہتے ہیں: یہ آیت غنا و مزامیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۵) قال قتادة قوله "و من الناس" النخ۔ واللہ لعلہ لا

ينفق فيه مالا ولكن شرفه استحبابه بحسب المرء من الضلالة ان يختار حديث الباطل على حديث الحق وما يضر على ما ينفع۔

تلاوہ کہتے ہیں اس آیت میں یشتری سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روپیہ صرف کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد انسان کا اپنی حد کے اندر گمراہی کو یوں پسند کرنا ہے کہ وہ باطل کی گفتگو کو گفتگوئے حق پر اور مضر کو نفع بخش چیز پر ترجیح دے کر اختیار کرے۔

(۶) وقيل اراد بقوله "یشتری" اشتراء المغنيات من الجواری۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں خریدنے سے مراد گانے والی لڑکیوں کو خریدنا ہے۔

(۷) عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل بیع المغنیات ولا شرفهن واکل اتمانهن حرام و فیہن انزل اللہ عزوجل ومن الناس۔ الخ

ابو امامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ گانے والی عورتوں کی خرید و فروخت جائز نہیں اور ان کی قیمت کھانا حرام (۳۸) ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(۸) و ہکذا رواہ الترمذی و ابن جریر من حدیث عبید اللہ بن زمر بنحوہ۔

ترمذی اور ابن جریر نے بھی عبید اللہ بن زمر سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

(۹) وقال الترمذی هذا حدیث غریب و ضعف علی بن یزید المدکور۔

اپنی ہی اس روایت کو ترمذی نے غریب اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف بتایا ہے۔

(۱۰) قلت علی و شیخہ و الراوی عنہ کلہم ضعفاء و اللہ اعلم۔

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ علی بن یزید اور ان کے شیخ اور ان سے روایت کرنے والا سب کے سب ضعیف ہیں۔

(۱۱) وقال الضحاك في قوله تعالى "ومن الناس" الخ۔ یعنی الشریک و بہ قال عبدالرحمن بن زید بن اسلم۔

ضحاک اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے اور یہی قول عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بھی ہے۔

(۱۲) واختار ابن جریر انه كل كلام يصد عن آيات الله و اتباع سبيله۔

ابن جریر کی اختیار کردہ تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو آیات الہی اور اتباع راہ خداوندی سے روک دے (وہ لہو الحدیث) ہے۔

ان تمام تفاسیر لہو حدیث کو سمیٹا جائے تو مندرجہ ذیل تفسیریں حاصل ہوتی ہیں۔

- ۱۔ گانا بجانا (غنا و مزامیر)
- ۲۔ گفتار باطل کو گفتگوئے حق کے مقابلے میں اور ضرر رساں باتوں کو نفع رساں باتوں کے مقابلے میں اختیار کرنا۔

۳۔ گانے والی لڑکیوں کو خریدنا۔

۴۔ شرک۔

۵۔ ہر وہ کلام جو آیات الہی اور اتباع حق سے رد کے۔

ان پانچ تفسیروں میں سے کسی ایک کو دلائل ترجیح کے ساتھ مان لینے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے اور اگر کوئی عقل سلیم و دوسری تفسیر بھی پیدا کر سکے، تو اس سے بھی روکا نہیں جاسکتا۔ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں لہو حدیث کے معنی گانا بجانا، یا گانے والی لڑکیاں یا شرک لینے کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اسے سردست چھوڑیے کہ تفسیری روایات کا کیا مقام ہے اور اسے بھی جانے دیجئے کہ ترمذی نے اور ابن کثیر نے گمانی والی لڑکیوں کی تفسیر والی روایت کو خود ہی ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ لہو الحدیث کے لفظ میں کوئی ایسا پہلو موجود ہے جس میں لغوی حیثیت سے یا تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے مطابق گانے بجانے کا کوئی مفہوم داخل کیا جاسکے؟ عربی لغات میں ”لہو“ کے معنی دیکھ لیجئے اور ”حدیث“ کا مطلب بھی دیکھ لیجئے۔ پھر اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھ لیجئے اور قرآن کریم کی ان آیات کو بھی دیکھ لیجئے جن میں یہ لفظ آئے ہیں۔ بات صاف ہو جائے گی۔

لہو کے معنی

امام راغب اصفہانی اپنی مفردات میں لکھتے ہیں :

اللہو ما يشغل الانسان عما يعنيه ويهمه

جو چیز انسان کو مفید مطلب بات سے ہٹا دے وہ لہو ہے۔

صاحب اقرب الموارد لکھتے ہیں :

اللہو ما لہوت بہ شغلک من ہوی و طرب و نحو ہا و

قال فی التعریفات اللہو هو الشئ الذی یتلذذ بہ الانسان

فيلهيہ ثم ينقضی۔ و قال الطرطوسی و اصل اللہو الترویح عن النفس بما لا تقتضیہ الحکمہ۔  
 لہو وہ چیز ہے جس میں استہاک پیدا ہو جائے اور غفلت و بے  
 توجہی ہو جائے خواہ وہ کوئی خواہش ہو یا کیف ہو یا اور کچھ۔  
 صاحب تعریفات لکھتے ہیں لہو وہ چیز ہے جس سے انسان لطف  
 حاصل کرے اور وہ اسے غافل کر دے پھر وہ گذر جائے۔  
 طرطوسی کہتے ہیں لہو کے اصل معنی ہیں خلاف حکمت طریقے  
 سے دل خوش کرنا۔

قرآن میں لفظ لہو

قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے مثلاً:

انما الحیوۃ الدنیا لعب و لہو (۳۹) (۳۶:۳۷)  
 حیات دنیا بس کھیل تماشہ ہے۔

وذر الذین اتخذوا دینہم لعبا و لہوا (۷۰:۶)

جن لوگوں نے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا ہے، انہیں چھوڑ دو۔

پہلی آیت میں حیات دنیا ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کے معنی ایسی  
 زندگی ہیں جس کا رخ اسلام کی طرف نہ ہو، اور جس زندگی کا رخ اسلام کی  
 طرف ہو وہ حیات طیبہ ہے۔ غیر اسلامی نظام زندگی کو ”لہو“ کہا گیا ہے اور اس  
 کے لہو ہونے میں کوئی شک نہیں۔ گویا دنیا کی زندگی فی نفسہ لہو نہیں۔ یہ اس  
 وقت لہو بنتی ہے جب اس کا رخ غلط سمت کی طرف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح  
 دوسری آیت میں دین فی نفسہ لہو نہیں، دین تو سر تا پا حقیقت ہے۔ لیکن جب  
 اس کا مصروف غلط لیا جائے یا اسے Exploit کیا جائے تو یہی دین کھیل اور لہو  
 ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد لفظ ”حدیث“ کو دیکھئے۔ اس کا سیدھا سادا ترجمہ ہماری زبان میں ”بات“ ہے، خواہ منظوم ہو یا مثنوی۔ خدا کا کلام ہو یا انسان کا۔ بیداری میں ہو یا خواب میں، اپنے آپ سے مخاطب ہوں یا غیر سے، اعلیٰ گفتگو ہو یا بیسودہ بکواس، گا کر ہو یا بے گائے، یہ ساری اقسام گفتگو حدیث کے لفظ میں آ جاتی ہیں۔

لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ ”لو الحدیث“ ہر ایسی گفتگو ہے جو دلچسپ تو ہو لیکن کوئی اعلیٰ مقصد پیش نظر نہ ہو۔ ایسی گفتگو اپنے درجے کے لحاظ سے ایک اضافی حقیقت ہو گی جو مطلق مباح بھی ہو سکتی ہے اور مستحب بھی، مکروہ بھی اور حرام بھی۔ اگر محض تفریح، اظہار خوشی یا اعلان مقصود ہو تو اس کی اباحت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اگر شفاۓ امراض یا روحانی سرور مقصود ہو تو اس کے مستحب ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر بے مقصد شور و غل مقصود ہے تو یہ بلاشبہ مکروہ تنزیہی ہو گا۔ اور اگر بقول ابن جریر اس کا مقصد راہ حق سے ہٹانا ہو تو اس کے حرام ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہی ہے لو الحدیث کی وہ قسم جو زیر بحث آیت میں صاف لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَوَ الْحَدِيثَ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ  
اللَّهِ بَغِيرَ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا-----

کچھ لوگ لو حدیث اس لئے خریدتے ہیں کہ کسی علم کے بغیر راہ خدا سے بھٹکادیں اور آیات الہی کو مذاق بنائیں۔  
اسی کیفیت کی تشریح اگلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہے :

وَإِذَا تَلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن  
فِي أُذُنِهِ وَفِرًا-----

اور جب اس پر آیات ربانی تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ استکبار کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے کچھ سنا

ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ پڑی ہے۔  
 ایسے ابو حدیث کی خریداری کو کون مسلمان حرام نہ کہے گا؟ یہ نظم ہو،  
 نثر ہو، غنا و مزامیر کے ساتھ ہو، بے غنا و مزامیر ہو، ایسا کلام انسانی ہو یا اللہ اور  
 اس کے کسی رسول کی طرف منسوب ہو، بیداری سے اس کا تعلق ہو یا خواب  
 سے، خود کہے یا دوسرا سنے، کسی پاندی کو خرید کر ہو یا بے خریدے ہو، زبانی ہو  
 یا کتابت میں آجائے۔ کچھ بھی ہو اگر حدیث و گفتار کا یہ انداز اور یہ مقصد ہو تو  
 بلاشبہ وہ حرام ہے۔ لیکن اگر یہ انداز و مقصد ----- اضلال عن سبیل اللہ  
 بغیر علم آیات الہی کو مذاق بنانا، انگبار کے ساتھ سنی ان سنی کر دینا وغیرہ نہ ہو  
 تو اس آیت کو صرف راگ پر چسپاں کرنا پہلی غلطی ہے اور آیت کے عموم کو  
 گالنے والیوں کی خریداری کے ساتھ مخصوص کر دینا دوسری غلطی ہے۔

## سمد کا مطلب

### دوسری آیت

دوسری آیت جسے حرمت غنا کی دلیل تصور کیا جاتا ہے:

لَزِفَتِ الْاِزْفَةَ - لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ - اَفَمِنْ هَذَا  
 الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَ تَضْحَكُونَ وَ لَا تَبْكُونَ وَ اَنْتُمْ  
 سَامِدُونَ - (۵۲: ۵۷ تا ۶۱)

قیامت قریب ہے جسے اللہ کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔  
 تمہیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے اور تم ہنستے ہو اور روتے  
 نہیں اور تم سر اٹھائے کھیل میں لگے رہتے ہو۔

یہاں و اَنْتُمْ سَامِدُونَ کے لفظ سے بعض اہل علم مثلاً قاضی بیضاوی نے  
 یہ استدلال کیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سمد کے معنی

غنی (گایا) کے بھی ہیں جیسا کہ اقرب الموارد اور المنجد وغیرہ میں لکھا ہے۔ لیکن تہا یہی معنی نہیں۔ اقرب میں جو معنی اس سے پہلے لکھے ہیں وہ یوں ہیں :

قام رافع راسہ ناصبا صدرہ (فہو سامد)  
سراٹھا کر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا۔

امام راغب اصفہانی نے اس لفظ کی تشریح میں غنا کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ صرف ایک ہی معنی لکھتے ہیں :

السامد الالہی الرافع راسہ۔

سامد کے معنی ہیں سراٹھا کر لو کرنے والا۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۶۰ میں مختلف معانی سامدون کے نقل کئے گئے ہیں۔ ان کا نقشہ یہ ہے :

۱۔ ابن عباس اور عکرمہ ”سم“ کے معنی غنا کے لیتے ہیں۔

۲۔ ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد دوسری روایت میں اس کا مطلب اعراض (بے رخی) بتاتے ہیں۔

۳۔ ابن عباس اور سدی اس کا مطلب تکبر و سرکشی بتاتے ہیں۔

۴۔ حسن و علیؑ کے نزدیک اس کا مطلب ہے غافل ہو جانا۔

پس ان مختلف معانی میں کسی ایسے معانی کو لیتا زیادہ بہتر ہے جو زیادہ جامع ہو اور سیاق و سباق سے زیادہ مناسب رکھتا ہو۔

آیت زیر بحث سے پہلے یہ ذکر ہے کہ قیامت آنے والی ہے جسے خدا کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تم اس حدیث (بات) پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور اکڑے رہتے ہو۔ اور اس ”حدیث“ کے ساتھ لو کا برتاؤ کرتے ہو۔ غور سے دیکھئے کیا یہ وہی مضمون نہیں جو ”اشترائے لو الحدیث“ والی آیت میں بیان ہوا ہے۔ ”حدیث قرآنی کے جواب میں یہ انداز اختیار کرنا



حرام ہی نہیں کفر صریح ہے۔ اور یہ کچھ گانے ہی پر موقوف نہیں، بغیر گانے ہوئے ہو، نثر میں ہو، لکھ کر ہو، جب بھی یہ انداز، جس سے یہ قیامت یا کسی حدیث خداوندی کا انکار لازم آئے حرام بلکہ کفر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

سوال صرف یہ ہے کہ ”سامدون“ کے معنی گانے والوں کے ہوں جب بھی کیا اس آیت سے حرمت غنا پر استدلال درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب ان ہی آیات میں موجود ہے۔ جہاں ان منکرین قیامت کے متعلق وانتم سامدون کہا گیا ہے وہیں وتضحکون ولا تبکون بھی کہا گیا ہے۔ لیکن کیا آج تک کسی نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ ہنسنا حرام ہے یا جب تک انسان روتا نہیں وہ ارتکاب حرام کرنا رہتا ہے؟ پس اگر اس سے محک اور عدم بکا کی حرمت سمجھنا صحیح نہیں تو اس آیت سے گانے کو اگر ”سامدون“ کے معنی گانے والوں کے مان بھی لئے جائیں، حرام قرار دینا کب درست ہو سکتا ہے؟

## صوت شیطانی

### تیسری آیت

تیسری آیت جس سے حرمت غنا پر دلیل لائی گئی ہے یہ ہے:

و استنفر زمن استطعت منہم بصونک و اجلب علیہم  
بخیلک و رجلک و شارکھم فی الاموال و الاولاد  
وعدہم۔۔۔۔۔۔ (۲۴:۱۷)

(اے شیطان) ان انسانوں میں سے جن پر تیرا قابو چلے اپنی آواز سے اکھاڑ اور ان پر اپنے سوار اور پیدل کو چڑھا

اور ان کے مال اور ان کی اولاد میں اپنا ساجھا کر لے اور ان سے وعدے وعید کرتا رہے۔۔۔۔۔

یہاں لفظ صونک (شیطانی آواز) کی مہلہ نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہ گانا اور لہو ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور ابن جریر کہتے ہیں:

کل داع دعالی معصبة اللہ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۹)  
ہر وہ شے جو نافرمانی خدا کی دعوت دے۔

یہ تفسیر زیادہ قریب بہ صواب ہے۔ صوت کے معنی آواز کے ہیں، خواہ کسی کی ہو۔ جب یہ شیطان کی طرف منسوب ہوگی تو اس میں صرف شیطانی غنا ہی نہیں آئے گا، تقریر، تحریر، نظم، نثر، غنا وغیر غنا حتیٰ کہ بے صوت دوسرے سب ہی حرام ہوں گے۔ لیکن جس طرح خیل اور رجل (سوار اور پیدل) کو مطلقاً حرام کہنا بالکل بے معنی ہے، اسی طرح مطلق صوت کو خواہ وہ گانا ہی ہو مطلقاً ناجائز قرار دینا بعید از معقولیت ہے۔ جس طرح خیل اور رجل یعنی سوار اور پیدل شیطانی ہونے کے بعد ناجائز ہے، اسی طرح صوت بھی شیطانی ہونے کے بعد ناجائز اور قابل احتراز ہوگی۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ آیت مندرجہ بالا میں شیطان کی طرف جہاں صوت کی اضافت کی گئی ہے، وہاں خیل اور رجل کو بھی مضاف کیا گیا ہے۔ پس جو حکم خیل و رجل کا ہو گا وہی صوت کا بھی ہو گا۔ یہی خیل و رجل جب اہل اسلام کی طرف مضاف ہو تو یہ عین عبادت ہو گا کیونکہ اس کی غرض صحیح ہے۔ اب غور طلب بات صرف یہ ہے کہ بیہیمہ کی حکم صوت کا بھی کیوں نہ ہو گا؟ مطلق صوت ہو یا حسن صوت یعنی گانا اس میں دونوں ہی پہلو موجود ہیں۔ استعمال میں لانے والا اگر شیطان ہے تو وہ سراسر شر ہو گا۔ اور اگر انسان صالح ہے تو اس میں خیر ہی کا پہلو ہو گا۔ مختصر یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں پہلی غلطی تو یہ کی گئی ہے کہ صوت کی عمومیت کو صرف غنا کے معنی لے کر تنگ کر دیا گیا ہے اور دوسری لغزش یہ ہے کہ ہر

صوت اور ہر غٹا کو شیطانی صوت سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لئے صحیح تفسیر وہی ہے جو ابن عباسؓ، قتادہ اور ابن جریر نے کی ہے کہ کل داع دعالی معصیۃ اللہ (ہر وہ شے جو خدا کی نافرمانی کی طرف دعوت دے) یہ ظاہر ہے کہ صونک (شیطانی آواز) بجز دعوت معصیت کے اور کیا ہو سکتی ہے؟

غرض یہ ہے کہ اوپر کے تینوں الفاظ لہو الحدیث، سمد اور صوت الشیطن سے گنا مراد لینے کی کوئی قوی دلیل نظر نہیں آتی۔ خود صحابہؓ سے مختلف تفسیریں مروی ہیں اور صحابہ یا غیر صحابہ میں جن لوگوں نے اس سے مراد غٹا لیا ہے یہ ان کی اپنی تفسیریں ہیں، مرفوع کوئی بھی نہیں۔ اگر ان میں سے ایک کی تفسیر قبول کی جائے تو دوسرے کی تفسیر بھی اسی طرح تسلیم کی جاسکتی ہے بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیں تو ایک دوسری پیچیدگی سامنے آتی ہے۔ یعنی اگر وہ ان آیات میں ہر جگہ غٹا ہی مراد لیا جائے تو ان تمام صحیح احادیث کی توجیہ مشکل ہو جاتی ہے جن سے خود حضورؐ کا، صحابہؓ کا اور بعد کے اکابر محدثین و قضا کا گنا سنا ثابت ہے۔ یہ روایات ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔

### فقہائے کرام کا تشدد

اب ہمیں فقہائے کرام کے فتاویٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بھی اساطین اسلام ہیں اور زندگی کے بے شمار گوشوں میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے بات یوں ہے کہ بہت سے فقہائے جو غٹا کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا ہے وہ بالکل بے سند نہیں۔ ان کا مدار بھی کتاب و سنت ہی پر ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے اس معاملے میں فقہاء بھی عموماً ”اوہر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ زیادہ تر وہ بعض احادیث ہی سے اس کی حرمت یا کراہت ثابت کرتے ہیں۔“

فقہاء کا ایک اور اصول یہ بھی ہے کہ وہ مصالح امت اور تقاضائے وقت

کا بھی لحاظ کرتے ہیں اس لئے جن لوگوں نے عوام کو جواز غنا کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے ”فحوائے“ بہ مرکبش گیر تابہ تپ راضی شود“ اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہیں اور عند اللہ ناجور ہوں گے۔ بلکہ ہمارے موجودہ دور میں بھی بے شمار محافل غنا ایسی ہیں جن کے متعلق ہم بھی جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے۔

مقتضائے وقت اور مصالح امت اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تو ایک مباح کو حرام اور حرام کو مباح بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے اور نفس مسئلہ ایک جداگانہ چیز ہے۔ غلط مصرف لینے اور Exploit کرنے والوں نے کس چیز کو چھوڑا ہے؟ قرآن، حدیث، اسلام، خدا، رسول، صحابہ ہر ایک سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور Exploit کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس غلط استعمال سے اصل اسلام یا قرآن یا خدا کا ترک لازم نہیں آتا۔ مسئلہ اپنی جگہ الگ مسئلہ ہے اور مقتضائے حال سے اس پر مختلف حکم لگانا ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ اگر غنا کو مطلقاً حرام قرار دیا جائے تو ان تمام قولی اور فعلی احادیث کی توجیہ دشوار ہو جائے گی جن سے حضورؐ کا، صحابہؓ و تابعین کا، علماء و محدثین کا سماع غنا ثابت ہے۔

### فقہاء کی احادیث و مرویات

سب سے پہلے ایک اصولی بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ لکل فن رجال ہر فن کے انسان الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ اگر ایک شخص محدث ہے تو وہ فن تاریخ یا فقہ میں بھی ویسی ہی دستگاہ رکھتا ہو، یا اگر وہ فقیہ ہے تو لازماً محدث بھی ہو۔

علامہ عبدالحی انصاری فرنگی علی نے مقدمہ عمدۃ الرعاہ صفحہ ۱۳ میں بہت صحیح لکھا ہے:

ان الكتب الفقهية وان كانت معتبرة في انفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها ايضا من المعبرين و الفقهاء الكاملين لا يعتمد على الاحاديث المنقولة فيها اعتمادا كلياً ولا يجزم بورودها و ثبوتها قطعاً بمجرد وقوعها فيها فكم من احاديث ذكرت في الكتب المعبرة و هي موضوعة و محتلفة كحديث "لسان اهل الجنة العربية و الفارسية الدرية" و حديث "من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبي" و حديث "علماء امتى كانبيا بني اسرائيل الى غير ذلك -" نعم اذا كان مولف ذلك الكتاب من المحدثين امكن ان يعتمد على حديثه الذي ذكره فيه و كذا اذا اسند المصنف الحديث الى كتاب من كتب الحديث امكن ان يوثقه اذا كان ثقة في نقله - و السرفيه ان الله تعالى جعل لكل مقام مقالا و لكل فن رجالا و خص كل طائفة من مخلوقاته بنوع فضيلة لا تجدها في غيرها . فمن المحدثين من ليس لهم حظ الارواية الاحاديث و نقلها من دون التفقه و الوصول الى سرها و من الفقهاء من ليس لهم حظ الاضبط المسائل الفقهية من دون المهارة في الروايات الحديثية فالواجب ان تنزل كلا منهم في منازلهم و نقف عند مراتبهم -

کتب فقہ اپنے فروعی مسائل کے لحاظ سے اگرچہ فی نفسہ معتبر ہیں اور ان کے مصنفین بھی معتبر اور کامل فقہاء ہیں لیکن ان کتابوں میں جو احادیث منقول ہیں ان پر نہ تو کلی

اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کتابوں میں درج ہونے سے ان پر یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ وہ احادیث واقعی وارد ہوئی ہیں یا ثابت ہیں۔ بحیری حدیثیں معجز کتابوں میں مذکور ہیں لیکن وہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ اہل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہوگی یا یہ کہ جس شخص نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز ادا کی۔ یا یہ کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں اگر کسی کتاب فقہ کا مصنف خود محدث بھی ہو تو اس کی ذکر کردہ حدیث پر اعتماد کرنا ممکن ہے اور یونہی اگر وہ کسی کتاب حدیث کا حوالہ دے کر حدیث نقل کرے اور وہ حوالہ دینے میں قائل و وثوق بھی ہو تو اس کو بھی لیا جاسکتا ہے اس میں نکتہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام کے لئے الگ فن اور ہر فن کے لئے کچھ الگ آدمی پیدا کئے ہیں اور اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک گروہ کو ایک فضیلت ایسی دی ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ محدثین میں بعض ایسے ہیں جو صرف روایت احادیث اور نقل احادیث جانتے ہیں مگر نہ ان میں کوئی حقیقہ ہوتا ہے اور نہ اسرار حدیث تک ان کی پہنچ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جو مسائل فقہ تو لکھتے ہیں لیکن احادیث اور روایات (کو پرکھنے) کی کوئی مہارت نہیں رکھتے۔ لہذا ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ان کے مرتبہ و مقام پر رکھ کر دیکھیں اور اس سے آگے نہ

یوحی۔

اسی طرح ملا علی قاری محدث حنفی موضوعات کبیر (مطبوعہ لاہور) میں  
جمعۃ الوداع کی نقل والی روایت کو بے اصل قرار دے کر لکھتے ہیں:

ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقية شراح الهداية  
فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسناد والمحدث الى احد  
من المخرجين۔

مصنف نہایہ ہوں یا ہدایہ کے دوسرے شارح ہوں ان کی  
نقل حدیث کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ نہ تو ان کا شمار محدثین  
میں ہے اور نہ انہوں نے اس حدیث کی سند کو کسی کتاب  
حدیث کے مصنف تک پہنچایا ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ  
اگرچہ دنیا جامع العلوم ہستیوں سے خالی نہیں رہی ہے لیکن عموماً و بیشتر یہ ہوتا  
ہے کہ جس اہل علم کا انصاف کسی ایک فن کی طرف ہوتا ہے، وہ اسی کی  
باریکیوں کو زیادہ سمجھتا ہے۔ اور دوسرے فنون میں اگر اسے دخل ہو بھی تو  
وہی دقت نظر اور وہ وسعت نگاہ نہیں ہوتی جو اس کے اپنے خاص فن میں ہوتی  
ہے۔ فقہاء اپنا مدار تو کتاب و سنت پر ہی رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ تفسیر و روایات  
کی باتیں کریں تو وہ یہاں اس مقام پر نہیں ہوتے جس پر مسائل فقہ کو بیان  
کرتے وقت ہوتے ہیں۔ وہ ایک روایت کو سامنے رکھ کر فقہی مسائل کی تمام  
باریکیوں کو تو بیان کر دیں گے لیکن خود وہ روایت کس پائے کی ہے، اس کا علم  
انہیں بہت کم ہوتا ہے۔ یہ میدان محدثین کا ہے اور وہ اپنے اصول کے مطابق  
کسی روایت کا مقام بتا سکتے ہیں۔ یہی حال محدثین کا بھی ہے کہ وہ روایات کی  
اسناد کو فن رجال سے اور متن کو فن درایت سے پرکھ لیتے ہیں، لیکن دوسرے  
فنون کی پیسیوں غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ہر روز ہماری دنیوی زندگی میں بھی اس کا

تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ جب ہم بیمار پڑتے ہیں تو کسی انجینئر کے پاس نہیں جاتے اور جب مکان بنوانا ہوتا ہے تو کسی ڈاکٹر کو نہیں بلواتے۔ بلاشبہ اسلامی دنیا محدث قیہوں اور فقیہ محدثوں سے خالی نہیں رہی ہے لیکن بالعموم یہی ہوتا ہے کہ محدث فقہ میں اور فقیہ حدیث میں کمزور ہوتا ہے۔ ان میں ہر ایک اپنے فن میں سند ہوتا ہے دوسرے میں نہیں ہوتا۔ ہم جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کی بے شمار تصانیف ہوں، تو عموماً ”یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ ہر فن کا یکساں ماہر ہو گا“ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض ایک فن کا اعلیٰ ماہر بھی اپنے ہی مخصوص فن میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھا جاتا ہے۔ اس سے اس کی مہارت فن پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ”گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں“ علم و فن ایک ارتقائی حقیقت ہے۔ اگر غلطیاں نہ ہوں تو علم و فن ایک جامہ چیز بن کر رہ جائے۔ یہ غلطیاں ہی تو ہیں جن کی وجہ سے ہر قدم آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ غرض جب فقیہ خود اپنے فن میں ٹھوکر کھا سکتا ہے تو دوسرے فن ---- حدیث ---- میں اس کا ٹھوکر کھانا کون سی تعجب کی بات ہے؟

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے جہاں جہاں بھی غنا و مزامیر کی حرمت ثابت کرنے میں تشدد سے کام لیا ہے، وہاں انھوں نے ضعیف اور موضوع احادیث کو بے تکلف بنائے استدلال بنالیا ہے۔ اس سے فقہائے کرام کے مقام فقہانیت پر ہمارے خیال میں کوئی زد نہیں آتی۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب انہماک ایک طرف ہو تو دوسری طرف سے قدرے تغافل ہو جاتا ہے۔

حدیث ہدایہ

مثلاً سب سے پہلے صاحب ہدایہ کو دیکھئے، انھوں نے چار جگہ حرمت غنا کا ذکر فرمایا ہے: کتاب الشہادۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب الضمان والغصب



اور کتاب الکراہیۃ میں۔ لیکن کسی جگہ کوئی صحیح و حسن حدیث اس کے ثبوت میں پیش نہیں فرمائی ہے۔ صرف کتاب الشاہدۃ میں ترمذی کی ایک حدیث لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

----- ولا نائحة ولا مغنبة لا نہا ترکبان محرما فانہ  
علیہ السلام نہی عن الصونین الاحمقین النائحة و  
المغنبة۔

نوحہ کرنے والی عورت اور گانے والی عورت کی بھی  
شہادت قبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب  
ہوتی ہیں۔ حضور نے دو احمق آوازوں سے منع فرمایا ہے  
ایک نوحہ کرنے والی اور دوسری گانے والی۔

یہ ہے وہ حدیث ترمذی جس کی بنا پر صاحب ہدایہ مطلق سماع کو حرام  
قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس حدیث کا کیا پایہ ہے اسے خود حنفی و غیر حنفی محدثین  
کی زبان سے سنئے۔

(۱) قال النووی فی الخلاصة و محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی  
ضعیف و لعلہ اعترض (نصب الراية فی تخریج احادیث الهدایہ  
للزیلعی المحدث الحنفی ص ۲۱۱)

نووی خلاصہ میں کہتے ہیں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی (جو اس سند کا  
ایک راوی ہے) ضعیف ہے۔ ہاں شاید دوسری حدیث اس کی معاضد ہو  
تو ہو۔

(۲) سید مرتضیٰ زبیدی حنفی تحفۃ الحسین میں اور بھی اس طرح کی  
روایتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی  
سب میں موجود ہیں جو باوجود فقیہ و قاضی ہونے کے روایت حدیث میں  
ضعیف ہیں۔

کمال الدین اوفی محدث اپنی امتاع ص ۲۸ میں ”حدیث خامس“ کا بیان کرتے ہوئے اس کے راوی کے حلق لکھتے ہیں:

ان محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قد انکر علیہ ہذا الحدیث و  
ضعف لاجلہ و قال ابن حبان انہ کان ردی الحفظ کثیر الوهم فاحش  
الخطاء استحق الترمذی و ترکہ احمد و قال ابن سینی الحفظ مضطرب  
الحدیث۔

محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی اس حدیث کا انکار کیا گیا ہے اور انہیں  
ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ابن خلیل کہتے ہیں ان کا حافظہ بہت روی تھا، وہم  
بہت ہوتا تھا، فاحش غلطیاں کرتے تھے۔ یہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں  
ترک کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے احمد بن حنبل نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا  
یہ حافظے میں ناقابل اعتبار ہیں اور ان کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔

(۳) احمد بن حنبل نے یہاں تک کہا ہے:

لم یحتج بحديثه احد (ج ۶ صفحہ ۵۲۰) ان کی حدیث کو کوئی حجت نہیں  
سمجھتا۔

### قول عثمانؓ اور ملا جیون

ملا جیون کڑ حنفی ہیں اور صاحب ہدایہ کی ہر بات میں تائید کرتے ہیں۔  
اس لئے ان کا رجحان بھی حرمت غنا کی طرف ہے۔ وہ حرمت کی دلیلیں پیش  
کرنے کے سلسلے میں دو جلیل القدر صحابہ کا اثر نقل کرتے ہیں۔ ایک قول  
حضرت عثمان ذی النورین کا ہے جو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ وہ یہ  
ہے:

ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسنت ذکرى بیمنی مذبا یعت بها  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دن میں نے اپنا دایاں ہاتھ بیعت اسلام

کے لئے حضورؐ کے ہاتھ میں دیا اس دن سے میں نے نہ کبھی گایا اور نہ کوئی غلام  
آرزو کی۔ نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھوا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیہقی کے نزدیک یہ روایت ہی ضعیف  
ہے جیسا کہ زرقاتی نے شرح مواہب لدنیہ جلد ۷ ص ۴۷ میں لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمانؓ کے اس قول سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے  
کہ آپؐ نے یہ تینوں باتیں اپنے کمال تقویٰ کی وجہ سے ترک کیں۔ اس سے  
یہ بالکل نہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان باتوں کو حرام سمجھنے کی وجہ  
سے ترک کر دیا۔ ورنہ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ تمنا کرنا اور دائیں ہاتھ سے  
مس ذکر کرنا حرام ہے؟ جس طرح یہ دونوں حرام نہیں، بالکل اسی طرح غنا بھی  
حرام نہیں۔ یہی بات امام غزالی نے بھی لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

امام غزالی

و احتجوا بقول عثمان ما تغنيت الخ فنقول فليكن  
التمنى و مس الذكر باليمين حراما ان كان هذا دليل  
نحریم الغناء و ليس كذلک فمن اين ثبت ان عثمان  
كان لا يترك الاحرام؟ و انما تنزه عن ذلك كما تنزه عن  
غيره من المباحات و كثير من الصحابة رضی الله عنهم  
تورعوا و زهدوا في كثير من المباحات (شرح احياء  
العلوم جلد ۶ ص ۵۳۵)

(ترجمہ) بعض لوگ حضرت عثمانؓ کے قول ”ما تغنيت“  
الخ سے حرمت غنا کی دلیل لاتے ہیں۔ اس کا جواب ہم یہ  
دیتے ہیں کہ اگر یہی حرمت غنا کی دلیل ہے تو تمنا کرنا اور  
دست راست سے ذکر چھوٹا بھی حرام ہونا چاہئے، حالانکہ

ایسا نہیں۔ اور یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمانؓ صرف حرام ہی کو ترک کیا کرتے تھے۔ یہ تو محض تنزیہاً ترک کیا تھا جس طرح بعض اور دوسرے مباحات کو تنزیہاً ترک کر دیا تھا۔ صحابہ کرام میں بہترے ایسے ہیں جنہوں نے بہت سی مباح و جائز چیزوں کو صرف تنزیہاً اور تہدا چھوڑ دیا تھا۔

ہماری رائے میں امام غزالی نے معقول بات فرمائی ہے۔ تنزیہی ترک سے حرمت نہیں ثابت ہوتی۔ یہ صرف کمال احتیاط و تقویٰ ہے۔ حضرت عثمانؓ بند غسل خانے میں بھی سارے کپڑے اتار کر غسل نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک تقویٰ تھا لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ کپڑے اتار کر غسل کرنا حرام ہے۔ تیسرے یہ کہ خود ملا جیون ”منیہ“ میں امام غزالی کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

----- ولكن هذا لا يصح دليلاً از حالة الاحرام مما يحرم كثيراً من المباحات و المحظورات التي من شأنه عدم اولوية الفضل لا عدم جوازہ۔  
یعنی حضرت عثمانؓ کے قول سے حرمت غنا کی دلیل لازماً درست نہیں کیونکہ حالت احرام میں اکثر مباحات و مکروہات حرام ہو جاتی ہیں، حالانکہ اصالتاً وہ ناجائز نہیں ہوتیں بلکہ ان کا ترک ادلی ہوتا ہے۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں۔ سماع غنا کے لئے اہلیت درکار ہے۔ وعلیہ اکثر المتأخرین وبہ ناخذ۔ یعنی متأخرین کا اور ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ احتیاط و تنزیہ بھی تو خود اپنے گانے سے تعلق رکھتی ہے۔ رہا دوسرے سے گانا سننا، تو یہ نہ فقط بے شمار صحابہؓ

کرام سے بلکہ خود حضرت عثمان سے بھی ثابت ہے۔ ہم گذشتہ صفحات میں سید مرتضیٰ زبیدی کی اتحاف السادہ کی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں ماوردی کی الحاوی کے حوالے سے انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے پاس دو باندیاں تھیں جن سے شب کو آپؐ گانا سنتے تھے اور جب سحر ہو جاتی تو فرماتے اب بس کرو، استغفار کا وقت آگیا۔

### قول ابن مسعود اور ملا جیون

ملا جیون نے دوسرا قول عبداللہ بن مسعود کا نقل کیا ہے کہ الغنا ینبت النفاق فی القلب۔۔۔۔۔ الخ یعنی گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

### زبیدی کی رائے

اس قول کے متعلق جو مختلف رائیں ہیں ان کو سید مرتضیٰ زبیدی کی زبان سے سنئے۔ شرح احیاء ج ۶ ص ۳۶۶ میں فرماتے ہیں:

فرفعه لعنہم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هو غیر صحیح لان فی اسنادہ من لم یسم رواہ ابو داؤد و رواہ البیہقی مرفوعا و موقوفا قالہ العراقی قلت روی مرفوعا من عدة طرف کلہا ضعیفہ قال البیہقی و الصحیح انہ من قول ابن مسعود فی باب طرقہ من ہو مجہول۔۔۔۔۔ و نقل النووی فی تہذیب الاسماء و اللغات الاتفاق علی ضعفہ و اقرہ الزرکشی و قال ابن طاہر رواہ الثقات عن شعبۃ عن مغیرۃ عن ابن ابراہیم و لم یجاوز فہو من قول ابراہیم قلت رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاہی عن ابراہیم قال کانوا یقولون الخ فاذا لیس ہو من قول ابراہیم و ممن رواہ مرفوعا ابن ابی

الدنيا في ذم الملاهي ورواه ابن عدي و الديلمي من  
حديث ابي هريرة و أخرجه البيهقي من حديث جابر  
بلقط الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء  
الزرع و هو ضعيف ايضا۔ فيه على بن حماد قال  
البارقطني منروك و ابن ابي رواد قال ابو حاتم احاديثه  
منكرة و قال ابن الجنيدي لا يساوي فلساوا ابراهيم بن  
طهمان مختلف فيه۔

اس عبارت کے لفظی ترجمے میں الجھاؤ پیدا ہو گا اس لئے ہم اس کا صحیح  
معنی مفہوم نمبردار عبارتوں میں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ بعض لوگوں نے اس روایت (الغناء ينبت النفاق في القلب الخ) کو  
حضورؐ کا قول بتایا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ابو داؤد نے جس سند سے یہ  
روایت بیان کی ہے اس میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کا نام ہی نہیں لیا  
گیا ہے۔

۲۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے اور موقوفاً بھی، یعنی حضورؐ  
کا قول بھی بتایا ہے اور صحابی کا بھی۔

۳۔ سید مرتضیٰ زبیدی محدث کا کہنا ہے کہ مختلف طریقوں سے اسے  
مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام طرق ضعیف ہیں۔

۴۔ بیہقی کا کہنا ہے کہ دراصل یہ ابن مسعود کا قول ہے نہ کہ حضورؐ کا۔ نیز  
اس کے طرق میں بعض مجہول الحال راوی ہیں۔

۵۔ نووی کہتے ہیں اس راوی کے ضعف پر اتفاق ہے۔

۶۔ زرکشی کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

۷۔ ابن طاہر کا کہنا ہے کہ اس کو ثقہ لوگوں نے عن شعبہ عن مغیرہ عن  
ابراہیم روایت کیا ہے اور ابراہیم سے آگے کسی کا نام نہیں لیتے۔ لہذا یہ

ابراہیم علی کا قول ہے۔

۸۔ ابن ابی الدنیا طاعی کی مذمت کے سلسلے میں اسی روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم کا قول نہیں بلکہ بات یوں ہے کہ ابراہیم کہتے تھے کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ (گناہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے)

۹۔ اس پر سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں یہ نہ تو ابراہیم کا قول ہے اور نہ کسی ایسے شخص کا جس سے ابن ابی الدنیا نے ذم الملامی میں مرفوعاً روایت کیا ہو۔

۱۰۔ ابن عدی اور دہلی نے ابو ہریرہ سے اور بیہقی نے جامع سے یہ مضمون روایت کیا ہے کہ گناہ قلب میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی پیدا کرتا ہے۔

۱۱۔ زبیدی اس مضمون والی روایت کو بھی ضعیف بتاتے ہیں کیونکہ اس میں ایک راوی علی بن حماد ہے جو طر قطنی کے نزدیک متروک ہے اور اس کا دوسرا راوی ابن ابی رواد ہے جس کے متعلق ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں اور ابن جنید کہتے ہیں کہ ابن ابی رواد کلمے کے برابر بھی نہیں۔ اور ابراہیم بن عثمان مختلف فیہ ہیں۔

زبیدی کی اس طویل عبارت کے بعد چند رائیں اور بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) ابو طالب مکی (۳۸۶ھ) قوت القلوب ص ۶۲ میں لکھتے ہیں:

ان حماد لروی عن ابراهيم الغناء ينبت النفاق في القلب الخ-----

حماد نے ابراہیم کی زبانی یہ بیان کیا ہے کہ گناہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

(یعنی یہ قول ابراہیم کا ہے نہ کہ ابن مسعود یا حضور کا)

ابن حجر عسقلانی النسخ الحبيب ص ۲۰۸ میں فرماتے ہیں:

قال ابن طاهر اصح الاسانيد في ذلك انه من قول ابراهيم۔

ابن طاہر کا قول ہے کہ سب سے زیادہ صحیح سند سے جو بات ثابت ہے، وہ یہی ہے کہ یہ ابراہیم کا قول ہے (نہ کہ ابن مسعود کا قول یا آنحضرتؐ کا) امام سخاوی مقاصد حسنہ ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں:

لا یصح کما قالہ النووی

یہ روایت بھی کوئی صحیح روایت نہیں بلکہ ضعیف ہے جیسا کہ نووی نے لکھا ہے۔ (نووی کا قول اوپر گزر چکا ہے) غرض یہ کہ یہ کوئی حدیث نبویؐ تو قطعاً نہیں، زیادہ سے زیادہ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہو سکتا ہے یا ابراہیم کا یا عوام کا۔ اور اس سے صرف غنا کا استدلال جس حد تک درست ہو سکتا ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں جب یہ کوئی نص نہیں تو صرف ایک رائے ہو سکتی ہے یا تجربہ۔ لیکن دوسروں کی رائے یا تجربہ اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ بے شمار صحابہ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، محدثین اور اولیائے کاملین گناہ سن سن کر اور سنا سنا کر لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ العباد باللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ غنا کے اندر دونوں قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ نفاق بھی پیدا کر سکتا ہے اور اتفاق بھی۔ شقاوت بھی پیدا کر سکتا ہے اور حلاوت بھی۔ یہ سب کچھ سننے والے اور سنانے والے کی استعداد پر، احوال و ظروف پر اور مضامین غنا پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ان اشعار کو پڑھنے سے روک دیا تھا، جو مخالفوں کی بھوکے جواب میں مسلمان شعرا نے کہے تھے۔ یہ اشعار خود حضورؐ کے حکم سے جواباً کہے گئے تھے۔ لیکن عصری قاضیوں کے بدلنے سے حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر ان اشعار کو پڑھنے سے روک دیا کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے کسی عورت کا نام لے کر تشبیہ کرنے سے بھی روک دیا تھا، حالانکہ عہد نبویؐ میں اس کا عام رواج



تھا۔

دنیا کی ہر شے میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص اور ہر زمان و مکان کے لئے ایک ہی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ نفاق روپے سے بھی پیدا ہوتا ہے اور نفاق حکومت، عورت یا زمین سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ رات دن اس کے تجربے ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا بہت مشکل ہے کہ حکومت زن، زر اور زمین سب کچھ مطلقاً "حرام" ہے۔

علاوہ ازیں ملا جیون باوجود اس کے کہ خود ان کا میلان حرمت غنا کی طرف ہے، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اعلم ان مسائل الغناء أكبر المسائل المختلف فيها وقد  
تعارضت الآيات والاحادیث الدالة على إباحة وحرمة و  
كثرت فيه أقوال العلماء وآراء الصلحاء ونحن  
نسمعك أولاً الحجج المعارضة ثم نذكر ما هو الحق  
الحقیق۔

غنا کے مسائل کا شمار ان سب سے بڑے مسائل میں ہے جو  
مختلف فیہ ہیں اور جن کی حلت و حرمت کے بارے میں  
آیات و احادیث باہم متعارض ہیں اور اس بارے میں علماء  
کے اقوال اور صلحاء کی رائیں بے شمار ہیں۔ ہم پہلے تمہیں  
متعارض دلائل سنائیں گے اس کے بعد بتائیں گے کہ حق  
بات کیا ہے۔

اس کے بعد ملا جیون نے حلت و حرمت کی تمام دلیلوں کا ذکر کیا ہے اور  
ایک بہت بڑی غلط فہمی کو یوں دور کیا ہے:

----- والثانية في المعارضة الحقيقية التي استوت  
فيه الحجتان وهو منتف لان بعض المناخرين ذكروا

ان احادیث الاباحۃ صحیحہ بخلاف احادیث الحرمة۔  
 (ترجمہ) حقیقی تعارض کی دوسری شرط اس مسئلے میں پائی  
 جاتی ہے جس میں دونوں طرف کی دلیلیں یکساں وزنی  
 ہوں۔ اور یہاں مسئلہ غنا میں یہ صورت ہی مفقود ہے کیونکہ  
 بعض متاخرین نے تصریح کی ہے کہ اباحت کی حدیثیں صحیح  
 ہیں اور حرمت کی احادیث صحیح نہیں۔

### حرمت مزامیر کی چوتھی حدیث

ایک اور حدیث اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے جو بخاری نے ابو مالک  
 سے یوں روایت کی ہے:

لیکونن فی امنی اقوام یستحلون الحر و الحریر و  
 الخمر و المعازف و لینزلن اقوام الی جنب علم نروح  
 علیہم سارحة لهم فیاتیہم رجل لحاجة فیقولون  
 لرجع البنا غدا فیبیتہم اللہ و یضع العلم و یمسح  
 اخرین قردة و خنازیر الی یوم القیمة۔

(ترجمہ) میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہو کر رہیں گے جو  
 زنا، ریشم، شراب اور معازف (باجوں) کو حلال سمجھیں  
 گے۔ کچھ لوگ ایک پہاڑ کے دامن میں اتریں گے جہاں  
 ان کے مویشی چر کر شام کو آئیں گے۔ ان کے پاس ایک  
 آدمی اپنی کسی ضرورت کے لئے آئے گا تو وہ کہیں گے کل  
 ہمارے پاس آنا۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں شب کو سلا دے گا اور  
 پہاڑ کو وہاں سے ہٹا دے گا اور دوسروں کو مسخ کر کے  
 قیامت تک کے لئے بندر اور سور بنادے گا۔

اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے نواب سید صدیق حسن خاں صاحب کا تبصرہ سنئے جو دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:

واحدے انکار نمی کند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دف را مقرر داشت و آن را شنید و انکار نہ فرمود کما فی صحیح البخاری و معتدل است کہ معارف منصوص التحريم ہاں باشد کہ معتزل باشد بہ لُحْرب خمر کما ثبت فی روایۃ لبشر بن من امتی الخمر نروح علیہ القیان و تغدو علیہم المعزف و معتدل ست کہ مراد مجموع امور مذکور باشد و دریں صورت دلیل بر تحریم یکے علی الانفراد نہ باشد و مقرر است کہ نہی از امور متعدده یا ترتیب و عید بر مجموع آں دلالت بر فردا ز آں مجموع نہ دارد۔ و از اعظم اولہ بریں معنی قوله تعالی است خلوه ففلوه۔ ثم الجحیم صلوة ثم فی سلسلۃ ذرعا سبعون ذراعا فاسلکوه۔ انہ کان لا یومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین (۳۰) و لک نیست کہ ترک حل بر طعام بانفرادہ موجب اس وعید شدید نیست و نہ حرام است۔

(ترجمہ) اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرتؐ دف بجائے پر خاموش رہے۔ خود اسے سنا اور منع نہیں فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس بات کا (حدیث زیر بحث میں) احتمال موجود ہے کہ جن معارف (ہاجوں) کو حرام کیا گیا ہے، وہ وہی ہاجے ہیں جو عے نوشی کے ساتھ پیوستہ ہوں، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ”میری امت میں کچھ لوگ شرابیں پئیں گے، شام کو ان کے پاس گانے والی غلام لونڈیاں آئیں گی اور دن کو ہاجے بھیجیں گے۔“ اس روایت میں اس کا احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان تمام چیزوں (زنا، ریشم، شراب اور ہاجے) کی مجموعی شکل ہو۔ اس صورت میں یہ کسی انفرادی تحریم کی دلیل نہ ہوگی۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے کہ چند ترتیب دار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید اس مجموعے کے کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن کی یہ آیات ہیں :

ترجمہ : اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں لے جاؤ۔ پھر سترگز کے حلقے والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور مسکین کو کھلانے پر کسی کو ابھارتا نہ تھا۔

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض مسکین کو کھلانے پر نہ ابھارنا نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا (یعنی مسکین کو کھلانے پر نہ ابھارنا) حرام ہے۔

نواب صاحب نے مقول بات لکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی محراب اخلاق سوسائٹیوں میں تو جائز چیز بھی اپنے دوسرے عوامل کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سے الگ کر کے اسے دیکھا جائے تو اسے حرام نہیں کہا جاسکتا۔ اس حدیث میں چار چیزوں کی مجموعی صورت ہی مراد ہے۔

اس کی مثال ہر روز ہمارے سامنے اپنی زبان میں آتی رہتی ہے۔ ہم کہتے ہیں فلاں بد بخت ہر دقت شراب و کباب میں بدست رہتا ہے۔ ذرا غور کر کے بتائیے کہ کیا کباب بھی دیا ہی حرام ہے جیسی شراب؟ کون صاحب عقل ہے جو ”شراب و کباب“ کی مجموعی برائی کرنے کے باوجود دونوں کو انفراداً بھی ایک ہی حکم میں داخل سمجھے؟ پس جس طرح یہاں شراب و کباب سے ان دونوں کی مجموعی صورت مراد ہے اسی طرح زنا، ریشم، شراب اور محازف کی مجموعی شکل کا (زیر نظر حدیث میں) ذکر ہے، نہ کہ ہر فرد مجموع کا الگ الگ۔

اس میں دو چیزیں ہر حال میں حرام ہیں یعنی زنا اور شراب۔ اور دو چیزیں ایسی ہیں جو ایک موقع پر حرام اور دوسرے موقع پر حلال ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ریشم اور ہاسجے ہیں۔ ریشم کے متعلق دو حدیثیں سن لیجئے :

رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للزبیر و

عبدالرحمن بن عوف فی لبس الحریر لحکة بهما۔  
(رواہ السنۃ الامکان عن انس)

حضورؐ نے زہر اور عبدالرحمن بن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دونوں کو خارش ہو گئی تھی۔  
یہ تو خیر خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی گئی تھی۔ تھوڑے ریشم کے متعلق تو عام اجازت ہے۔

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الحریر فی  
موضع اصبعین لو ثلث لولربع (للسنة الامکان)  
حضورؐ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا البتہ دو سے چار انگلی  
تک ریشم جائز کیا ہے۔

ظاہر ہے جو صورت مسئلہ ریشم کے ساتھ وابستہ ہے وہ الحجر (زنا) کے ساتھ نہیں اور اسی طرح جیسی حرمت خمر کے متعلق ہے وہ معازف کے ساتھ نہیں۔ معازف کوئی سمندر تو ہے نہیں جو ناپاک شے کو پاک کر دے۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ ایک کنواں ہے جس میں ناپاک چیز مل جائے تو خود بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پلیدی اس سے الگ رہے تو اسے محض اس لئے زہریلا کیوں مان لیا جائے کہ یہ زہر ملنے سے زہریلا ہو جاتا ہے۔

پھر ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس حدیث کے آگے کیا ارشاد ہے۔ آگے یہ ہے کہ ایک قوم پہاڑ کے دامن میں آئے گی۔ ان کے مویشی چر کے واپس آئیں گے۔ ایک دن آدمی ان کے پاس کسی ضرورت سے آئے گا وہ کہیں گے کہ کل آنا۔ پھر ان لوگوں کو رات کو سلا دیا جائے گا اور پہاڑ ٹل جائے گا اور دوسرے قیامت تک کے لئے بدر اور سور ہٹا دیئے جائیں گے۔

اگر فی الواقع باجے اس حد تک حرام ہیں اور لوگوں نے اپنی بد بختی سے اسے حلال سمجھ لیا ہے تو اس کے بعد کے تمام واقعات بھی پورے ہونے

چاہئیں۔ کون سا پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے؟ اور کونسی قوم مسخ ہو کر بندر اور سوربن گئی ہے؟ ان سب باتوں کی تاریخی شہادت بھی پیش کرنی چاہئے۔ اگر ان باتوں کی کوئی توجیہ کی جائے تو حرمت مزامیر کی بھی ویسی ہی تاویل و توجیہ کچھ دشوار نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محض کسی کتاب یا روایات حدیث میں کسی بات کا درج ہونا اس کی سو فیصد صحت کی ضمانت نہیں۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ پہلے انسان ساٹھ گز کے ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ تعمیر کعبہ اور تعمیر بیت المقدس میں فقط چالیس سال کا فرق ہے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے تھے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ بندروں نے ایک زنا کرنے والی بندریا کو سنگسار کیا اور راوی (عمرو بن میمون) نے بھی سنگسار کرنے میں شرکت کی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بخاری اور دوسری کتب احادیث کی ان روایات صحیحہ کو نہ مانا جائے جن سے حضورؐ کا اور صحابہؓ کا گانا اور دف سنا ثابت ہے اور اس روایت کو مان لیا جائے جس میں زنا اور غنا کو ایک صف میں رکھ دیا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو بھی تو اس کا مفہوم وہی ہے جو نواب صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تمام چیزوں کی مجموعی کیفیت ہے نہ کہ محض ایک فرد کی حرمت کا اظہار۔ اس روایت کا انداز اور سیاق و سباق ہی کچھ ایسا ہے جس کی وجہ سے ابن حزم وغیرہ نے اسے قابل استناد قرار دیا ہے اور اس کا شمار بھی ان ہی احادیث میں کیا ہے جو نہ صحیح ہیں اور نہ متصل۔ اوپر ہم متعدد جگہ محدثین کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

صاحب ہدایہ کی طرح صاحب فتاویٰ تارخانیہ، قستانی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ وغیرہم مطلقاً حرمت سماع کے قائل ہیں اور ان سب کا استناد بھی اسی قسم کی غیر صحیح منکر اور موضوع روایات پر مبنی ہے۔ ہم ان سب تفصیلات کو

اس وقت نظر انداز کرتے ہیں۔ ”قیاس کن ز گلستان من بہار مرا“ اوپر کی چند مثالوں سے باقیوں کو قیاس کر لینا دشوار نہیں۔

### پانچویں حدیث حرمت

بعض لوگوں نے حرمت غتا و مزامیر کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی

ہے:

حدثنا عبد الله ثني ابى ثنا يزيد ابنا نافع بن فضالة الحمصى عن على بن يزيد عن القاسم عن ابى امامة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان الله عز وجل بعثنى رحمة و هدى للعلمين و امرنى ان الحق المزامير و الكفارات يعنى البرابط والمعازف والاوتان التى كانت نعب فى الجاهلية الخ۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷)

بہ سند مذکور ابو امامہ حضورؐ کا یہ فرمان بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں سازوں اور کفارات یعنی بربطوں اور ہاجوں کو اور ان بتوں کو جن کی جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی مٹا دوں۔

یہ روایت صاحب مشکوٰۃ نے بھی نقل کی ہے اور چند لفظوں کے فرق سے یہی مضمون ابو داؤد طیالسی نے بھی ابو امامہ ہی سے روایت کیا ہے۔ سند کی اسناد میں ایک شخص علی بن یزید الہامی ہے۔ اس کے متعلق مختلف اقوال رجالیین بھی سنئے:

۱۔ ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف (تقریب التہذیب)

۲۔ قال حرب عن احمد هو دمشقى كانه ضعفه۔ حرب نے احمد کی

زبانی اسے اس انداز سے دمشق بتایا جیسے اسے ضعیف بتا رہے ہوں۔  
(تہذیب التہذیب)

۳۔ قال یحییٰ بن معین "علی بن یزید واہی الحدیث کثیر المنکرات"۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ علی بن یزید کی حدیث ناقابل اعتبار ہے اور یہ بیشتر منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ (ایضاً)

۴۔ قال البخاری منکر الحدیث ضعیف۔ امام بخاری کہتے ہیں یہ منکر الحدیث اور ضعیف ہے۔ (ایضاً)

۵۔ قال الترمذی ضعیف فی الحدیث۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث میں ضعیف ہیں۔ (ایضاً)

۶۔ قال النسائی لیس بشیئہ۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں۔ (ایضاً)

۷۔ ابن حجر کی غنا کی حرمت کے قائل ہیں۔ مگر اس روایت کو وہ بھی اپنے رسالے کف الرعاع میں ضعیف بتاتے ہیں۔ پھر ایک اور لطف کی بات ملاحظہ ہو۔ صرف علی بن یزید ہی اکیلا نہیں جسے اس سند مذکور میں ضعیف اور منکر الحدیث کہا گیا ہو، ایک راوی اور بھی تقریباً ایسا ہی ہے یہ ہے فرن<sup>۱</sup> فضلہ حمصی۔

اس کے متعلق چند رائیں سن لیجئے۔

۱۔ قال ابن ابی خیشمۃ عن ابن معین ضعیف الحدیث۔ یحییٰ بن معین اسے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب لابن معین ج ۸ ص ۲۱۱)

۲۔ وقال البخاری و مسلم منکر الحدیث بخاری و مسلم کہتے ہیں۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (ایضاً)

۳۔ وقال النسائی ضعیف۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (ایضاً)  
اب اس کا فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ اس قسم کی روایات سے صرف غنا و مزامیر کا استدلال کرنا کس حد تک صحیح ہے۔



## چھٹی حدیث حرمت

بیہقی و ابو داؤد نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے :

الکونہ حرام والدف حرام والمعازف حرام۔

زرد، دف اور معازف سب حرام ہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت عقود الجواہر المنینہ جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ابو حنیفہ

عن مسلم بن عمران عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت ہے :

ان الله كره لكم الخمر والميسر والمزمار والکونۃ و

الدف۔

اللہ نے تمہارے لئے شراب، جوا، باجا، زرد (یا شطرنج) اور

دف سب کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

ہم ان دونوں روایتوں کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں :

(الف) اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو ان روایات کی کیا توجیہ کی جائے گی

جن سے خود حضورؐ کا متعدد بار دف سننا ثابت ہے ؟

(ب) اور اس حدیث کو کدھر لے جایا جائے گا جس میں حضورؐ نے

فرمایا ہے اعلنوا النکاح بالدفوف (دف بجا کر نکاح کا اعلان کیا کرو)

اور فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت (حرام و حلال

نکاح میں فرق کرنے والی چیز دف اور گانا ہے)۔

(ج) اور ان بے شمار صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، مجتہدینؒ، ائمہؒ، علماءؒ

صلحاءؒ، قضاةؒ، صوفیہؒ، عرفاء کے متعلق کیا حکم لگایا جائے گا جن سے دف

اور غنا ہلکہ دوسرے معازف و مزامیر کا سننا بتواتر ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات اگر صحیح ہیں تو ان کا مقصد ہی مجموعی شکل

و صورت ہے جہاں زنا، شراب اور جوئے وغیرہ کے ساتھ گانا بجانا اور ناچ رنگ بھی ہوتا ہے۔ جس کی تشریح ہم اوپر کر آئے ہیں ورنہ ان تمام روایات کا شمار ان ہی کی احادیث میں ہے جن کو ابن حزم، شوکانی، شیخ عبدالحق، محمد بن طاہر مقدسی، عبد الغنی، ابن عبد البر، کمال الدین او فوی، نووی، ابو بکر بن العربی، نواب صدیق حسن خان اور بے شمار محدثین ضعیف منکر یا موضوع کہتے ہیں۔ یہ سب اقوال ہم گذشتہ صفحات میں جا بجا نقل کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں وہ فقہاء بھی جو صاحب ہدایہ، صاحب بدائع الصنائع، قاضی خاں وغیرہم کی طرح متشدد نہیں۔ مثلاً یعنی، ابن الہمام، صاحب عنایہ، صاحب نہایہ، طحاوی، شامی، سرخسی وغیرہم اسی غنا کو ناجائز بتاتے ہیں جو لوہے وابستہ ہو اور لوہے کی تشریح ہم گذشتہ صفحات میں علامہ عبد الغنی نابلسی کی زبان سے کر چکے ہیں۔

### علامہ عبد الغنی نابلسی کی ایک اور تصریح

علامہ عبد الغنی نابلسی کی زبان سے کچھ اور بھی سنئے جو انھوں نے اپنے رسالہ سماع ایضاح الدلالات فی سماع الالات میں لکھا ہے۔ اس عبارت میں انھوں نے بات صاف کر دی ہے کہ جن فقہاء نے بھی غنا یا مزامیر کو مکروہ یا حرام کہا ہے وہ سب قید لوہے سے مقید ہیں۔ اور جہاں اطلاق نظر آئے وہ بھی مقید ہی پر محمول ہو گا۔ علامہ نابلسی لکھتے ہیں:

فان قال القائل من الجهلة: نحن لا نعتبر هذا التفصيل  
الذی ذکرته وانما نأخذ بما ذکره الفقهاء فی کتبہم من  
تحریم سماع الالات مطلقا حیث لم یصرحوا بهذا  
التفصیل الذی ذکرته، قلنا فی الجواب: عدم اعتبارک  
انت ایہا الجاہل السیئی الظنون بامۃ محمد صلی اللہ

عليه وسلم لا يظعن في الحق شيئاً ونحن ما منعنا هذا الكلام لك ولا مثالك بل التقييد موجود في صريح عبارات الفقهاء في كتبهم عند من يفهمها ويفهم على ما ذا بنوها ويعرف قيودها كما قد مناه من معرفة الاصلين المشروطين في فهم فروع المذاهب على ما هي عليه فإنا لم نجد عبارة من عبارات فقهاء مذهبنا ولا غيرهم فيها النص على تحريم سماع الآلات المطربة الا وفيها قيد اللهو فيقول "سماع الملاهي او كل لهو" لو نحو ذلك مما ذكرناه في ما سبق حتى لو فرضنا وجود ذلك في كتاب من كتب الفقه في مذهبنا او في مذهب غيرنا فيه تحريم سماع الآلات والطبور ونحوه وليس فيه قيد اللهو حكمنا ان مراد قائلها اذا كانت لاجل اللهو بدليل التقييد في بقية العبارات كلها وفي صريح الاحاديث والايخبار الواردة بذلك حتى ان الاحاديث المطلقة من غير ذكر اللهو وجدناها مقيدة بذكر الخمر والقينات ونحو ذلك وبعضها لم يقيد بذلك ولكن استثنى العلماء منها اشياء باحاديث اخرى والاستثناء ونقيد - وما يؤيد هذا التفصيل الذي ذكرناه السؤال والجواب الصادر من العلامة المرحوم شيخ الاسلام عبدالرحمن آفندي العلمادي مفتي السادة الحنفية بدمشق المحمية سابقا رحمه الله فانه سئل عن حكم السماع بالآلات فاجاب بما صورته: الحمد لله قد حرره من لا يعترض

عليه لصديق مقالته وإباحته من لا ينكر عليه لقوة حاله فمن وجد في قلبه شيئا من نور المعرفة فليستقدم والا فالوقوف عند ما حده الشرع الشريف اسلم - والله اعلم - وكذلك اجاب بهذا الجواب ايضا العلامة شيخ الاسلام الشيخ خير الدين الرملي الحنفى كما هو مذكور في كتابه الفتاوى الخيرية وفقه الحنفية فانظر لهذين الفقيهين العالمين الورعين المطلقين على فروع الفقه واصوله الواقفين على مقصود الشريعة ومبنى احكامها مع وجودهما في زمين اخير لا يكاد يوجد فيه الواحد من اهل الانصاف من علماء الشريعة اصحاب الظنون الحسنة بامة محمد صلى الله عليه وسلم حيث اجابا في هذه المسئلة بالتفصيل ولم يطلقاني الجواب كاطلاق غيرهما من اكثر المعاصرين لهما من جهلة المتفقهة القاصرين لان الاطلاق في موضع التفصيل خطأ - و حيث انصافا رحمهما الله و اشارا بقولهما فمن وجد في قلبه شيئا من نور المعرفة فليستقدم الى نور المعرفة لم يفقد من الارض وان واجد ذلك موجود الى يوم القيمة ان شاء الله تعالى على العكس مما هم عليه الا ان فقهاء زماننا هذا من انكار وجود مثل ذلك في هذا الزمان و حجودهم مقامات الناس و راتبهم عند الله تحكمهم بنيا نهم الخبيثة على غيرهم ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم - وغاية اسند لال القاصرين على اطلاقهم

الحرمة فى ذلك بمثل الرسالة التى صنفها الشيخ ابن حجر الهيتمى الشافعى التى سماها كف الرعاع و ذكر فيها احاديث و اخبارا مقيدة بذكر الملاهى و الخمر و القينات و بعضها غير مقيدة بذلك لكن يراد بها ذلك ثم ذكر اقاويل العلماء فى ذلك من قال بالحل و من قال بالحرمة و من فصل و خلاصتها و زيدتها التفصيل و لكن الجاهلون لا يفهمون و لو تأملوا اسمها الذى سماها به رحمه الله لكفاهم فانه سماها كف الرعاع لان السماع لا يحرم الاعلى الرعاع من الناس و هم الجاهلون الخبيثون القاصرون و ليس اهل الدنيا عنده كلهم رعاعا حتى يكون مراده اطلاق الحرمة فى حقهم و ربما يقال للجاهلين المطلقين هل يحرم عندكم سماع الطيور المفردة فوق الاغصان فان ذلك مطرب غاية الطرب يحرك صبوة الانسان؟ فان قالوا احرام ايضا<sup>١</sup> حكمتنا بجنونهم فضلا عن جهلهم و افترائهم على الله تعالى فى احكامه و ان اباحوا ذلك نقول لهم فكذلك الالات المطربات بجميع انواعها<sup>٢</sup> فان قالوا الالات المطربات يستخرج الاصوات المطربة منها بنو آدم بالقصد و الاختيار قلنا لهم و كذلك السامع للاطيار بقصد سماعها بالقصد و الاختيار لا يحرم عليه مثل ذلك (ايضاح الدلالات فى سماع الالات مطبوعه و مشق ص ٢٣ ٢٥٤)

(ترجمہ) اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ ”ہم تمہاری بیان کردہ

تفصیل کو نہیں مانتے بلکہ اسے اختیار کرتے ہیں جو فقہانے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور انھوں نے ہاجوں کو حرام لکھا ہے، اور وہ تفصیلات نہیں لکھی ہیں جو تم بیان کرتے ہو۔“ تو میرا جواب یہ ہے کہ تم جاہل ہونے کے علاوہ امت محمدیہ کے ساتھ سوئے ظن بھی رکھتے ہو، اور تمہارے نہ ماننے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے تمہارے جیسوں کے لئے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ ہماری من گھڑت چیز نہیں۔ لو کی قید فقہاء کی عبارتوں اور کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن اس کے لئے جو اسے سمجھتا ہے اور جو ان کی کتابوں کی عبارات کا فہم رکھتا ہے، نیز ان کے بنائے استدلال سے واقف ہے اور ان قیود کو جانتا ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں مختلف مدارس خیال (مذہب) کے فروع کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے سے مستبط ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ہم نے حنفی اور غیر حنفی فقہاء کی جتنی عبارتیں دیکھی ہیں، ان میں سماع مزامیر کی حرمت کے ساتھ ہر جگہ لو کی قید لگی ہوئی ہے۔ ہر فقہ ”ملاہی کا سننا“ یا ہر ”لو“ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ ہم یہ تفصیل اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ کسی حنفی یا غیر حنفی کی کتاب فقہ میں لو کی شرط کے بغیر ہی مزامیر یا طہورے کی حرمت کا ذکر ہے، تو ہم یہی فیصلہ دیں گے کہ کہنے والے کا مقصود وہی ہا ہے جو لو کی غرض سے ہوں، اور اس کی دلیل وہ قید لو ہے جو فقہاء کی تمام دوسری عبارتوں میں بھی موجود ہے اور اس سلسلے کی تمام

احادیث و روایات میں بھی صراحہ ”موجود ہے۔ یہاں تک کہ جن احادیث میں لو کا ذکر نہیں وہاں شراب اور لونڈیوں وغیرہ کا ذکر ہے اور بعض روایات میں جہاں اس قید کا ذکر نہیں وہاں علمائے حدیث نے دوسری احادیث سے چند مواقع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ استثنا نقیید ہی کا ثبوت ہے۔ ہماری ان تصریحات کی تائید اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو شیخ الاسلام علامہ عبدالرحمن آفندیؒ (دمشق کے مفتی احتاف) نے کسی کے سوال پر دیا تھا۔ ان سے کسی نے مزامیر سننے کے متعلق فتویٰ پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اسے ان لوگوں نے حرام سمجھا ہے جن پر ان کے صدق قتال کی وجہ سے کوئی طعن نہیں کیا جاسکتا اور حلال بھی ان لوگوں نے سمجھا ہے جن پر ان کے قوی الحال ہونے کی وجہ سے کوئی نکیر نہیں کی جاسکتی۔ پس جو شخص اس سے اپنے دل میں کوئی نور معرفت پاتا ہو، وہ دوسرے قدم پر دعائے درنہ شریعت کی مقررہ حدود کے پاس آکر ٹھہر جانا زیادہ ہامٹ سلامتی ہے۔

شیخ الاسلام خیر الدین ربلی حنفی نے بھی یہی جواب دیا تھا جیسا کہ ان کی کتاب فتاویٰ خیریہ میں مذکور ہے۔ اب ان دو قیثوں کو دیکھئے جو عالم بھی ہیں اور عامل و متقی بھی، فقہ کے اصول و فروع سے بھی آگاہ ہیں، شریعت کے مقصود اور احکام کی بنیاد سے بھی واقف ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں ایسے آخری دور میں ہوئے ہیں جس میں کوئی ایسا صاحب انصاف عالم دین نظر نہیں آتا جو امت محمدیہ کے ساتھ حسن ظن بھی رکھتا ہو۔ تاہم ان دونوں بزرگواروں نے اس مسئلے کے متعلق جو مفصل جواب دیا ہے، اس میں سماع آلات کو اس طرح

مطلقاً "حرام نہیں کہا ہے جس طرح ان دونوں کے اکثر ہم عصر نادان و تنگ نظر متقیین نے کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تفصیل و تنقیید کے موقع پر اطلاق کو باقی رکھنا غلطی ہے۔ ان دونوں نے انصاف سے کام لیتے ہوئے ہی اشارہ کیا ہے کہ جو مزامیر سے نور معرفت اپنے دل میں پائے وہ اس کی طرف قدم اٹھائے۔ ایسے نور معرفت حاصل کرنے والے دنیا سے مفقود نہیں ہوئے ہیں بلکہ موجودہ دور کے لوگوں کے برخلاف ایسے اصحاب حال انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ہاں ہمارے دور کے فقہا اپنے زمانے میں اس قسم کے لوگوں کے وجود ہی سے انکاری ہیں اور ان کا جو مرتبہ و مقام عند اللہ ہے اس کے منکر ہیں اور اپنی خبیث نیتوں کی وجہ سے دوسروں پر کچڑا اچھالتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ مزامیر کے متعلق حرام بتانے والے کم علموں کا سب سے بڑا استدلال شیخ ابن حجر بیہمی شافعی کا رسالہ "کف الرعاع" جیسی کتابیں ہیں، حالانکہ اس رسالے میں جہاں مطلق احادیث ہیں وہاں ایسی حدیثوں اور روایتوں کا بھی ذکر ہے جس میں لبو، شراب اور لونڈیوں کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس لئے مطلق احادیث سے بھی یہی تنقیید مراد ہوگی۔ ابن حجر نے اپنے رسالہ مذکور میں علماء کے مختلف اقوال بھی درج کئے ہیں کہ بعض اہل علم اس کی حلت کے قائل ہیں اور بعض حرمت کے اور بعض قیود و تفصیل کے، مگر بے علم لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اس رسالے کے نام ہی پر غور کر لیتے جو ابن حجر بیہمی نے لکھا ہے تو ان کے لئے کافی ہوتا کیونکہ سماع مزامیر صرف رعاۃ الناس کے لئے حرام ہے یعنی جاہل کمینوں کے لئے۔ بیہمی کے نزدیک ساری دنیا کمینہ اور گری ہوئی نہیں جو سارے لوگوں کے لئے اس کا مطلقاً حرام ہونا ان کا مقصد ہو۔ جو لوگ اسے مطلقاً "حرام" کہتے ہیں ان سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کی چمک سننا بھی تمہارے نزدیک حرام ہے جو شاخوں پر بیٹھی ہوتی ہیں؟ یہ بھی تو غایت درجے کی مطرب و نغمہ نواز ہوتی ہیں اور انسان کے



میلان حیوانی میں تحریک پیدا کرتی ہیں؟ اگر وہ اس کا جواب اثبات میں دے (یعنی چڑیوں کی چمک کو حرام کہے) تو ہم اسے صرف جاہل اور مفتی علی احکام اللہ ہی نہیں کہیں گے بلکہ اسے پاگل بھی کہیں گے اور اگر وہ اسے (پرندوں کی چمک کو) جائز و مباح بتائے تو ہم کہہ دیں گے کہ تمام قسم کے مطرب و نغمہ نواز آلات و مزامیر کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مزامیر سے تو انسان اپنے ارادہ و اختیار سے آوازیں پیدا کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ پرندوں کی چمک سننے والا بھی اپنے ارادہ و اختیار ہی سے سنتا ہے لہذا جب وہ اس کے لئے حرام نہیں تو یہ بھی نہیں۔“

امام عبدالغنی نابلسیؒ کی اس طویل عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ جتنی احادیث غناد مزامیر کی مطلق حرمت سے متعلق ہیں وہ دراصل دوسری احادیث سے مقید ہیں جس طرح قرآن پاک میں یہ اصول مسلم ہے کہ الایات یفسر بعضها بعضا (ایک آیت خود ہی دوسری آیت کی تفسیر کر دیتی ہے) اسی طرح احادیث کا بھی یہی اصول ہے کہ: الاحادیث یفسر بعضها بعضا (حدیثیں بھی ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہیں) پس مطلق احادیث کو مقید احادیث کے پہلو میں رکھ کر کوئی حکم لگانا چاہئے ورنہ یہ اس لا تقربوا الصلوٰۃ جیسا معاملہ ہو گا جس کے بعد وانتم سکارى نہ پڑھا جائے۔ گویا یوں کہئے کہ مطلق طور پر نہ گانا حرام ہے نہ باجا۔ یہ اس وقت حرام ہے جب یہ دوسرے سفلی محرکات کا جز بنے یا غیر ثقہ سوسائٹی میں اس کا غلط استعمال ہو یا یہ لوہے کے طور پر ہو۔ لوہا کا مطلب اوپر گزر چکا ہے کہ اس کا مطلب فرائض و واجبات سے غفلت ہے یا مکروہات میں مبتلا ہونا۔ اگر یہ نہ ہو تو محض دل بہلانے یا غم غلط کرنے کے لئے، اظہار مسرت کے لئے، تفریحات کے لئے، اعلان نکاح وغیرہ کے لئے، گانا بجانا کوئی لمہ نہیں، بلکہ سنت ہے، حضورؐ کی بھی اور صحابہ و تابعین کی بھی۔ اور ان محدثین و فقہاء و فقہاء کی بھی جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ

اور فقرو و رویشی پر توازن کے ساتھ اجماع امت رہا ہے، بلکہ (جیسا کہ ہم زیر نظر کتاب میں شامی اور ربلی اور قاضی پانی پتی وغیرہ کا قول لکھ چکے ہیں) بعض اوقات اعلیٰ مقاصد رکھنے والے مخصوص لوگوں کے لئے اس کا سننا مستحبات میں سے ہے۔ امام مالکؒ تو دف کو صحت نکاح کی شرائط میں داخل فرماتے ہیں۔ دیکھئے رسالہ قاضی پانی پتی ص ۸۔

امام عبدالغنی حنفی نابلسی کی ایک تصریح سماع کے سلسلے میں بہت قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں کہ غنا کے مضامین میں زہد ہو یا معین و غیر معین غزل ہو، نغمہ ہو یا نہ ہو، صرف غنا ہو یا صرف ساز، دف ہو یا دیگر مزامیر، دف میں جھانجھ ہو یا سادی دف ہو، شادی ہو یا ولیمہ، عید ہو یا کسی کا استقبال، ذکر و تہلیل کے ساتھ ہو یا ورود کے ساتھ، اکیلا اپنے گھر میں ہو یا مسجد میں، اہل علم و صلحاء کا مجمع ہو یا دوسروں کا، بالقصد ہو یا بلا قصد، لوگوں کو خاص وقت میں جمع کر کے ہو یا غیر معین وقت میں۔ مردوں کے لئے ہو یا عورتوں کے لئے یا ان میں سے کسی ایک کے لئے، ان سب کا نام سماع ہے۔ اور شرع میں سب کا حکم ایک ہی ہے۔ (احقاق حق صفحہ ۱۱ مولانا عبدالباری فرنگی علی)

### چند صالحین

یہ بات کہ بعض صلحاء امت کی صالحیت پر اجماع امت رہا ہے اور انہوں نے بعض اصحاب حال کے لئے غنا و مزامیر کو مستحبات میں شمار کیا ہے، ہم نے یوں ہی نہیں لکھ دی ہے۔ چند کا تو ذکر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کچھ اور بزرگوں، صوفیوں اور درویشوں کا ذکر بھی سنئے۔ مگر ایک ضروری بات یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ بعض کوتاہ نظر ناواقف اور سطحی علم رکھنے والے کم سواویہ سمجھتے ہیں کہ صوفیائے کرام اہل علم نہیں ہوتے۔ وہ نہ فقیہ ہوتے ہیں نہ محدث، نہ اویب نہ مفسر، بس صرف شیخ چلانے والے، مراقبہ کرنے والے،

مصنوعی مقدس بزرگ ہوتے ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ بے علم گدی نشینوں اور رسمی چر زادوں کو دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے لیکن بزرگوں کے ان استخوان فروش مجاوروں کو دیکھ کر سب کو ایسا سمجھ لینا درست نہیں۔ صحیح صوفی وہی ہے جو علوم و فنون کے کمال کے ساتھ تزکیہ نفس کے طریقوں سے بھی واقف اور اس پر عامل ہو۔ ایسے بزرگوں کی کمی نہیں۔ ہر دور میں ایسے خدا رسیدہ علماء، فقہاء اور محدثین ہوتے رہے ہیں۔ ہم یہاں چند ایک کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ ان بلند پایہ حضرات کا سماع کے متعلق کیا خیال ہے:

مثلاً

### حضرت ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی

یہ اکابر محدثین و محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ طبقات شافعیہ از البیہقی، تاریخ ابن خلکان، مراءۃ البیان للامام الیافعی اور کتاب الانساب للسمطانی آپ کے تبحر علمی، حدیث دانی، تہقہ اور مناقب روحانی سے پر ہیں۔ آپ مدقوں مدرسہ نظامیہ بغداد کے پرنسپل رہے ہیں۔ روحانی دنیا میں سلسلہ شہابیہ سہروردیہ اور سلسلہ کبردیہ فردوسیہ کے سرخیل ہیں۔ قاضی خاں (م ۵۹۲) اور صاحب ہدایہ (م ۵۹۳) نے آپ کا آخری زمانہ پایا ہے۔ اگرچہ لقائے صوری نہ ہو سکی۔ آپ نے اپنی کتاب ”آداب المریدین“ میں سماع بلکہ وجد و رقص پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے خاص آداب و شرائط کے ساتھ آپ نے اسے مباح قرار دیا ہے اور کتاب و سنت اور اقوال سلف سے اسے ثابت کیا ہے۔ پھر بعض مشائخ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ اہل حقیقت و معرفت کے لئے مستحب ہے۔ اہل تقویٰ کے لئے صرف مباح ہے۔ اور اہل نفس کے لئے مکروہ۔ تواجد و رقص کے ذکر میں حضرت جعفر طیار کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو بیہقی اور ابو داؤد

مسند احمد وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ جب حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اشبہت خلقی و خلقی (تم تو صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو) تو جعفر طیار جل یعنی دور کرنے لگے۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض کو سماع سے خشیت و حزن اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے تو وہ گریہ و بکا کرتے ہیں۔ بعضوں کو انبساط ہوتا ہے تو وہ رقص طرب کرنے لگتے ہیں۔

### شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی

فقیر اللہ نے اپنی کتاب ”راگ درپن“ میں شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی سروردی کو ماہرین موسیقی میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امیر خسرو کی طرح آپ نے بھی کئی راگ راگنیاں ایجاد کی ہیں۔ ”ملتانی دھنا سری“ آپ ہی کی ایجاد کردہ ہے جس میں ”ماسری“ اور ”دھنا سری“ کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے ”چھند“ کے طرز پر کئی نغمے ایجاد کئے جن میں حمد الہی، عشق اور بندگی کے طریق پر عجز و انکسار کی کیفیت بیان کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گڑ گاؤں کے تمام میراثی آپ کو اپنا پیر مانتے ہیں۔ (اقتباس مضمون ڈاکٹر مولوی شفیع مرحوم مطبوعہ ماہنامہ ”آستانہ زکریا“ ملتان ۵۹ء صفحہ ۱۸-۱۹)

میراگمان ہے کہ راگ ملتانی کا انتساب بھی کچھ اسی مضمون کی غمازی کرتا ہے۔

اس اباحت و استجاب کے باوجود آپ کے سلسلے میں بہت سے شیوخ طریقت ایسے بھی گذرے ہیں جو سماع سے پرہیز کرتے تھے، کیونکہ یہ ان کے ذوق کے مطابق نہ تھا۔ اور اس سے وہ کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کر سکتے تھے۔ آپ کے حلقہ ارادت میں بیٹھنے والے علما دین میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ ان میں سماع سے پرہیز کرنے والے اور سماع میں شرکت کرنے والے دونوں طرح کے لوگ تھے۔ مثلاً

## حضرت نجم الدین کبرئی

یہ شافعی محدث و فقیہ ہیں۔ ابن شبہ اور امام سبکی کی طبقات شافعیہ میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ سروردیہ کبرویہ طریقے کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ مسند خوارزمی کے شروع میں بھی آپ کا ذکر خیر ہے، آپ مسند امام اعظم کے جامعین میں ہیں۔ اپنے وفور علم و تقویٰ کے باوجود صاحب سماع و وجد تھے۔ نغمات الانس کے بیان کے مطابق آپ کو پہلا روحانی فیض عین حالت سماع میں ہی حاصل ہوا تھا۔ اس وقت آپ امام بغوی کی شرح السنۃ پڑھا کرتے تھے۔

## شیخ بدر الدین سمرقندی

یہ بھی سلسلہ کبرویہ کے اکابر علمائے خفیہ میں سے ہیں۔ صاحب سماع و وجد تھے اور چنگ سنتے تھے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ:

مجھے بود و در آں مجلس درویشان و عزیزان بودند و شیخ بدر الدین سمرقندی خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزی ہم بود و در آں مجلس سماع چنگ آغاز کردند۔ شیخ بدر الدین در سماع رقص کرد و از غایت ذوق و شوق دستار مبارک خود کہ از صوف پوشیدہ بود بر سر چنگی نہاد و چوں مجلس آخر شد عزیزے بخدمت شیخ بدر الدین گفت چہ رقص کردید؟ شیخ بدر الدین ایں سخن شنید و ایں بیت خواند۔

مارا بزدے و چنگ ما بکستے فردا بکند خمار امشب مستے

(ترجمہ) یعنی ایک محفل منعقد ہوئی جس میں فقراء اور معززین شریک ہوئے۔ شیخ بدر الدین سمرقندی بھی جو شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ تھے وہاں موجود تھے۔ جب محفل میں چنگ بجنے لگا تو شیخ بدر الدین نے سن کر رقص کرنا شروع کر دیا اور غایت ذوق و شوق میں اپنی اونی دستار شریف چنگ بجانے والے کے سر پر رکھ دی۔ محفل ختم ہونے کے بعد ایک معزز شخص نے ان سے پوچھا کہ

حضرت یہ آپ رقص کیا فرمانے لگے تھے؟ انہوں نے یہ سن کر صرف یہ شعر پڑھا جو اوپر لکھا ہے۔

### شیخ سیف الدین باخرزی

یہ شیخ بدر الدین سمرقندی کے مرشد اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے اجل خلفائے ہیں۔ یہ بھی مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ امام یافعی محدث نے (جن کا ذکر طبقات السنوی اور درر کامنہ میں بھی ہے) اپنی نشر المحاسن جلد اول صفحہ ۱۸۹ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ بخارا کے قاضی اور دیگر فقہاء نے آپ سے سماع کے بارے میں مناظرہ کیا اور آخر کار لا جواب ہو کر سب کے سب خود صاحب سماع و رقص ہو گئے۔ انتہی مختصراً۔

ان کے علاوہ قاضی منہاج الدین جوزجانی (صاحب طبقات ناصری) اور قاضی حمید الدین ناگوری بھی مزامیر کے ساتھ غنا سنتے تھے۔ سیر الاولیاء، سبع سنابل (میر عبد الواحد بلکرای) اور اخبار الاخیار وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

### حضرات خواجگان چشتی

حضرات چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں:

آپ کی محفل میں شیخ شہاب الدین سروردی، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد صفہانی، شیخ برہان الدین چشتی، مولانا بہاؤ الدین بخاری، مولانا محمد بغدادی، خواجہ اجل سنجر، شیخ سیف الدین ماجوزی، شیخ احمد بن محمد اصفہانی، شیخ جلال الدین تہریزی، شیخ اوحہ الدین، شیخ احمد واحد، شیخ برہان الدین غزنوی، خواجہ سلیمان، خواجہ عبد الرحمن اور بغداد کے بہت سے مشائخ کبار شریک ہوتے تھے۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۳)

حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی خواجہ غریب نواز کے بارے میں فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام خواجہ معین الحق و الملت و الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ: سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔  
الذین یسمنعون القول فینبعون احسنہ لولک الذین ھداهم اللہ و لولک ھم لولوا الالباب۔ اس میں حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات میں ہوتی ہیں کسی کی ذات میں مبدل ہو جاتی ہیں اور اس کے دل پر انسانی خصلتوں کا استیلا ہو جاتا ہے تو عشق غالب ہوتا اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت اسرار باطنی کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور جب اسرار باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے تو اس ذوق میں رقص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ”مگر عروس سبز پوش مرا روئے نماید“ لا جرم طاؤس دل در رقص آید“ (مفتاح العاشقین ص ۲۲)

حضرت قطب الدین بختیار کاکی صرف صاحب وجد و سماع ہی نہ تھے بلکہ آپ کی رحلت بھی حالت سماع و وجد میں ہوئی تھی۔ (۴۱)

بابا فرید الدین گنج شکر اور آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت بدر الدین سلیمان اور شیخ شہاب الدین گنج علم حنفی فقہا ہونے کے باوجود سماع سنتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا صاحب سماع ہی نہ تھے صاحب رقص و وجد بھی تھے۔ ایک بار آپ کو (بہ عمد غیاث الدین تغلق) عدالت کے کٹہرے میں بلایا گیا کہ جواز سماع کو ثابت کریں۔ آپ نے صحاح و سنن کی چند احادیث پیش کیں۔ اس پر قاضی نے کہا آپ تو حنفی ہیں، امام ابو حنیفہ کا قول پیش کیجئے۔ اس پر آپ کو جلال آگیا اور فرمایا: اس قوم پر کیوں نہ خدا کا عذاب آئے جس کے سامنے میں حدیث پیش کرتا ہوں اور وہ ابو حنیفہ کا قول مانگتی ہے۔ (سیر الاولیاء)

حضرت سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں: ”فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود۔“ یعنی مجھے روحانی کشود اکثر تلاوت قرآن میں ہوا ہے یا سماع میں۔ آپ کے مسترشدین میں استاذ الاساتذہ ملا شمس الدین یحییٰ صاحب سماع تھے۔ ان کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

سألت العلم من أحباك حقاً فقال العلم شمس الدين يحيى  
میں نے علم سے پوچھا: تجھے سچ کس نے زندہ کیا؟  
اس نے کہا: شمس الدین یحییٰ نے۔

ان ہی مسترشدین میں ملا فخر الدین زراوی حنفی (صاحب رسالہ اصل الاصول حافظ ہدایہ و اصول بزدوی) اور قاضی محی الدین کاشانی حنفی اور ملا حسام الدین ملتانی وغیرہ بھی ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی محافل میں عموماً ”مزامیر نہ ہوتے تھے، لیکن مسترشدین میں بعض مزامیر بھی سنتے تھے، اور بعض صرف گانا سننے سے بھی احتیاط کرتے تھے۔ اسی دور کے ایک بہت بڑے حنفی فقیہ علامہ برہان الدین محمود بلخی بھی تھے جنہوں نے صاحب ہدایہ کو بھی دیکھا تھا اور ان کی دعاؤں سے مستفیض ہوئے تھے۔ یہ چنگ سنتے تھے جیسا کہ سیر الاولیاء میں ہے۔

سیر الاولیاء ہی میں مولانا علم الدین حنفی (نبیرہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی) اور سلطان غیاث الدین تخلق کی ایک گفتگو یوں نقل کی گئی ہے:

(۴۲)

”تو در بغداد و شام و روم گشتہ مشائخ آں دیار سماع ی شنوند یا نہ؟ و ایشاں را دریں کار کے مانع شود یا نہ؟ مولانا علم الدین گفت در ہمہ شہر ہا بزرگان و مشائخ سماع ی شنوند و بعضے بادف و شبابہ، کسے ایشاں را مانع نمی شود۔

یعنی آپ نے تو بغداد، شام اور روم کی سیر کی ہے۔ ان جگہوں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کو کوئی اس بات سے روکتا ہے یا نہیں؟



مولانا علم الدین نے کہا ان تمام شہروں میں بزرگان دین و مشائخ کرام سماع سنتے ہیں اور بعض دف اور شہنائی بھی سنتے ہیں اور کوئی بھی ان کو روکتا نہیں۔ (سیر الاولیاء ص ۳۵۰ ملخصاً)

مولانا علم الدین نے سماع کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام مقصدہ ہے۔

### حضرات نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ کی غالب اکثریت سماع سے، خصوصاً "مزامیر سے پرہیز کرتی ہے، لیکن کہیں کہیں ان میں بھی یہ ذوق پایا جاتا ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی حنفی کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ سلیمانہ پھلواڑی شریف کے کتب خانے میں ہے جس کا ایک جملہ یوں ہے:

استماع مزامیر پیش اکابر ما تقدم خیلے معتبر بودہ است۔

گزشتہ بزرگوں میں مزامیر کا سنتا خاصا معتبر مانا گیا ہے۔

رسحلت صفحہ ۶۵ نیز لطائف اشرفی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی نے بھی دف اور نے کے ساتھ گانا سنا ہے اور نیز آپ کے اجل خلیفہ حضرت خواجہ مسافر خوارزمی بھی سنا کرتے تھے۔

### مخدوم اشرف جمائگیر

حضرت مخدوم سید اشرف جمائگیر سمنانی سماع کے بڑے رسیا تھے۔ "لطائف اشرفی" میں بڑے زوروں پر لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

حضرت قدوۃ کبریٰ فرمودندہ حالتے کہ عارف را در سماع دست دہد و وقتیکہ سالک را در استماع نصیب گردد از صد چلہ حاصل نہ شود و از ریاضات شدیدہ واصل نہ بود۔

یعنی حضرت قدوۃ کبریٰ فرماتے ہیں کہ عارف کو سماع میں جو حالت کیف

حاصل ہوتی ہے اور سالک کو سماع سننے میں جو ساعت نصیب ہوتی ہے وہ سو چلوں اور سخت ریانتوں کے بعد بھی نہیں ملتی۔

نیز لطائف میں ہے کہ حضرت قدوة الکبریٰ فرمودند کہ بعض از طائفہ بفرضیت سماع قائل اند کالداء للنواء وبالنفحات تظہر مخاطبات الاسرار و بتحرک جذبات الانوار فان السماع محرک القلوب۔ مانند مریض برائے دوا و نغمائے ظاہری شود خطابائے راز ہا و متحرک می شود کششائے انوار۔ پس البتہ سماع حرکت و ہندۂ دہماست بسوئے واندۂ غیبائے چارہ عاشق دست و پا بریدہ جرعہ از جام محبت چشیدہ نلعت حصول کشیدہ و بہ دولت حصول رسیدہ می گوید کہ صوفیہ از نفحات طیبات ارواح بقرب یار مقرب می گرو و از استماع نفحات زاکیات اشباح را حضوری میسری باشد و آل شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز می گوید کہ وصول حق و رچیز ہائے بسیار جستم بغیر از سماع نفحات و مناظرہ صورتہائے زیبا نیا فتم۔ مارابت شبیہ الاورابت اللہ فیہ۔ ندیدم چیزے را مگر در حایکہ دیدم خدا را یعنی صفت خدا را در امر کہ حل متین ست محکم گرفتم

-----

(ترجمہ) حضرت قدوة کبریٰ فرماتے ہیں کہ بعض گروہ تو فرضیت سماع کے قائل ہیں، جیسے بیماری کے لیے دوا۔ نفوں میں سے اسرار کا مخاطبہ ہوتا ہے اور انوار کے جذبات حرکت میں آتے ہیں، کیونکہ سماع دلوں میں عالم غیب کی طرف (رغبت کی) تحریک پیدا کرتا ہے۔ (یہ فقیر) بے دست و پا عاشق جام محبت کا ایک گھونٹ پی کر جامہ عرفان پہن لیتا ہے اور معرفت کی دولت سے مالا مال ہو کر کہتا ہے کہ صوفیہ کی رو میں خوشبوؤں سے قرب الہی حاصل کرتی ہیں اور پاک نفوں سے خاکی جسموں کو حضوری میسر ہوتی ہے۔ شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو درازؒ تو فرماتے ہیں: میں نے بے شمار چیزوں میں وصول حق کو تلاش کیا لیکن یہ صرف دو چیزوں میں دیکھا۔ ایک نفوں کی شنید میں اور دوسرے روئے

زیبا کی دید میں۔ ویسے تو میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں خدا، یعنی صفات خدا، ہی نظر آئی۔ یہی جبل اللہ التین ہے جسے میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔

## امام ربانی

حضرت امام ربانی اپنے ایک مکتوب (ص ۸۵) میں لکھتے ہیں :  
سماع و وجد جماعہ را نافع است کہ بتقلب احوال متصف اند... قسمی از مستیایاں اند با وجود استمرار وقت ایساں را نیز نافع ست۔ و با وجود برودت میل عروج دارند۔ دریں صورت سماع ایساں را سودمند است و حرارت بخش ہر زماں بمدد سماع ایساں را عروج بمنازل قرب میسر شود۔

سماع ان لوگوں کے لیے مفید ہے جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں...  
مستیوں کی اس قسم کے لیے یہ بھی مفید ہے جن کے احوال اگرچہ یکساں رہتے ہوں اور باوجود سرد پڑنے کے وہ اپنے اندر ترقی کا میلان رکھتے ہوں۔ اس صورت میں بھی سماع ان کیلئے مفید اور حرارت بخش ہے۔ ہر زمانے میں ان کو سماع کی مدد سے قرب الہی کی منزلوں کی طرف بلند ہونے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔

## مرزا مظہر جان جاناں

مرزا مظہر جان جاناں کہتے ہیں :

السماع یورث الرقة و الرقة تجلب الرحمة فالنتیجة

السماع یجلب الرحمة (ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں)

یعنی سماع رقت پیدا کرتا ہے اور رقت رحمت کو کھینچتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سماع رحمت کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

ان تمام بزرگوں کی سیرت پڑھنے سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ

حضرات صرف فقیر اور درویش ہی نہ تھے، کمال درجے کے مفسر، محدث اور فقیہ بھی تھے، اور ان کا مرتبہ علم و فضل اور زہد و اتقا کسی لحاظ سے ان فقہاء سے جو غناد مزامیر کی حرمت مطلقہ کے قائل ہیں، کم نہ تھا۔ اتباع خواہ فقہاء کا کیا جائے یا ان فقہاء کا، اگر اخلاص ہے تو دونوں قابل قدر ہیں۔

## چند اور شبہات

میرے ایک عزیز دوست جو از غناد مزامیر کے بعض پہلوؤں پر مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ ان سے میں نے کہا: مجھے قرآن میں اس کی حرمت کی کوئی آیت نہیں ملی۔ احادیث میں حضورؐ کا غنا و دف سنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ حرمت غنا کے متعلق جو چند احادیث ہیں وہ موضوع یا ضعیف ہیں۔ میرے لیے اس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ حضورؐ نے گانا سنا ہے اور دف پر سنا ہے۔ میرے دوست یہ سن کر کہنے لگے: یہ تو بالکل صحیح ہے کہ حضورؐ نے سنا ہے لیکن کیا حضورؐ نے اس کے لیے کوئی محفل بھی جمائی تھی؟ میں نے عرض کیا: اس کی کیا دلیل ہے کہ انفراداً جو کام جائز ہو وہ اجتماعی طور پر حرام ہو جاتا ہے؟ نیز یہ حضورؐ نے کب فرمایا ہے کہ دیکھو اتنے آدمیوں میں تو تم سن سکتے ہو اور اتنی تعداد میں سنو گے تو ناجائز ہو گا، یا یہ کہ خود بخود ایک مجمع ہو جائے تو اس میں اس کا سنتا روا ہے اور اگر مجمع میں کسی فرد کو بلا لیا جائے تو جائز نہیں ہو گا؟ علاوہ ازیں یہ تو آپ کو یاد ہی ہو گا کہ آپ حضرات نے پچھلے دنوں ایک ”اسلامی مشاعرہ“ منعقد فرمایا تھا۔ اخباروں اور اشتہاروں سے اس کا اعلان فرمایا تھا اور اس کے دعوت نامے جاری فرمائے تھے، اس فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا تھا۔ اب سوال صرف اتنا ہے کہ کیا حضورؐ نے خود کبھی کوئی غزل یا نظم فرمائی تھی؟ نہیں۔ کیا کوئی مصرع دے کر دوسرے شعرا کو طبع آزمائی کی دعوت دی تھی؟ نہیں۔ کیا شعرا اور سامعین کو دعوت نامے ارسال

فرما کر کوئی بزمِ مشاعرہ جمائی تھی؟ نہیں۔ اس کے باوجود آپ کا بزمِ مشاعرہ جتنا جائز ہے، کیونکہ اس کے جواز کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حضورؐ نے دوسرے شعرا سے ان کا کلام سنا ہے۔ بس یہی صورتِ غنا و مزامیر کی بھی سمجھ لیجئے۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو ذرا یہ بھی سوچئے کہ کیا حضورؐ نے کوئی روزنامہ، ماہنامہ اور ہفت روزہ جاری فرمایا تھا؟ کیا حضورؐ تصنیف و تالیف فرمایا کرتے تھے؟ کیا حضورؐ نے اسلامی لٹریچر کا پلندہ جمع کر کے کتبِ فروشی کی کوئی دکان کھولی تھی؟ کیا حضورؐ نے کسی الیکشن میں کوئی حصہ لیا تھا؟ کیا حضورؐ نے جا بجا جلسے کر کے لوگوں سے ووٹ مانگے تھے؟ ایسے ایسے بیسیوں کام ہیں جو آج کل ہم آپ سب ہی کرتے ہیں، حالانکہ حضورؐ نے ان کو کبھی نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ بحث اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس پر کہ کرنے والا جو کام کرتا ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کی نیت اور مقصد ٹھیک ہے یا نہیں۔ مگر یہ سوال کہ حضورؐ نے یہ کام محفلِ جما کر کیا تھا یا نہیں، کوئی وزنی سوال نہیں۔ اگر ایک اچھے مقصد کے لیے بزمِ مشاعرہ منعقد ہو سکتی ہے۔ جس میں بہت سے شعرا اپنا کلام لازماً گا کر پڑھتے ہوں۔ تو چند دوسرے آدمیوں کو یکجا کر کے محض گانا یا اچھے اشعار کے ساتھ گانا بھی اچھے مقاصد کا حامل ہو سکتا ہے۔

### ایک قابلِ غور بات

شعرِ شاعری کے متعلق صاف لفظوں میں ارشاد قرآن یوں ہے:

والشعراء يتبعهم الغون ○ الم تر انهم في كل واد بهيمون

○ واتهم يقولون ما لا يفعلون ○ (۲۲۶: ۲۲۷ تا ۲۲۶)

شعرا کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ شعرا

ہر میدانِ خیال میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں اس پر

ان کا عمل نہیں ہوتا۔

پھر ارشاد ہے :

وما علمنه الشعر وما ينفعي له (۶۹:۳۶)

ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ یہ اس کے لیے  
زیبا ہے۔

پھر ارشاد ہے :

وما هو بقول شاعر (۶۹:۴۱)

یعنی یہ شاعر کا کلام نہیں۔

قرآن کریم کے ان تمام انداز ہائے بیان سے شعرو شاعری کے متعلق  
اس کا رجحان معلوم کرنا کچھ دشوار نہیں۔ غنا اور مزامیر کے متعلق پورے  
قرآن میں اس قسم کی کوئی آیت موجود نہیں۔ جو آیات پیش کی جاتی ہیں، ان  
کی حقیقت ہم گذشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود مشاعرہ جائز  
اور غنا ناجائز! ہے یا یہ منطق غور طلب؟

واقعہ یہ ہے کہ جہاں شعرو شاعری کی مذمت کی گئی ہے (والشعراء  
يتبعهم... الی... لا يفعلون) وہیں یہ استثنا بھی ہے :

الا الذين آمنوا وعملوا الصلحت و ذکر والله كثيرًا و  
انتصروا من بعد ما ظلموا...

یعنی (اس عام مذمت سے) مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو ایمان  
لائے، نیک عمل کیے، بکثرت یاد الہی کی اور ظلم سہنے کے بعد  
دفاعی کارروائی کی۔

پس جس طرح شعرو شاعری ہر حال میں قابل مذمت نہیں، بلکہ بعض  
مواقع پر محمود بھی ہو سکتی ہے، خواہ انفراداً ہو یا اجتماعاً بالکل اسی طرح غنا و  
مزامیر بھی..... خصوصاً جبکہ قرآن اس بارے میں خاموش ہے اور احادیث  
سے ثابت ہے..... ہر حال میں یکساں حکم نہیں رکھتا، خواہ تنہائی میں ہو یا محفل

جما کر۔

## ایک اور شبہ

ایک اور شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ غنا یا مزامیر کو سنت نبویؐ میں اور حضورؐ کی سیرت میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے اس فن کی کوئی حوصلہ افزائی کی ہو۔ پوری سیرت نبویہؐ کے ایک گوشے میں کہیں غنا و دف نظر آ جاتے ہیں اس لیے اگر اس کا جواز ثابت بھی ہو تو اس کا مقام معمولی، سرسری اور ضمنی سا ہے۔ یہ شبہ غلط نہیں، لیکن اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر ضرور غور کرنا چاہئے۔

## کار نبوت

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ پیغمبر کیوں آتا ہے، اس کا مقصد کیا ہوتا ہے، وہ کون سا خاص کام ہے جو وہ کرتا ہے اور وہ کیا ڈیوٹی ہوتی ہے جو وہ انجام دیتا ہے؟ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں، بات یوں ہے کہ پیغمبر کسی خاص علم و فن کا ماہر بن کر نہیں آتا اور نہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو کسی نہ کسی علم و ہنر کا ایکپہرٹ بنائے۔ ایکپہرٹ یا خصوصی (Specialist) بننا خود افراد کا کام ہے۔ پیغمبر کسی کو پہلوانی اور کشتی کے داؤ بیچ نہیں سکھاتا، کسی کو جہاز رانی کے طریقے نہیں بتاتا، اکاؤنٹنٹ نہیں بناتا، سائنس کی تعلیم نہیں دیتا، ریسرچ سکار نہیں تیار کرتا۔ نفسیات، لسانیات، نباتات، جغرافیہ، طب، سرجری، تاریخ، منطق، فلسفہ، ہائی جین، ریاضی، انجینئری، فلکیات، عمرانیات، معاشیات، شعر و ادب، تنقید، صحافت، موسمیات اور دوسرے بے شمار علوم و فنون کا نہ وہ ماہر ہوتا ہے اور نہ کسی کو ماہر بناتا ہے، یہ مہارت و خصوصیت حاصل کرنا خود افراد امت کا کام ہے۔ بلاشبہ پیغمبر زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اور ہر طرح کے علم و فن کے لیے بڑے قیمتی اور بنیادی نکات بتا دیتا ہے،

اشارے دیتا ہے، ایسے اشارے کہ صالح تعمیر کے لیے ان سے بہتر بنیاد نہیں مل سکتی۔ یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن پیغمبر کو کسی فن کی تفصیلی مہارت نہ حاصل ہوتی ہے اور نہ دوسروں کو ماہر فن بنانا اس کا مشن ہے۔ پیغمبر کا اصلی کام صرف ایک ایسا مزاج (Attitude) پیدا کرنا ہے جسے اپنا لینے کے بعد سوسائٹی کے افراد کو جزئیات فن کی تعلیم دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ پیغمبر کا عطا کردہ مزاج افکار، گفتار اور کردار پر چھا جاتا ہے۔ فرد جدھر چاہے جائے، جس فن میں چاہے مہارت پیدا کرے، لیکن حدو سے متجاوز ہوتے وقت وہی مزاج اندر سے لگام کھینچ لیتا ہے۔ پیغمبر کی ساری توجہ دن رات کے ہر لمحے میں اسی مزاج، اسی رجحان اور اسی Attitude کو پیدا کرنے کی طرف لگی ہوتی ہے۔ امت کے ہر حرکت و سکون، ہر رفتار و گفتار، تمام افکار و کردار پر اس کی کڑی نگرانی رہتی ہے۔ اس خاص مزاج کے خلاف جہاں اسے کوئی بات نظر آتی ہے اس پر وہ فوراً نوٹس لیتا ہے۔ اسے اس خاص مزاج و رجحان کی تخلیق کی ایسی دھن اور لگن ہوتی ہے اور اس میں اس درجہ یکسوئی کے ساتھ انہماک ہوتا ہے کہ وہ فنون و علوم کی مہارت کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں پاسکتا۔ اس سے یہ توقع ہی بے معنی ہے کہ وہ فنون لطیفہ کی طرف ایسی ہی توجہ دے جیسی ایک ریسرچ سکارلر یا سپیشلسٹ توجہ دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے لیڈروں اور مصلحین کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی قوم یا ملک کے تمام جزئیات کی طرف توجہ تام نہیں دے سکتے، تو پیغمبر سے اس کی توقع کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ کیا آپ علامہ اقبال سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ جنسٹک کے اصول لوگوں کو بتاتے ہوں گے؟ اور کیا آپ کا قائد اعظم سے یہ توقع کرنا درست ہو گا کہ ان کو سرجری سے پوری واقفیت ہو گی اور ہسپتالوں میں جا کر اپنے ہاتھ سے چیر پھاڑ کرتے ہوں گے؟ پیغمبر اور اس کی سنت کو معلوم نہیں لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے اور اس سے عجیب و غریب توقعات کیوں وابستہ کر رکھی ہیں۔ پیغمبر کے اصلی و اعلیٰ



مشن کو سمجھنے کے بعد اس کے متعلق یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ فن موسیقی کا ماہر کیوں نہ تھا اور اس نے اپنی امت میں بہت سے تان سین کیوں نہ پیدا کیے؟ اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں کہ چونکہ پیغمبر نے کوئی میوزک کالج نہیں کھولا اور خود اس میں عملی حصہ نہیں لیا لہذا یہ حرام و ناجائز ہے۔ اگر پیغمبر کی زندگی میں اس فن کی کوئی خاص حوصلہ افزائی کا پتہ نہیں چلتا یا غنا کا مقام بہت معمولی اور سرسری سا نظر آتا ہے تو یہ ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا کر لینا کہ فنی دلچسپی یا اس کی ترقی خلاف سنت ہے، کوئی لگتی ہوئی بات نہیں۔ اس طرح تو نہ فقط فنون لطیفہ بلکہ ان تمام علوم و فنون کی ترقی یا ان سے دلچسپی حرام قرار پائے گی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

### ایک اور نکتہ

اس موقع پر ایک اور بات بھی ناقابل فراموش ہے، وہ یہ کہ حضورؐ کا دور تمدن انتہائی عربی سادگی کا دور تھا۔ علم حساب کا یہ عالم تھا کہ ہزار سے اوپر اعداد کے لیے ان کے لغت میں کوئی لفظ نہ تھا۔ سواری کے لیے کوئی پہیے دار گاڑی کا وجود نہ تھا۔ ہار برداری اور سواری کے سارے کام اونٹ گھوڑے اور خچر سے چلتے تھے۔ آلات حرب نوکدار یا دھار دار ہتھیاروں سے آگے نہ بڑھے تھے۔ بڑی اہم چیزوں کا ریکارڈ بھی کسی رجسٹر کے بجائے صفحات ذہن پر محفوظ رہتا تھا۔ مکان، پوشاک، خوراک، سب میں انتہائی سادگی تھی۔ سیاسی زندگی میں نہ شعبوں کی باقاعدہ تقسیم تھی، نہ ان کے لیے الگ الگ محکمے اور عمارتیں تھیں۔ ساری مسلم آبادی کے لیے واحد مرکز حضورؐ کی ذات تھی۔ کوئی بیمار ہوتا تو حضورؐ کے پاس آتا۔ کوئی مقدمہ ہوتا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سیاسی معاملہ ہوتا تو حضورؐ مرجع و ماب ہوتے۔ طہارت کا مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو حضورؐ کی طرف دوڑتا۔ غرض ہر معاملے میں ہر مسلمان کا تصور یہ تھا کہ

ع ”بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست“۔

لیکن بعد میں تمدن نے وسعت اختیار کی۔ مملکت پھیلنے لگی۔ محکمے الگ الگ ہونے لگے۔ ہر شعبہ زندگی کے اندر بہت سے شعبے پیدا ہو گئے۔ علوم و فنون ترقی کرنے لگے۔ علمی و فنی باریکیاں زیر بحث آنے لگیں۔ کوئی محدث ہوا، کوئی فقیہ، کوئی انساب کا عالم، کوئی فرائض کا ماہر۔ کوئی شاعر و ادیب بنا اور کوئی مفسر و خطیب۔ کوئی کمانڈر ہوا اور کوئی سیاسیات کا راز دان۔ کوئی فن قضا کا ماہر ہوا اور کوئی فن معماری کا استاذ۔ اگر اسی ریلے میں فن موسیقی نے ترقی کر کے ایک الگ حیثیت اختیار کر لی ہو تو اس پر تعجب کیوں اور حیرت کیسی؟ اسے صرف اس لیے کیوں نظر انداز کیا جائے کہ حضورؐ نے اگرچہ غنا و فساد و فساد لیکن بذات خود اور براہ راست اس کی سرپرستی نہیں فرمائی؟ ہمارے موجودہ معیار کے مطابق کس علم و فن کی حضورؐ نے سرپرستی فرمائی؟ ہمارے لیے اپنے معیار کی سرپرستی ڈھونڈنے کے بجائے صرف اتنا ہی دیکھنا کافی ہے کہ حضورؐ نے کسی بات سے روکا نہیں، منع نہیں کیا، یا محض معمولی سی دلچسپی لی۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ حضورؐ نے گانا سنا اور دف پر سنا اور متعدد بار سنا اور بعض مواقع پر انصار کی رعایت سے حکم بھی فرمایا یا رائے دی تو اس کے متعلق جواز کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کچھ گفتگو ہو سکتی ہے تو فقط اس بات پر کہ کون سا مضمون، کون سی سوسائٹی، کون سا وقت اور کون سی جگہ ہے جس سے یہ مباح غیر مباح ہو جاتا ہے۔ ایک سٹے ہوئے محدود تمدن میں اور ایک سدھے سادے کلچر میں غنا و مزامیر کا مقام اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا جتنا عہد نبوت میں نظر آتا ہے۔ پھر جب پیغمبرؐ اپنی ساری توجہ دوسری اعلیٰ اقدار کے قیام میں لگائے ہوئے ہو، تو ان چھوٹے چھوٹے فنون لطیفہ کی طرف وہ مشکل ہی سے رخ کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کم توجہ کو عدم جواز کی دلیل بنانا کوئی معقول بات نہیں۔

## ایک قابل غور سوال

ایک بڑا نازک اور اہم سوال یہاں سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غنا و مزامیر کو قومی تقسیم دے کر Generalise کرنا مناسب ہے؟ یعنی کیا ہر شخص کو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے جبکہ ہمارے پاس یہ جانچنے کا ایسا کوئی معیار نہیں کہ جو شخص گانا گا رہا ہو یا سن رہا ہو وہ اس کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ ہمارے پاس یہ پرکھنے کی کوئی کسوٹی ہے کہ گانے والا اس کے مفاسد کی زد میں نہیں آتا؟ غنا و مزامیر کی ہزار حلت و اباحت یا استحباب ثابت کیا جائے لیکن یہ مسلم ہے کہ لاهلہ حلال و لغیرہم حرام (اہل کے لیے جائز اور نا اہل کے لیے حرام ہے) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل و نا اہل کی تمیز کیسے ہو۔ ہر عامی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھے اس سے روحانی فائدہ ہوتا ہے اور مجھ پر اس سے کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ پھر آپ اسے کس معیار کو سامنے رکھ کر روک سکیں گے؟ پھر اس کا مطلب تو یہی ہو گا کہ کسی شخص کو اس سے روکا نہ جاسکے گا۔ اس کے بعد اس کے جو نتائج فاسدہ ہو سکتے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں۔

سوال واقعی اہم ہے اور اس مشکل کا صد فی صد حل مشکل تر۔ اگر اسے ہر ایک کے لیے حرام قرار دیا جائے تو نہ فقط سنت کے خلاف ہو گا، بلکہ فطرت سے جنگ ہو گی۔ فنون لطیفہ اور ان کے مفید پہلوؤں کا خون ہو گا۔ اور اگر سب کے لیے حلال کر دیا جائے تو اس کے مفاسد عام اور قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ لہذا کوئی ایسی راہ اعتدال نکالنی پڑے گی جس میں مفاسد کم سے کم اور مصالح زیادہ سے زیادہ ہوں۔ قانون کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے۔ ورنہ ایسا کوئی بھی قانون نہیں بن سکتا جس میں سراسر فوائد ہی فوائد ہوں اور خرابی کوئی نہ ہو۔ اس راہ اعتدال کو معلوم کرنے سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مفاسد دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو قانون کی گرفت میں آ

جائیں اور ان پر نوٹس لیا جاسکے۔ اور دوسری قسم ان مفاسد کی ہوتی ہے جو نہ تو قانونی گرفت میں آسکتے ہیں اور نہ ان پر کوئی وارو گیر ممکن ہے۔ ایسے مفاسد کا علاج اخلاقی تربیت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ بہت سے شرعی احکام ایسے ہیں جن کے ایک حصے پر تو گرفت ہوتی ہے اور دوسرے حصے کو فیما بینہ و بین اللہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں و حسابہ علی اللہ کے۔ اگر بے عذر محض رمضان میں علانیہ روزے خوری کرتا ہو تو حکومت اسلامیہ اپنی تعزیر کو حرکت میں لائے گی۔ لیکن اگر وہ تنہائی میں جا کر روزہ توڑ دے تو یہ معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان ہے و حسابہ علی اللہ۔ قانون یہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی محض بظاہر تمام ارکان نماز ادا کر رہا ہو، لیکن دل میں گالی بک رہا ہو تو قانون اسے بے نماز نہیں کہے گا۔ مگر اس کا اصلی معاملہ اللہ کے اور اس کے درمیان رہے گا۔ اسلام کے سارے احکام میں ظاہر و باطن کے یہ دونوں پہلو موجود ہیں جن میں ایک پر قانونی گرفت ہو سکتی ہے اور دوسرے پر نہیں ہو سکتی۔ پس قانون کے بس میں صرف اتنا بھر ہی ہے کہ غنا و مزامیر کے مفاسد جہاں ظاہری طور پر نظر آئیں وہاں غنا و مزامیر پر وارو گیر کرے اور اسے روک دے۔ لیکن جہاں کوئی مفسدہ گرفت میں نہ آسکے وہاں خاموشی اختیار کر کے صبر کرے اور اس کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرے۔ اگر مفاسد محسوس تو ہوں لیکن قانونی طور پر قابل گرفت نہ ہوں تو ان کا علاج اخلاقی تربیت ہے، مواعظ حسنہ ہیں، قانونی دباؤ سے روک دینا نہیں۔ اگر قانون یہ دیکھ رہا ہے کہ ناچ، رنگ، شراب، کباب، فحش، بے حیائی وغیرہ کا اظہار ہو رہا ہے تو اسے قطعاً حرکت میں آنا چاہئے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو اسے صرف اس لیے روک دینا صحیح نہیں کہ بعض لوگ اس سے ناجائز اور غلط مصرف بھی لیا کرتے ہیں۔ غلط مصرف تو آج ہر شے سے لیا جا رہا ہے۔ نماز سے ریاکاری کا مصرف لیا جا رہا ہے۔ حج سے بلیک مارکیٹ کا مصرف لیا جاتا ہے۔ داڑھی سے دھوکے کا کام لیا

جاتا ہے۔ پورے مذہب سے محض حصول اقتدار کا مصرف لیا جا رہا ہے۔ کس چیز سے غلط مصرف نہیں لیا جا رہا؟ تو کیا ان تمام چیزوں کو ختم کر دینا چاہئے؟ یہ تمام غلط قسم کے مصرف صرف اس وجہ سے لیے جاتے ہیں کہ پیغمبر کا عطا کردہ مزاج و رجحان سامنے نہیں ہوتا۔ وہ نبوی نگاہ اگر پیدا کی جائے تو خواہ نماز ہو یا غنا و مزامیر، کسی سے بھی غلط مصرف لینے کا سوال نہیں پیدا ہو گا۔

ہمارا اپنا رجحان

ہم نے اپنی نصف صد سالہ زندگی میں گائے بجانے کی جو محفلیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں یا قابل اعتماد ذرائع سے سنیں ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ہر ایک کے متعلق ہماری رائے جدا گانہ ہے۔

۱۔ ایک محفل سماع وہ ہوتی ہے جو مجموعہ ہے فواحش کا۔ اس میں پیشہ در عورتیں یا مرد گائے اور ناچتے ہیں۔ مضامین بھی بیشتر فواحش انگیز ہوتے ہیں۔ شراب و کھاب کے دور چلتے ہیں۔ ان کا مقصد ہیجان انگیزی، نمائش حسن و ادا اور اظہار فخر و غرور کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی حرمت کے متعلق تو دلائل پیش کرنا بھی اضاعت وقت ہے۔ بلاشبہ بعض بزرگوں کے واقعات ایسے بھی ملتے ہیں کہ انھوں نے ایسی محفلوں سے بھی کچھ روحانی فوائد حاصل کیے ہیں۔ لیکن یہ ان کی ذاتی صلاحیت کی دلیل ہیں اور ہزاروں میں ایک آدمہ مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ اسے عمومی جواز کے فتوے سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کو کئی مثالیں ایسی ملیں گی کہ ایک محض نے خود کشی کی نیت سے کوئی زہریلی چیز کھالی، لیکن مرنے کے بجائے اس کا کوئی پرانا مرض دور ہو گیا۔ ایسے واقعات صحیح ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ہر شخص کو مرض کمنہ دور کرنے کے لیے زہر کھالینا چاہئے۔ نادر واقعات کلیہ نہیں بن سکتے، بلکہ وہ اپنی نقیض کی کلیت کو

ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ ایک محفل سماع وہ ہوتی ہے جس میں گانا بجانا تو ہوتا ہے لیکن یہ فواحش نہیں ہوتے۔ اس کا مقصد کسی خوشی مثلاً شادی یا فتح وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے، یا اعلان ہوتا ہے۔ ایسے غنا و مزامیر کو ہم حرام نہیں کہہ سکتے، بلکہ غلط نہ ہو گا اگر اسے سنت اور مستحب قرار دیا جائے۔ اس کی دلیل میں وہ تمام احادیث پیش کی جاسکتی ہیں جن کو ہم گزشتہ صفحات میں درج کر آئے ہیں۔

۳۔ ایک سماع وہ ہوتا ہے جو انسان اپنی دلچسپی کے لیے سنتا ہے۔ اسے اس کا ذوق ہوتا ہے اور وہ راگ سے فنی طور پر یا محض خوش الحانی کے طور پر اس سے دلچسپی لیتا ہے۔ نہ وہ اس کا اعلان کرتا ہے نہ لوگوں کو دعوت نامے بھیجتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہم ذوقوں کو بھی اس لطف میں شریک کر لیتا ہے۔ ایسے سماع کے متعلق عدم جواز کی کوئی قوی دلیل ہمیں نہ مل سکی۔ بلکہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بہت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، مجتہدین، فقہاء اور فقہاء کے جو نظائر پیش کیے ہیں، وہ اس کے جواز کے پہلو کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ ایک سماع وہ ہے جو کسی دوسرے قیمتی مشغلے کو نقصان پہنچائے بغیر خالی وقت گزارنے یا تھکن دور کرنے کے لیے سنا جاتا ہے۔ اس کے عدم جواز کی بھی کوئی واضح دلیل ہمیں نہ مل سکی۔

۵۔ ایک وہ گانا بجانا ہے جو کسی اچھے مقصد مثلاً مرض کا علاج کرنے، جوش قتال پیدا کرنے، قساوت قلب کو دور کر کے ایست و نرمی پیدا کرنے یا حیوانات میں تیز رفتاری پیدا کرنے یا بچوں کو لوری دینے وغیرہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

۶۔ ایک گانا بجانا وہ ہوتا ہے جس میں راگ سے زیادہ مضمون غنا کا دخل

ہوتا ہے۔ اور خوش الحانی میں تاثیر مزید پیدا کرنے کے لیے ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح حسن و جمال اپنی ایک مستقل تاثیر رکھتا ہے۔ اور بناؤ سنگھار اس کو دو بالا کرنے کے لیے ایک ثانوی چیز ہوتا ہے۔ یہ گانے اہل اللہ سنتے رہے ہیں، اور اس سے وہ بڑی روحانی بالیدگی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح کے گانے ان لوگوں نے سنے ہیں جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور دینی و روحانی خدمات کو الگ کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ کا بیشتر حصہ ورق سادہ ہو جائے گا۔ ایسی محافل کو تو بعض فقہانے جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، مستحب تک لکھا ہے۔

۷۔ بعض سامعین ایسے ہوتے ہیں کہ اہل علم و تقویٰ ہونے کے باوجود اگر وہ کسی بہتر سے بہتر محفل سماع میں اتفاق سے پھنس جائیں تو انھیں شدید دماغی کوفت اور روحانی اذیت ہوتی ہے، یا تو اس لیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اسے مکروہ سمجھتے ہیں، یا اس لیے کہ انھیں نہ موسیقی و خوش الحانی سے کوئی مس ہوتا ہے، نہ شعری مضامین سے کوئی لطف حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ بھائی تھے، جو نہایت پرہیزگار، جزئیات فقہ حنفی کے بڑے ماہر، انسانیت و شرافت کا نمونہ تھے، لیکن ان کے ذوق کے متعلق ایک لطیفہ سن لیجئے۔ ان کے سامنے کسی نے امیر خسرو کا یہ شعر پڑھا

نجم دین اولیا کو کو سمجھا دے

میں تو جوں جوں مٹاؤں او تو رسل جا دے

(یعنی حضرت نظام الدین اولیا کو کون سمجھائے؟ میں جتنا منانا جاتا

ہوں وہ اسی قدر روٹھتے چلے جاتے ہیں)۔

یہ شعر سن کر انھوں نے فرمایا یہ بالکل گپ ہے، نہ کوئی رد ٹھاتا اور نہ کسی نے منایا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ”متقی“ بزرگوں کو سماع میں کیا

لطف آسکتا ہے؟ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص کو موسیقی اور شاعری کا ذوق لازماً ہو؟ ایسے حضرات کو ہمارا مشورہ یہی ہے کہ انہیں کسی محفلِ سماع میں بھولے سے بھی شریک نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں کوئی روحانی بالیدگی ہونے کی بجائے سخت روحانی کبیدگی ہوگی۔ ان کے لیے یہ سمجھنا بھی بہت دشوار ہے کہ سماع سے کوئی روحانی بالیدگی و فرحت کیونکر ہو سکتی ہے؟

۸۔ ایک بہت عام اور رائج الوقت محفلِ سماع وہ ہے جو عام طور پر خانقاہوں میں یا مزاروں پر ہوتی ہے۔ یہ خاص طور پر کسی بزرگ کی تاریخِ وفات کے موقع پر ایصالِ ثواب و فاتحہ خوانی کے سلسلے میں ہوتی ہے۔ اس کے پروگرام پہلے سے تیار ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ ہاتھ باندھ اہلِ حلقہ اور عوام و خواص کے نام دعوت نامے بھی جاری کیے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق کہا بھی جاتا ہے کہ فلاں بزرگ بھی یہاں قوالی کراتے تھے اور ہم بھی ان ہی کی تقلید میں — یہ تقلید عموماً جامد ہوتی ہے، شعوری نہیں ہوتی — اس ”رسم“ کو جاری رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی روحانی بالیدگی ہوتی ہے یا نہیں، اور اگر ہوتی ہے تو کس نوعیت کی اور کس کس کو ہوتی ہے، اسے صاحبِ محفل ہی جانتے ہوں گے۔ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ یہ ایک مستقل اور لازمی تقریب کی حیثیت سے ہمیشہ پابندی سے منائی جاتی ہے۔ زبان سے تو وہ اسے مباح ہی کہتے ہیں مگر عملی پابندی فرائض کی طرح ہوتی ہے۔ اس میں عوام و خواص، متقین و فاسق، عالم و جاہل کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی، بلکہ سب ہی بلا تکلف شریک ہوتے ہیں۔ کسی نا اہل کے لیے ممانعت نہیں ہوتی، بلکہ ایسی اشتہاری صورت پیدا کی جاتی ہے کہ ہر کس و ناکس شریک ہو۔ بہت سی جگہوں میں حال و قال اور وجد یا اس کی نقل بھی ہوتی ہے اور کوئی مرشد اپنے مریدوں کو توجہ دیتا ہے یا توجہ کی نقالی کرتا ہے۔ کس کا حال اور کس



کی توجہ کچھ اصلیت رکھتی ہے اور کس کی محض نقالی ہوتی ہے، اس کا حال صرف خدای جان سکتا ہے۔ مریدین اور معتقدین کسی ممتاز شخص یا مرشد کے آگے نذریں پیش کرتے ہیں جو قوالوں کو دی جاتی ہیں۔ اس مجمع میں بعض لوگ واقعی گریہ و زاری کرتے ہیں اور بعض صرف گانا سن کر لطف لیتے ہیں۔ اور بعض فقط حال و قال کا تماشا دیکھتے ہیں۔ کسی شریک محفل کی کیا نیت ہوتی ہے، اسے تو خدای بہتر جانتا ہے لیکن قرائن یا نجی گفتگو سے کچھ نہ کچھ پتہ چل ہی جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے اس کے اصلی محرکات کیا ہیں، اس کی تحسین کیے بغیر میں صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ مجھ سے اس کے اندرونی محرکات پوشیدہ نہیں۔ عام طور پر اس کا بڑا مقصد اپنے اثر و اقتدار اور اقیاز و تقدس کا خاموش مظاہرہ ہوتا ہے۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو اور اگر سوئے ظن ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور میری اصلاح کرے (آمین)۔ ایسی محفلوں کے متعلق ہمارا فتویٰ دو رخ رکھتا ہے۔ محدثانہ نقطہ نگاہ سے بلکہ بڑی حد تک قبیحانہ زاویہ نظر سے بھی یہ ناجائز نہیں ہوتا۔ لیکن خود صوفیانہ نقطہ نگاہ سے اس کی اباحت میں بڑی دشواریاں ہیں کیونکہ اس کے لیے جو شرائط متفق علیہ صوفیائے بتائی ہیں ان کی پابندی ہمیں رائج الوقت قوالیوں میں کہیں نظر نہیں آتی۔

### صوفیہ کی شرائط سماع

یہاں ہم اختصار کے ساتھ بعض مسلم صوفیائے کرام کی بیان کردہ شرائط کو لکھتے ہیں۔ ان کو بنظر غور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش اپنی معرکہ آرا کتاب کشف المحجوب کے آخری باب میں اباحت سماع کی مندرجہ ذیل شرائط لکھتے

ہیں:

سائلک بلا ضرورت سماع نہ سنے۔

اور طویل وقفے کے بعد سنے یعنی اسے مستقل مشغلہ نہ بنائے۔

محفل سماع میں مرشد موجود ہو

عوام شریک نہ ہوں

قوال فاسق نہ ہوں

سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو

طبیعت لبو و لعب کی طرف مائل نہ ہو

وجد آئے تو اسے بہ تکلف نہ روکے اور نہ بہ تکلف کیفیت وجد کو جذب کرے

وجد کے وقت کسی کی مساعدت کو نہ روکے اور نہ اس کی امید رکھے

قوال کے گانے کی خوبی و زشتی کا اظہار نہ کرے

محفل میں لڑکے نہ ہوں

محفل میں رقص ناجائز ہے۔ (آخر میں حضرت ممدوح نے سماع بالکل

ترک کر دیا تھا)

۲۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا ارشاد ”راحت القلوب“ ص ۱۲ میں

یوں ہے:

سماع ان ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ اگر

ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے

کان میں کچھ کیس جب بھی انھیں کچھ خبر نہ ہو۔

۳۔ خواجہ نظام الدین اولیا نے سماع کے جواز کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں

وہ ”فوائد الفواد“ صفحہ ۹۵ و صفحہ ۲۳۶ میں یوں ہیں:

سنائے والا لڑکا (امرد) نہ ہو۔

گمانے میں ہزلیات اور فحش مضامین نہ ہوں۔

سننے والا صرف اللہ کے لیے سنے۔

مزامیر نہ ہوں۔

عورتیں نہ ہوں۔

۴۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے متعلق اخبار الاخبار

صفحہ ۷۶ میں ہے :

آپ کسی قسم کے مزامیر کو سماع میں پسند نہ فرماتے تھے۔

۵۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے سماع کے متعلق مختلف اقوال یوں

ہیں :

اگر سماع سننے سے دل صرف حق کی طرف مائل ہو تو حلال ہے۔ اگر مجاز

کی طرف میلان پیدا ہو تو حرام ہے۔

اگر حق کی طرف زیادہ اور مجاز کی طرف کم مائل ہو تو مباح ہے۔

اگر اس کے برعکس ہو تو مکروہ ہے۔ (معادن المعانی صفحہ ۴۶۳)

سماع اہل حق کے لیے مستحب، اہل زہد کے لیے مباح اور اہل نفس کے

لیے مکروہ ہے۔ (مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۶۷)۔

سماع طلب منفعت کے لیے مذموم اور طلب حقیقت کے لیے محمود ہے۔

(معادن المعانی صفحہ ۴۶۷)

محفل سماع کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں۔ مکان، اخوان اور زمان۔

مکان مشائخ کی جگہ ہو۔ پاکیزہ، کشادہ اور روشن ہو۔ اخوان یعنی

شرکا درویش یا درویشوں کے دوست ہوں، اہل تیز، صحبت یافتہ اور

صاحب ریاضت ہوں۔ زمان، یعنی بوقت سماع دل تمام چیزوں سے خالی

ہوں۔ آداب یہ ہیں کہ شرکا دو زانو بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رہیں،

دائیں ہاتھ نہ دیکھیں۔ ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں۔ پیاس معلوم ہو تو

پانی نہ پئیں۔ باہم گفتگو نہ کریں۔ قوال کو داد نہ دیں۔ اشعار کو بہتر طریق پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں۔ دل کو خدا کی طرف مائل رکھیں۔ (مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۷۰)۔

یہ ہیں وہ شرائط جن کے بعد صوفیہ کے نزدیک سماع مباح ہوتا ہے۔ بہت سے صوفیا ایسے بھی ہیں جن سے کوئی شرط منقول نہیں۔ لیکن غالب توقع یہی ہے کہ وہ بھی ان میں سے اکثر شرائط کا لحاظ کرتے ہوں گے۔ بعض صوفیہ کا قول ہماری نظروں سے یہ بھی گذرا ہے کہ سماع با وضو ہو کر سننا چاہئے۔ اب رہا یہ کہ انھوں نے اس قسم کی کڑی شریوں کیوں لگائی ہیں؟ اس پر اس وقت بحث مقصود نہیں۔ البتہ دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر دور کے صوفی نے اپنے احوال و ظروف اور اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہی یہ شرائط لگائی ہیں۔ اور یہ ان کا صحیح اجتہاد ہے اس لیے اس خلیجان میں نہیں پڑنا چاہئے کہ یہ شرائط بعضوں کے ہاں کچھ، اور بعضوں کے نزدیک کچھ کیوں ہیں اور سب کے سب ایک ہی قسم کی شرائط پر متفق کیوں نہیں؟ یہ اختلافات اپنی شدت و خفت کے لحاظ سے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے محدثین کی شرائط صحت حدیث کے متعلق مختلف ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سماع کے متعلق کتاب و سنت میں اس قسم کی تصریحات یا شرائط اگر نہیں پائی جاتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفیہ نے کوئی غلط بات کہی۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ فقہی اجتہاد بہت صحیح ہے اور اس کی فرض و غایت صرف یہ ہے کہ گانے بجانے کا غلط استعمال نہ ہو۔ اگر ہمارے دور میں بھی فقہائے درویش اپنے عصری تقاضوں کے متعلق دوسری معقول شرائط و پابندی لگا دیں تو ان کے حق بجانب ہونے میں کلام نہیں ہونا چاہئے۔

مذکورہ بالا صوفیائے کرام نے جو شرائط سماع پیش فرمائی ہیں ان کی پابندی آج کسی آستانے، کسی درگاہ، کسی خانقاہ میں ہماری بد قسمت آنکھوں کو نہیں

نظر آسکی۔ اس لیے ان کے جواز میں صوفیہ کو آڑ بنانے کی بجائے محدثین کو آڑ بنانا کسی حد تک زیادہ بہتر ہے۔

## ایک ضروری بات

سمع دراصل ایک اندرونی محرک (Stimulation) ہے۔ ہر وہ فطرت جو انسان کے اندر دبی ہوئی ہو، اسے یہ ابھار کر باہر نکال دیتا ہے۔ ایک شخص خارجی اسباب کی وجہ سے بظاہر بخیل یا بزدل ہوتا ہے لیکن اس کے تحت الشعور میں بخل یا بزدلی کی بجائے سخاوت و شجاعت ہوتی ہے۔ اگر ایسے شخص پر موسیقی اثر کرے تو اس کے تحت الشعور کی دبی ہوئی سخاوت و شجاعت خواہ عارضی طور پر سہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جو شخص بظاہر متقی اور بہ باطن فاسق ہو، موثر گانا سننے سے اس کی حیوانیت ابھرنے لگتی ہے۔ غرض یہ ایک ایسا محرک ہے جو عموماً ”اصلی فطرت کو باہر لے آتا ہے۔ صوفیہ نے سمع کے لیے جو کڑی شرطیں رکھی ہیں، اس کی اصلی وجہ غالباً یہی ہے کہ نیک فطرت لوگوں کی نیکی تو بہر حال اور ابھرے گی لیکن اگر کسی کے اندر حیوانیت کا غلبہ تحت الشعور میں موجود بھی ہو، تو اسے ان کا قائم کردہ مقدس ماحول دبا دے۔ موثر موسیقی حب مطلق (Absolute Love) کو ابھارتی ہے۔ اس جذبے کے ابھار کے وقت طبیب روحانی یا مرشد کامل صحیح موقع کو بھانپ لیتا ہے اور لوہے کو گرم پاتے ہی اپنی ناقابل تشریح روحانی توجہ کو کام میں لا کر ابھرتے ہوئے جذبات پر ایسی چوٹ لگاتا ہے جو بعض اوقات زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیتی ہے۔ ممکن ہے لوگ ہماری ان باتوں کو محض اوہام یا شاعری سمجھ کر ہنسیں، لیکن چونکہ یہ حقائق منطقی استدلال سے بالاتر ہیں، اس لیے ہم صرف اسی قدر عرض کر کے خاموش رہیں گے کہ ذاق من ذاق و وجد من وجد

۔ اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (۴۳)

## ایک دوسرا رخ

لیکن ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہر کس و ناکس اسی روحانی فیض کو بہانہ بنا کر گانے بجانے اور اچھل کود کو اپنا مستقل مشغلہ بنا لیتا ہے۔ آپ کچھ سمجھانا چاہیں تو وہ ان احادیث کو پیش کر دے گا جن سے حضورؐ کا گانا اور دف سنانا ثابت ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک سنت نبویؐ ہے جس پر عمل کیا جا رہا ہے۔ اسے یہ کون بتائے کہ سنت حضورؐ کی پوری زندگی ہے، صرف گانا سنانا نہیں۔ حضورؐ ساری عمر گانا ہی نہیں سنتے رہے، کچھ اور بھی کیا ہے۔ یہ سچ ہے حضورؐ کے سارے کام کرنا ایک انسان کے بس کی بات نہیں لیکن مجموعی طور پر اتنا تو دیکھا جاسکتا ہے کہ زندگی کے تمام اعمال و وظائف کا رخ صحیح سمت کی طرف ہے یا نہیں۔ پس ہماری آخری رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ مقاصد اور نبویؐ مشن کی طرف لگا رکھی ہے اور غنا و مزامیر اس کے مقاصد میں معین و مددگار ہے یا کم از کم حارج و مزاحم نہیں تو اس کے لیے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اگر خدا نخواستہ ایسا نہیں تو فیصلہ آپ خود کر لیجئے۔ ایسے ہر شخص کو آپ ہی اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا وہ اقامت دین کا کوئی اہم کام کر رہا ہے؟ کسی اعلیٰ قدر کے قیام میں کوئی نمایاں اور لگاتار حصہ لے رہا ہے؟ اور کیا وہ اعلیٰ مقاصد کے لیے کسی ایثار و قربانی کا عملی ثبوت دے رہا ہے؟ اپنی اور دوسروں کی ذہنی، فکری، علمی، عملی اور روحانی، اخلاقی اصلاح اور ارتقاء میں قابل ذکر خدمات انجام دے رہا ہے؟ غیر اللہ کی غلامی سے باہر نکلنے اور دوسروں کو نکالنے کی دھن اور لگن رکھتا ہے؟ کیا حسبِ جاہ و مال کو ترک کر چکا ہے؟ اگر ایسا کوئی کام بھی وہ کر رہا ہے اور موسیقی اس میں کوئی مزاحمت نہیں کرتی تو وہ شوق سے اس سے دلچسپی لے۔

اگر وہ کبھی اس میں اعتدال سے کچھ باہر بھی ہو گا تو اس کی دوسری قیمتی کارگزاریاں اس کی لغزشوں کو ڈھانپ لیں گی۔ لیکن اگر اس کی زندگی کا رخ ہی صحیح نہ ہو، اور وہ کسی قیمتی خدمت میں لگا ہوا نہ ہو، تو محض موسیقیانہ دلچسپی اس کی روحانیت میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کر سکے گی اور اسے سنت نبویؐ کا اتباع یا بزرگان دین کی پیروی قرار دینا فریب نفس ہے۔ اس کی بجائے صاف لفظوں میں ایک جائز کھیل اور تفریح کہہ کر پہلوئے جواز تلاش کرنا زیادہ صحیح ہے۔ ہم اس کے قابل نہیں کہ اگر کسی دلچسپی یا کھیل کا ثبوت کتاب و سنت میں صریحاً نہ ملے تو وہ لازماً ناجائز ہی ہو۔ ہزاروں تفریحات ایسی ہیں جن سے نہ حضورؐ نے دلچسپی لی، نہ دوسرے قابل اتباع بزرگوں نے، اس کے باوجود ان کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

---

## مزید مباحث

”اسلام اور موسیقی“ ۱۹۵۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ اشاعت ہوتے ہی ہندوستان اور پاکستان میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سنجیدہ علمی حلقوں نے بہت سراہا۔ مگر دوسری طرف اخباروں اور رسالوں میں قدامت پسند اہل تشف نے شدید تنقیدیں فرمائیں۔ اعتراضات اور جوابات سے مسئلے کے بہت سے ایسے رخ سامنے آ گئے جو کتاب میں واضح نہ ہو سکے تھے۔ ہم ان تمام مضامین کو یہاں شامل کتاب کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم و تحقیق اس سے لطف اندوز ہوں گے۔



## موسیقی اور نواب صدیق حسن خاں

نواب صدیق حسن خاں عجیب جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف پوری ریاست بھوپال کو حسن و خوبی سے چلا رہے تھے اور دوسری جانب علمی سرپرستی اور دینی خدمت کے لیے وقف تھے۔ ریاست کے نظم و نسق کے لیے بھی ان کا قلم چلتا تھا اور تصنیف و تالیف میں بھی۔ ایک طرف وہ انتہائی متشرع تھے اور دوسری جانب مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی نقشبندی کے مرید بھی تھے۔ صرف خود ہی مرید نہ تھے بلکہ اپنے دونوں صاحبزادوں — نواب سید نور الحسن خاں اور نواب سید علی حسن خاں — کو بھی مرید کرایا۔ علوم متداولہ میں شاید ہی کوئی ایسا علم و فن ہو گا جس میں انھوں نے کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو۔ کم و بیش ڈھائی سو تصانیف کے مصنف ہیں۔ پھر ایک طرف تو وہ اہل حدیث تھے مگر دوسری طرف وہ حنفی طریقہ نماز کو اقرب الی السنۃ کہتے تھے۔ ادھر وہ اہل حدیث تھے اور ادھر وہ موسیقی بلکہ آلات مطربہ کے جواز کے بھی قائل تھے۔ فوجی بینڈ ان کے ہاں خوب بجاتا تھا۔ اس سلسلے میں ہم ان کی مشہور تالیف ”ابجد العلوم“ کے کچھ دلچسپ اقتباسات نقل کرتے ہیں جس سے ان کے رجحانات کا علم ہو سکتا ہے۔ یہ اقتباسات ”اسلام اور موسیقی“ میں موجود نہیں ہیں، اس لیے یہاں (اپنی تشریح کے ساتھ) انھیں درج کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو۔

ابجد العلوم جلد ۲ ص ۳۰۰ میں وہ علم آداب السماع والوجد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

حرمة الامام ابو حنیفہ و مالک و الشافعی و احمد  
و غیرہم من المشائخ المعند بہم فی امور الدین و  
الآثار فیہ کثیرہ و من الصوفیۃ من اباحہ و لا باس بہ

فقد دلت السنة الصحيحة على ذلك بشرط ان لا يودى الى المنكر فى الشرع وقد حقق المقام الامام الهمام شيخنا العلامة المجتهد محمد بن على الشوكاتى فى كتابه نيل الاوطار شرح مننقى الاخبار وهو المعتمد واما الصوفيه فتاولوا ان له مراتب وسماع صوت طيب وهو اما موزون او غيره - ثم الموزون اما مفهوم او غيره فهذه درجات - والصوت الطيب لا حرمة فيه بل هو حلال كصوت البلابل ونغمة العنادل ولا يتفاوت ذلك بصدوره عن حيوان او حنجرة انسان - والموزون من حيث انه موزون غير محرم اذ قد اشد الشعر بين يدي النبى صلى الله عليه وسلم فلا يكون الحرمة فيه الا بحسب مفهومه وان كان محرما فيحرم سواء كان موزونا او غير موزون والا فلا يحرم ولذا ورد: الشعر حسنه حسن و قبيحه قبيح - و اذا عرفت كون الشعر مباحا فاعلم ان الكلام الموزون و الصوت الطيب يحرك القلب سرورا و انقباضا و نشاطا و غما و ذلك مركزوز فى طبع الانسان حتى الصبيان فى المهد بل فى طبع الحيوان ايضا كما يحكى من ميل الجمال الى الاصوات الطيبة والحداء و اذا كان كذلك لم يجز ان يحكم مطلقا باباحته او حرمة - بل يختلف ذلك باختلاف احوال القلب - قال ابو سليمان السماع لا يجعل فى القلب ما ليس منه بل يحرك ما هو فيه و ذكر فى مدينة العلوم سبع مواضع الغناء ليس ذكرها

مراداً لنافی هذا الموضع۔

”امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ بن حنبلؒ نے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے اہل علم نے بھی — جن پر دینی معاملات میں اعتماد کیا جاتا ہے — سماع کو حرام قرار دیا ہے، اس باب میں بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ بعض صوفیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ ہے بھی نہیں کیونکہ اس کے جواز پر سنت صحیحہ دلالت کرتی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ شرعی ممنوعات کی طرف نہ لے جائے۔ امام شوکانی نے اپنی نیل الاوطار میں اس موضوع پر بڑی محققانہ بحث کی ہے جو قابل اعتماد ہے۔ صوفیہ یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ سماع کے مختلف درجے ہیں۔ اچھی آواز کا سننا کئی طرح کا ہے۔ موزون اور غیر موزون۔ پھر موزون قابل فہم ہو یا ناقابل فہم۔ یہ مختلف شکلیں ہیں۔ اور اچھی آواز کے سننے میں کوئی حرمت نہیں۔ یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح بلبلوں کی آواز و نغمہ۔ یہ خوش آوازی خواہ کسی حیوان سے نکلے یا انسان کے گلے سے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ موزون بھی بحیثیت موزون کے کوئی حرام نہیں، کیونکہ آنحضرتؐ کے سامنے شعر پڑھے (گائے) گئے ہیں۔ لہذا اس میں اگر حرمت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس کے مضمون کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ اگر مضمون ہی حرام ہے تو وہ خواہ موزون کلام ہو یا غیر موزون سب ہی حرام ہیں، ورنہ کوئی بھی حرام نہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ ”شعر ایک کلام ہے جو اچھا ہو تو اچھا ہے، برا ہو

تو برا ہے۔“ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ شعر مباح ہے تو اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ موزوں کلام اور خوش آوازی سے دل میں سرور، انتباض، خوشی اور غم سب ہی طرح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور یہ انسان بلکہ گود کے بچے بلکہ حیوان کی فطرت میں بھی داخل ہے، جیسا کہ مشہور ہے کہ اونٹ اچھی آواز اور حدی خوانی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اس کے مطلقاً حلال یا حرام ہونے کا حکم لگا دینا جائز نہیں۔ دل کے مختلف احوال کے مطابق یہ حکم بھی مختلف ہو جائے گا۔ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ ”سماع دل کے اندر کوئی ایسی نئی چیز پیدا نہیں کرتا جو پہلے سے اس میں موجود نہ ہو، بلکہ دل میں جو کچھ موجود ہوتا ہے، یہ اسی کو ابھار دیتا ہے۔“ ابو سلیمان نے اپنی کتاب ”مدینۃ العلوم“ میں گانے کے سات مواقع کا ذکر کیا ہے جن کو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں۔“

نواب صاحب نے ائمہ اربعہ کے متعلق تو یہ لکھا ہے کہ یہ سب گانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوة میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی تائید نہیں کرتا۔ ملاحظہ ہو:

امام مالک:

”پرسیدہ شد امام مالک از سماع، پس گفت: دریافتم اہل علم را در بلاد خود مکر نیستند آں را و می شنید از اں و گفت: مکر نشود آں را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ الطبع۔ وہم چنین نقل کرده است از دے گروہ معتبر و حکایت کرده است

اباحت را از دے امام قیسری و استاذ ابو منصور و قتال و غیر  
ایٹاں۔ و آں چہ نقل کردہ شدہ است از امام مالک کہ گفت  
”نمی شنوند آں را مگر فاسقاں“ محمول است بر غنائے کہ  
مقتزن است بویے مکر جمعاً بین القول و الفعل-----  
پرسیدند از دے (ابراہیم بن سعد) از احوال مالک  
پس گفت: خبر داند مرا کہ دعوتے بود در بنی یربوع و باقوم  
دخوف و عودہا کہ مخفی ی کردند و لعب ی نمودند و بود مالک  
را دوف مرہل کہ می زد آں را و مخفی ے نمود-----  
(ترجمہ) امام مالک سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو  
فرمایا کہ ”میں نے اپنے بلاد (حجاز) میں اہل علم سے  
دریافت کیا ہے وہ اس کے مکر نہیں۔“ مالک نے یہ بھی  
کہا کہ ”اس کا مکر تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو عامی، جاہل  
یا سخت دل عراقی ہو۔“ بعض معتبر لوگوں نے ان سے ایسی  
ہی روایت کی ہے۔ امام قیسری، استاذ ابو منصور اور قتال  
و غیرہم نے بھی امام مالک سے جواز ہی کو روایت کیا ہے۔  
اور امام مالک کا جو یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ ”مکانا صرف  
فاسق ہی سنتے ہیں“ وہ اس گمانے پر محمول ہے جو ممنوعات  
شرعی سے دابستہ ہو۔ آپ کے قول و فعل کو یوں ہی یکجا کیا  
جا سکتا ہے۔ نیز ابراہیم بن سعد سے امام مالک کے بارے  
میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ”مجھے تو یہ روایتیں  
پہنچی ہیں کہ بنی یربوع کی ایک دعوت میں آپ بھی شریک  
تھے۔ وہاں دفوں اور طنبوروں پر لوگ گا بجا کر دلچسپی لے  
رہے تھے۔ امام مالک کے پاس ایک چو کھنی دف تھی جسے بجا

بجا کر آپ بھی گا رہے تھے۔ (یہ روایات صرف مدارج النبوة ہی میں نہیں بلکہ زبیدی کی شرح احیاء العلوم جلد ۴ ص ۴۵۷ میں بھی موجود ہے)۔

## امام شافعیؒ

پھر شیخ عبدالحقؒ محدث امام شافعی کے متعلق لکھتے ہیں :

گفتہ است غزالی کہ تحریم غنا مذہب او (امام شافعیؒ) نیست و نتیجہ کردم چندیں از مصنفات دے را، ندیدم او را نمے بہ تحریم دے۔ و استاذ ابو منصور بغدادی گفتہ است کہ مذہب دے اباحت سماع است بقول و الحان چوں بشنود مرد از مرد یا از جاریہ خود یا از امرا تے کہ حلال است نظربہ دے یا بشنود در خانہ خود یا خانہ بعضے از صدقائے خود۔ و شنود آں را در میان راہ و مقترن نہ گردد سماع بہ چیزے از منکرات و ضائع نہ کند بہ سبب آں اوقات نماز را۔ و روایت کردہ است ابو منصور بغدادی از یونس بن عبدالاعلی کہ شافعی استعجاب کرد مرا سوئے غلے کہ در دے قینہ بود و غننی مے کرد۔ چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی! آیا خوش داری تو این را؟ ہم گفتیم نہ۔ گفت اگر راست می گوئی نیست ترا حس صحیح۔ یعنی خوش داشتن غنا علامت سلامت طبع و حس است و ناخوش داشتن نشان اعوجاج طبیعت و نقصان حس۔ و ازیں جا معلوم مے شود کہ دلچہ شرعی بہ حرمت و کراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش داشتن طبع آں را چہ فائدہ کردے؟ ----- و بالجملہ تحقیق صحیح شدہ است از

قول و فعل شافعی چیزے کہ صریح است در اباحت و نیست  
نص در تحریم۔

(ترجمہ) غزالی کہتے ہیں کہ ”امام شافعیؒ کا مذہب حرمت غنا  
نہیں ہے۔“ میں نے ان (شافعیؒ) کی بہتری تصانیف میں  
جستجو کی لیکن حرمت غنا کے بارے میں کوئی نص نہ مل  
سکی۔ ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا مذہب  
جواز سماع ہی ہے خواہ مرد، مرد سے سنے یا اپنی کنیز سے یا  
کسی ایسی عورت سے جسے دیکھنا جائز ہے اور خواہ اپنے گھر پر  
سنے یا کسی دوست کے گھر پر۔ ہاں راستے میں نہ سنے اور  
سننے میں منکرات شرعی کی آلودگی نہ ہو اور اس کی وجہ سے  
نماز کے اوقات ضائع نہ ہوں۔ ابو منصور بغدادی یونس بن  
عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ ایک بار مجھے  
اپنے ساتھ ایسی محفل میں لے گئے جہاں کنیز گانا گا رہی  
تھی۔ وہ گانے سے فارغ ہوئی تو امام شافعیؒ نے مجھ سے  
پوچھا کہ تمہیں یہ پسند آیا؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے  
فرمایا: اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم  
میں حس لطیف موجود نہیں۔“ دوسرے لفظوں میں گانے کو  
پسند کرنا سلامت طبع اور حس صحیح کی علامت ہے اور اسے  
ناپسند کرنا طبیعت کی کجی اور حس لطیف کی کمی کی نشانی ہے۔  
یہیں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ گانے کی حرمت یا  
کراہت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا  
تو گانے کا پسند کرنا بھی کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا؟ مختصر یہ ہے کہ  
امام شافعیؒ کے قول و فعل سے جو صحیح تحقیق کی بات ثابت

ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہاں گانے کا جواز صراحت کے ساتھ موجود ہے اور حرمت کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔ یہ تحقیق صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہی کی نہیں بلکہ خود امام غزالی بھی یہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۹۴ میں فرماتے ہیں۔

قال یونس بن عبد الاعلیٰ سالت الشافعی عن اباحۃ اهل  
المدينة السماع فقال الشافعی لا اعلم احدا من علماء  
الحجاز کره السماع۔

”یونس بن عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ ”میں نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ اہل مدینہ کا گانا سننے کے جواز کے متعلق کیا خیال ہے؟“ امام شافعی نے کہا کہ ”مجھے علمائے حجاز میں کسی ایسے شخص کا علم نہیں جو سماع کو مکروہ سمجھتا ہو۔“

امام احمد بن حنبل

پھر یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسی مدللج النبوة میں امام احمد بن حنبل کے متعلق لکھتے ہیں:

”اما امام احمد بن حنبل“ صحیح شدہ است روایت کہ  
وے شنیدہ است غنا را نزد پدر خودش کہ نام وے صالح  
است۔ روایت است از ابو العباس فرغانی کہ می گفت :  
شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفتہ بودم کہ دوست  
می داشتم سماع و بود پدر من کہ ناخوش می داشت آن را  
پس وعدہ کردم ابن جناہ را کہ باشد نزد من شے۔ پس باشید  
نزد من تا دامنم کہ خواب کرو پدر من۔ پس شروع کرد  
ابن جناہ در مخفی پس شنیدم آواز پائے را بر بام۔ پس



برآمد ہالائے بام و دیدم پدر خود را ہالائے بام کہ می شنود  
 غنار او دامن در زیر بغل اوست و دے می خرامد ہالائے بام  
 گویا کہ رقص می کند۔ و مثل این قصہ از عبد اللہ بن احمد  
 بن حنبل نیز منقول است و این دلالت دارد بر اباحت سماع  
 نزد دے رحمۃ اللہ علیہ و آنچه منقول است مخالف این  
 محمول است بر غنائے مذموم و مقترن بہ فحش و منکر۔ و  
 روایت کردہ است از احمد کہ دے شنید قوالے را نزد پسرش  
 صالح و انکار نہ کرو۔ پس گفت پسر دے : اے پدر آیا نہ  
 بودی تو کہ انکار می کردی و مکروہ می داشتی تو آں را؟ گفت  
 : بہ من چنان رسانیدہ اند کہ استعمال می کنند با دے منکر  
 را۔

(ترجمہ) امام احمد بن حنبل کے متعلق صحیح روایت یہ ہے کہ  
 انھوں نے اپنے فرزند صالح نامی کے پاس گانا سنا ہے۔ ابو  
 العباس فرغانی کہتے ہیں کہ میں نے صالح بن احمد بن حنبل کو  
 یہ کہتے سنا ہے کہ : میں تو گانا سننے کو بہت مرغوب رکھتا تھا  
 اور میرے والد کو یہ پسند نہ تھا۔ میں نے ابن جنادہ سے  
 ایک بار وعدہ لیا کہ وہ ایک رات میرے پاس گزارے۔  
 مجھے جب یہ محسوس ہو گیا کہ میرے والد سو گئے ہیں تو ابن  
 جنادہ نے گانا شروع کیا۔ میں نے کوٹھے پر پاؤں کی چاپ سنی  
 اور میں چھت پر آگیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد گانا سن  
 رہے ہیں اور بغل میں اپنے دامن کو دہائے ہوئے ادھر  
 سے ادھر ٹھل رہے ہیں، گویا رقص کر رہے ہیں۔  
 ---- عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے بھی اسی قسم کی

روایت منقول ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد کے نزدیک گانا مباح ہے اور جو کچھ اس کے خلاف منقول ہے وہ ایسے گانے پر محمول ہے جو بے حیائی اور منکرات سے وابستہ ہو۔ امام احمد کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند صالح ثانی کے پاس ایک قوال سے گانا سنا اور اس پر کوئی نکیر نہ کی۔ اس پر آپ کے صاحبزادے نے پوچھا کہ : ابا جان! کیا آپ وہی نہیں جسے اس سے انکار تھا اور جو اسے مکروہ سمجھتا تھا؟ آپ نے جواب دیا : بھی مجھے جو اطلاعیں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگ گانے کے ساتھ منکرات کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔“

امام اعظمؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق صرف سرود ہمسایہ والا واقعہ یاد دلانا کافی ہے جس کو صاحب تذکرہ حمدونیہ نے، ابن قتیبہؒ نے، مطرزیؒ نے، ادوفیؒ نے، رمادیؒ نے اور بھی کئی ایک ثقافت نے ذکر کیا ہے۔ رمادی (المعروف کندي) نے تو اسے منظوم بھی کیا ہے۔ یہاں صرف صاحب تذکرہ حمدونیہ کا ایک جملہ سن لیجئے۔ ابن قتیبہؒ لکھتے ہیں :

حکى صاحب التذكرة الحمدونية ان ابا حنيفة و  
سفيان الثوري سئلا عن الغناء فقالا ليس من الكبار و  
لا من الصغائر -

صاحب تذکرہ حمدونیہ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ سے گانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ : نہ یہ کبیرہ گناہ ہے نہ صغیرہ

(یعنی سرے سے گناہ ہی نہیں)۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے نواب صاحب نے معلوم نہیں کس طرح یہ لکھا کہ ائمہ اربعہ نے سماع کو حرام قرار دیا ہے۔ خود نواب صاحب کا ذاتی میلان بھی جواز موسیقی کی طرف ہے اور وہ اس معاملے میں ابن حزم اور شوکانی وغیرہ کے ہم نوا ہیں جیسا کہ ہم کئی مواقع پر واضح کر چکے ہیں۔

امام شوکانیؒ

نواب صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں امام شوکانی کی ذیل الاوطار کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہ پوری عبارت لفظ بہ لفظ دیکھی ہے۔ فی الواقع بڑی جامع بحث کی ہے۔ اس میں شوکانی نے تمام مخالف و موافق روایات غنا و مزامیر کو یکجا کر دیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کی تمام روایتیں ناقابل قبول ہیں اور اس کے جواز کی روایتیں صحیح ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں — اور شوکانی ہی نہیں بلکہ سارے اہل علم محدثین اور صوفیہ بھی کہتے ہیں — کہ حرمت کی روایات صرف اس غنا کے لیے ہیں جو منکرات میں جھلا کر دے یا فرائض سے غافل کر دے۔

ایک فروگزاشت

لیکن ہمارے نزدیک یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا ذکر صرف موسیقی ہی کے سلسلے میں ضروری ہو، کیونکہ منکرات میں جھلا کرنے والی ہر مباح شے کا یہی حال ہے۔ نیز ہر مباح جہاں اپنے بیرونی عوامل کی وجہ سے خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام ہو سکتی ہے، وہاں مستحب، سنت، واجب اور فرض بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا اگر غنا و مزامیر کے سلسلے میں یہ لکھا جائے کہ یہ فلاں وجہ سے مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام ہو جاتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی ساتھ لکھ دیا جائے کہ فلاں عوامل سے مستحب، سنت، واجب اور فرض بھی ہو

جاتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں اس پہلو کو الہ علم نمایاں نہیں فرماتے۔  
 ہرکریف امام شوکانی نے نیل الاوطار میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ لیکن اس  
 سے بہت زیادہ جامع چیز وہ کتاب ہے جو شوکانی نے صرف اسی موضوع پر لکھی  
 ہے اور اس کا نام ہے ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع۔  
 اس میں شوکانی، ابن حزم، ابن طاہر، مقدسی، ابن ابی الدنیا، ابن حمدان ازہلی،  
 ذہبی، ابوبکر بن عربی، علاؤ الدین قونوی وغیرہم کی طرح اس بات کے قائل ہیں  
 کہ حرمت غنا و مزامیر کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ اس  
 کے باوجود معلوم نہیں کیونکہ انہی روایات کی پھر یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ یہ  
 اس غنا و مزامیر کے متعلق ہیں جو منکرات سے وابستہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب  
 وہ روایات ہی موضوع ہیں تو قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی تاویل و توجیہ کی  
 ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ یہ عجیب موقف ہے کہ روایات موضوع بھی ہیں  
 اور ان کے لیے صحیح مورد و محل بھی تلاش کیے جا رہے ہیں۔ رہا یہ اصول کہ  
 اگر موسیقی سے منکرات وابستہ ہوں تو وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی مسلم  
 حقیقت ہے کہ اس کے لیے کسی موضوع روایت کا سارا لینے کی ضرورت ہی  
 نہیں اور پھر خاص طور پر موسیقی کے ذکر میں اس اصول کو گھسیٹنے کی بھی کوئی  
 ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ اصول ہر مباح پر چسپاں ہو جاتا ہے، خواہ کوئی  
 روایت اس کی تائید میں ہو یا نہ ہو۔ اور ایک مباح پر کیا موقوف ہے؟ کون سا  
 مستحب، سنت اور واجب ہے جہاں یہ اصول چسپاں نہیں ہوتا؟ نفل روزہ رکھنا  
 بہت ثواب ہے۔ لیکن اگر یہ روزہ رکھنے والا اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز بھی  
 نہیں ادا کر سکتا تو یہ اصول اس روزے پر بھی چسپاں ہو گا۔ یہ تو ایک کامن  
 سنس (Common Sense) کی بات ہے۔ اسے ہر جگہ موسیقی پر خاص  
 طور سے چسپاں کرنا، اور وہ بھی موضوع روایات کا سارا لے کر، بے معنی اور  
 بے ضرورت ہے۔ ہم اس پر ماہ نامہ ثقافت (فروری ۱۹۵۹ء) میں بھی مفصل بحث

کر چکے ہیں۔ اسے دیکھ لیتا مفید ہو گا۔ اس کے علاوہ ثقافت (اگست ۵۸ء) میں یہ وضاحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ موسیقی پر حرام کا اطلاق کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار خدا کے سوا نہ رسول کو ہے نہ امت کو۔ رسول یا امیر صرف آرڈی ننس نافذ کر سکتا ہے، خواہ قصیر المیعاد ہو یا طویل المیعاد لیکن مستقلاً کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کر سکتا۔

### محرم محض یا محرم خیر

نواب صاحب نے آخر میں ایک حد تک صحیح فیصلہ دیا ہے کہ ”جب صورت حال یہ ہے کہ سماع کے متعلق مطلقاً حرمت یا اباحت کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ قلبی احوال کے اختلاف سے یہ حکم بھی مختلف ہو جائے گا۔“ پھر ابو سلیمانؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”سماع دل کے اندر کوئی ایسی نئی چیز نہیں پیدا کرتا جو پہلے سے اس میں موجود نہ ہو، بلکہ دل میں جو کچھ پہلے سے موجود ہوتا ہے، یہ اسی کو ابھار دیتا ہے۔“ یعنی یہ ایک محرم ہے جو اندر کی نیک یا بد صلاحیتوں کو باہر لے آتا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ نے یوں لکھا ہے:

”اے عزیز بعض غذا و دوا مستحیل بہ خلط غالب ہوتی ہے یعنی معدے اور جگر میں جو خلط غالب ہوتی ہے، صبح ہو یا فاسد، یہ اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ یہی حال سماع کا ہے کہ دل و دماغ میں جو خیالات ہوتے ہیں انہی کو یہ تیز کر دیتا ہے۔ پس جب تک دل و دماغ آلائش ظلماتی سے پاک نہ ہوں اور ان میں اصلی محبت کی خم ریزی نہ ہو، لایجوز السماع حقاً“ (سماع واقعی جائز نہیں)۔ کم علم ”مشیائے“ چاہے جو سمجھیں، مگر ہمارے ہاں رقاصی و ہاؤ ہو لایعبابہ

ہے۔ مقصود کچھ اور ہے۔ (شمس المعارف مکتوب بنام مولوی اسماعیل صاحب مدرس مثن سکول سیالکوٹ) بات صحیح ہے لیکن بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، جیسا کہ کرد علی القدیم والحديث کے ص ۲۱۳ میں لکھتے ہیں۔

فيها قد يجسر الجبان في ساحة الوغى و يكرم الشحيح و يرق الكثيف و يلين القاسى و يقوى الضعيف و يعدل الظالم و يعطف اللئيم۔

بعض اوقات اس (موسیقی) سے بزدل میدان جنگ میں شیر دل بن جاتا ہے، بخیل سخی ہو جاتا ہے، کثیف میں لطافت اور سخت دل میں نرم دلی پیدا ہو جاتی ہے۔ کمزور قوی اور ظالم عادل بن جاتا ہے، اور کینہ شریف ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کی تائید شاہ دلی اللہ محدث دہلوی کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جو اپنی لمعات میں لکھتے ہیں :

”نفس ناطقہ میں لطیف کیفیت پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والے کو گانا سننے کی ضرورت ہے ... اس ضمن میں اس شخص کے لیے رباب اور طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے ... اگر کند ذہن اور جامد طبیعت رکھنے والا اس سے مستفید ہوتا رہے تو وقتاً فوقتاً اس کے نفس ناطقہ میں خاص قسم کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے ... اور اس طرح کند ذہن آدمی کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔“ ترجمہ لمعات از پروفیسر سرور ص ۱۶۸

اسی طرح افلاطون نے ابن سینا نے اور کرد علی نے موسیقی کو بہت سے روحانی اور جسمانی امراض کا علاج بتایا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ”اسلام اور

موسیقی“ ص ۱۲۹ تا ۱۳۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی محرک محض ہی نہیں، بلکہ عموماً ”محرک خیر بھی ہے۔ محرک خیر سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر سامع میں یہ ظاہر شر ہو تو سماع اسے خیر سے بدل دیتا ہے۔ ابجد العلوم کی اگلی عبارت سے آپ کو معلوم ہو گا کہ خود نواب صاحبؒ بھی اسے محرک محض نہیں بلکہ محرک خیر تسلیم کرتے ہیں جس سے روحانی بلندیاں حاصل ہوتی ہیں۔

نواب صاحبؒ آگے چل کر علم الموسیقی کے عنوان کے تحت ص ۶۶۸ و ۶۶۹ میں لکھتے ہیں :

ومن الكتب المصنفة فيه كتاب الفارابی وهو اشهرها  
واحسنها وكذلك كتاب الموسیقی من ابواب الشفا  
لابن سینا و لصفی الدین عبدالمومن مختصر لطیف  
ولثابت بن قرة تصنیف نافع ولابی الوفاء الجوزجانی  
مختصر نافع فی فن الایقاع۔ والكتب فی هذا الفن  
کثیرة.... وقد اتفق الجمهور علی ان واضع هذا الفن  
لولا فیثا غورث من تلامذة سلیمان علیہ السلام....  
الی ان انتهت النبوة الی ارسطاطالیس فن فکر ارسطو  
فوضع الارغنون.... وكان غرضهم من استخراج قواعد  
هذا الفن تانیس الارواح و النفوس الناطقة الی عالم  
القدس لا مجرد اللهو و الطرب فان النفس قد یظهر  
فیها باستماع بواسطة حسن التالیف و تناسب  
النغمات بسط فتذكر مصاحبة النفوس العالیة و  
مجاورة العالم العلوی و تسمع هذه النداء۔

ارجعی ایتها النفس الغریقة فی الاجسام المدلهمة  
فی فجور الطبع الی العقول الروحانیة و الذخائر

النورانية والاماكن القدسية فى مقعد صدق عند مليك  
مقندر۔ ومن رجال هذا الفن من صار له يد طولی كعبد  
المومن فان له فيه شریفة، وخواجه عبدالقادر بن غیبی  
الحافظ المراغی له فيه كتب عديدة و قد اطال ابن  
خلدون فى بیان صناعة الغناء فمن شاء فلیرجع الیه  
فانه بحث نفیس۔

(ترجمہ) فن موسیقی میں جو تصنیفات ہیں ان میں ایک تو  
فارابی کی کتاب ہے جو سب سے زیادہ مشہور اور سب سے  
بہتر ہے۔ اور ایسی ہی عمدہ کتاب ”الموسیقی“ ہے جو بوعلی  
سینا کی کتاب الشفا کا ایک حصہ ہے۔ صفی الدین  
عبدالمومن کی بھی ایک مختصر اور لطیف تصنیف ہے۔ ایک  
منفعت بخش تصنیف ثابت بن قرہ کی بھی ہے اور ایک نفع  
بخش کتاب ابو الوفا بوزجانی (۴۴) کی بھی ہے جو مال کے فن  
میں ہے اور اس فن موسیقی میں تو بے شمار تصانیف اور بھی  
ہیں ... جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اس  
فن کو نیشا غورٹ نے وضع کیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام  
کا ایک شاگرد تھا.... اور پھر ارسطاطالیس پر یہ فن ختم ہوا۔  
پھر ارسطو نے غور و فکر کر کے ارگن باجا ایجاد کیا ... فن  
موسیقی کے قواعد مرتب کرنے سے ان لوگوں کا مقصد محض  
کھیل تماشانہ تھا بلکہ ان کی غرض یہ تھی کہ روح اور نفس  
ناطقہ کو عالم قدس سے مانوس کیا جائے کیونکہ عمدہ ربط  
(آواز کے اتار چڑھاؤ کے تسلسل) اور نغموں کے تناسب  
کے ذریعے نفس میں انبساط پیدا ہوتا ہے اور وہ نفوس عالیہ



کی ہم نشینی اور عالم علوی کا قرب محسوس کرتا ہے، اور یہ آواز سنتا ہے کہ ”اے نفس جو طبعی فُجور رکھنے والے مادی جسم میں ڈوبا ہوا ہے، ذرا روحانی عقلوں اور نورانی ذخیروں کی طرف بھی پرواز کر اور ان مقامات قدسیہ کی طرف متوجہ ہو جو خدائے ملکہ و مقتدر کے پاس سچائی کے ٹھکانے میں موجود ہیں۔“ اس فن کے بعض ماہروں کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، مثلاً عبدالمومن کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ خواجہ عبدالقادر بن غیبی، حافظ مراغی کی اس فن میں کئی کتابیں ہیں، اور ابن خلدون نے تو موسیقی پر بڑی طویل بحث کی ہے جو بڑی نفیس ہے۔ چاہو تو اسے دیکھ لو۔“

نواب صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بڑی جلیل القدر ہستیاں فنِ موسیقی کی ماہر گزری ہیں، اور اکثر نے بڑی اعلیٰ تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ ”اسلام اور موسیقی“ میں ہم نے اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ (ص ۱۲۱ تا ۱۲۸ دیکھئے)

### ایک فروگزاشت

معلوم نہیں نواب صاحب نے حضرت سلیمانؑ کے ایک شاگرد نیشاغورث کو اس فن کا موجد کیسے مان لیا حالانکہ اس سے پہلے سیدنا داؤدؑ میں یہ فن پوری طرح موجود تھا۔ زبور میں تو ہر جگہ وضاحت سے لکھا ہے کہ فلاں راگ میں اور فلاں ساز پر پڑھو۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ”اسلام اور موسیقی“ ص ۳۵ تا ۳۸) معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات غیر تحقیق شدہ باتوں کے متعلق بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے، حالانکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف ہوتی ہے۔ یا پھر یہ مان لینا چاہئے کہ بعض اوقات غلط باتوں پر بھی جمہور کا

اتفاق ہو جاتا ہے۔ فٹا غورث کو فن موسیقی کا اول واضح کہنے میں بھی اسی قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ اور ہم تو اپنے دور میں یہ تماشا بھی دیکھ چکے ہیں، بعض حضرات نے بڑی بے تکلفی سے ارشاد فرمایا کہ: ”گانے کے حرام ہونے پر اجماع امت ہے۔“ حالانکہ واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اجماع امت اس کی حلت، جواز اور اباحت پر رہا ہے، ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لیکن پروپیگنڈا یہ ہے کہ اللہ نے، رسولؐ نے اور جمہور امت کے اجماع نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

---

## قرآن میں موسیقی کا ذکر

جس وقت میں ”اسلام اور موسیقی“ لکھ رہا تھا اس وقت کئی بار قرآن پاک کی تلاوت اس نیت سے کی کہ کوئی آیت ایسی مل جائے جس میں اگر صراحۃً ”نہیں تو کناستہ“ ہی سہی حرمت غنا کا کوئی حکم موجود ہو۔ میری تلاش منفی قسم کی تھی، کیونکہ عام طور پر یہ سنا کرتا تھا کہ گانا بجانا ناجائز ہے۔ میری زندگی میں یہ تضاد بھی رہا ہے کہ بچپن سے ہمیشہ قوالی اور دوسرے گانوں سے بغایت دلچسپی لیتا رہا ہوں، جہاں کوئی نئی دھن، نیا لہجہ، اور نئے طرز کی کوئی چیز سنی اور اس کی نقالی شروع کر دی۔ ہار ہا ایسا ہوا ہے کہ میں بیمار پڑا، اور مجھ بے ماں کے بچے کی بیماری سے سارا گھر پریشان ہو گیا۔ لیکن چند ہی دنوں میں میرے گھر کی بزرگ عورتوں نے فتویٰ لگا دیا کہ بس اب یہ رو بہ صحت ہے۔ ان بزرگ عورتوں کے پاس میرے رو بہ صحت ہونے کی ایک ہی علامت تھی اور وہ یہ تھی کہ اب یہ بچہ آہستہ آہستہ گانے لگا ہے۔

اس پورے شغف کے باوجود مذہب کا بڑا گہرا نقش میرے دل پر ابھرا رہا اور اس غنائی دلچسپی کے باوجود گانے بجانے میں ایک کراہت و حرمت محسوس کرتا رہا، یا کم از کم خلاف تقویٰ سمجھتا رہا۔ اس تضاد کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جہاں ایک طرف بہت سے بزرگوں کو گانا سنتے دیکھتا تھا وہیں بہت سے بزرگوں کو

اس سے کامل اجتناب کرتے بھی دیکھتا۔ خود میرے گھر کا یہ حال تھا کہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا شاہ سلیمانؒ) خوب قوالی سنتے تھے اور میرے ماموں جان حضرت مولانا شاہ عین الحقؒ اس سے کامل اجتناب فرماتے تھے۔ میرے دل پر آج تک ان دونوں کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا ایسا سکھ بیٹھا ہوا ہے کہ غالباً مرتے دم تک اسے دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ یہ سن لیجئے کہ مولانا شاہ عین الحقؒ اپنی خاندانی خانقاہ کی گدی چھوڑ کر ”وہابی“ یا اہل حدیث ہو گئے تھے لیکن چونکہ میرے والد ماجد کے پیر و مرشد کے صاحبزادے بھی تھے، اس لیے وہ ماموں جان کی دست بوسی کرتے تھے، حالانکہ ماموں ان سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ جب وہ ہوتے میرے والد نماز کا امام ان ہی کو بناتے تھے۔ میں بچپن میں یہ سب باتیں دیکھا کرتا تھا کہ ایک گانا سننے والا اسے امام بنا رہا ہے جو گانا بجانا جائز ہی نہیں سمجھتا اور اس سے سن میں چھوٹا بھی ہے۔ اس کا اثر میرے لاشعور پر یہی پڑ سکتا تھا کہ گانے بجانے سے احتراز کرنے والا زیادہ متقی ہوتا ہے، ورنہ وہ کیوں امامت کرتا جبکہ وہ سن میں بھی چھوٹا ہے۔

اس کے بعد ایک تضاد اور بھی میرے سامنے آیا جس نے مدتوں مجھے چھیدگی میں مبتلا رکھا۔ مولانا شاہ عین الحقؒ ہو تو گئے تھے اہل حدیث مگر ننہیجہ“ وہ اہل حدیث حضرات کے بہت بڑے ”پیر“ بن گئے۔ نواب سید صدیق حسن خاں اور میاں نذیر حسین مونگیری ثم دہلوی کے بعد شاید اتنا بڑا معزز کوئی اہل حدیث نہ ہوا ہو گا۔ یہ خود میاں صاحب کے شاگرد بھی تھے۔ اس اہل حدیثیت کے باوجود ان میں ایک تضاد بھی دیکھا کرتا تھا۔ میرے یہ ماموں جان قوالی کو ناجائز سمجھنے کے باوجود گراموفون خوب سنا کرتے تھے اور اسے جائز بتاتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ غنا و مزامیر نہیں بلکہ صرف اس کی نقل ہے، جو مقید کر لی گئی ہے اور جو فتویٰ اصل پر ہو وہ نقل پر نہیں ہو گا۔ اگر ریکارڈ میں نماز بھر لی جائے تو اس کے پیچھے اقتدا جائز نہیں ہو گی۔ کیونکہ اصل نماز اور اس کی

مقید شکل نقل کا حکم الگ الگ ہے۔ (موصوف کا یہ استدلال مزاجی انداز لیے ہوئے تھا۔ شرعی استدلال کیا تھا؟ مجھے اس کا علم نہیں)۔

یہ تضاد میرے لیے اور بھی عجیب تھا۔ غرض میں ہمیشہ ایک کشمکش میں مبتلا رہا۔ فطری ذوق گانے بجانے کی طرف مائل کرتا تھا اور مذہبی خیال کبھی اس کی طرف لے جاتا اور کبھی اسے خلاف تقویٰ بتاتا۔ غرض اسی ”کشمکش“ میں گزریں مری زندگی کی راتیں کہ:

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

کسی نے خوب کہا ہے:

خال او فتویٰ دہد از کعبہ و رہت خانہ شو

زلف او دعویٰ کند گر عاقلی دیوانہ شو

اس ”خال“ اور اس ”زلف“ کا لطف وہی لے سکتا ہے جس نے ان

دونوں بزرگوں کو دیکھا ہو۔

یہ کشمکش مدتوں جاری رہی تا آنکہ میں ندوۃ العلماء سے فارغ ہو کر آ

گیا۔ مگر اس سند فراغ کے باوجود ”غنا و مزامیر“ کے بارے میں یہی کشمکش رہی کہ:

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ میکدہ

اے خضر رہ بگو کہ طریق صواب چیت

پھر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کپور تھلہ کی شاہی مسجد کا امام و خطیب رہا۔

مگر اس دوران میں بھی اس کشمکش سے باہر نہ نکل سکا۔ پاکستان آنے کے بعد

بھی عرصہ دراز تک اسی الجھن میں رہا۔ اور یہی مسلسل کشمکش تھی جس کی وجہ

سے میں نے قرآن کریم کو اسی منفیانہ نگاہ سے دیکھا۔ یعنی یہ گویا پہلے سے طے

تھا کہ قرآن میں اس کے جواز کا کوئی اشارہ تو ہو گا ہی نہیں۔ لہذا اگر ہو گا تو

عدم جوازی ہو گا۔ لہذا اسی کی تلاش کرتا رہا کہ وہ کون کون سی آیات ہو سکتی ہیں جن میں غنا و موسیقی کے ناجائز ہونے کا ذکر ہو۔ جن آیات سے بعض اہل علم نے اس کا عدم جواز نکالا ہے، وہ میں نے ”اسلام اور موسیقی“ میں درج کر دی ہیں۔ لیکن ایمان کی بات یہ کہ ان اہل علم کے استدلال سے مجھے بالکل تسکین نہ ہو سکی، اور اس کی وجہ میں نے کتاب مذکور میں لکھ دی ہیں۔

”اسلام اور موسیقی“ میں بھی میرا جو کچھ رجحان ہے وہ خود میری ذہنی کھمکش کا آئینہ دار ہے۔ اس میں دراصل ہم نے مختلف رائیں جمع کر دی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں تین مسلک ہیں :

- ۱۔ فقہا عام طور پر اسے مطلقاً حرام بتاتے ہیں۔
  - ۲۔ محدثین عام طور پر مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔
  - ۳۔ صوفیہ عام طور پر جواز کے قائل ہیں لیکن سخت شرائط کے ساتھ۔
- میں نے کتاب میں یہ تینوں مسلک پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید اور اپنے ذوق کے مطابق جس مسلک کو چاہیں پسند کر لیں۔ میری ذہنی کھمکش ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ ”امروز“ لاہور مورخہ ۶ فروری ۱۹۵۸ء لکھتا ہے کہ :

”اس قیمتی جائزے کے بعد (مصنف نے) اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔ ہماری رائے میں اس کتاب کی یہ کی دراصل اس کی خامی ہے۔ مصنف خود ایک قبح عالم دین ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے اسلام میں موسیقی کے مقام پر اپنا فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔“

فیصلہ تو میں دے چکا ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس میں بھی کھمکش کی جھلک موجود ہے۔ اور اسی کھمکش کی وجہ سے قرآن کو جب دیکھا تو اسی منہیانہ نقطہ نظر سے دیکھا کہ اس میں عدم جواز کا پہلو کہاں کہاں ہے۔

لیکن چند دن ہوئے اپنے ایک محترم دوست کی بدولت ایک مثبت تجسس بھی پیدا ہوا، یعنی یہ خیال آیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن میں موسیقی و نغمات کا کوئی ذکر ہی نہیں، در اس حالے کہ وہ زندگی کے بے شمار جمالیاتی گوشوں کا ذکر کرتا ہے۔ زمین سے آسمان تک، مجروات سے محسوسات تک، جو اہر سے حیوانات بلکہ انسان تک اور پھر دنیا سے آخرت تک کے بے شمار جمالیات کا تذکرہ کرتا ہے۔ مگر نغمہ و سرود کا کہیں ذکر تک نہیں کرتا۔ جنت اور جنتی زندگی کی تمام نعمتوں اور جمالیاتی پہلوؤں کو طرح طرح کے نئے نئے انداز سے بیان کرتا ہے اور موسیقی و غنا کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا۔ کیا حسن سماع انسانی فطرت سے اس قدر دور ہے کہ اس کا ذکر تک نہ آئے؟

لیکن دو آیتوں نے میری الجھن دور کر دی۔ پہلی آیت یہ ہے:

ادخلوا الجنة انتم وازواجکم تحبرون (۷۰:۳۲)

تم اور تمہارے جوڑے جنت میں جاؤ جہاں تمہیں نئے سنائے جائیں گے۔

دوسری آیت جو اسی مضمون کی ہے، یہ ہے:

فاما الذین آمنوا و عملوا الصلحت فہم فی روضة

یحبرون (۱۵:۴۰)

جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کیے، وہ جہن میں نئے سن رہے ہوں گے۔

”حبرہ“ کے معنی ”سرور“ کے بھی ہیں اور ہمیں اس سے انکار کی کوئی

وجہ نہیں۔ عام مترجمین یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ وہاں سرور ہوں گے، مگر

ہوں گے۔ لیکن امام شریف مرتضیٰ حسینی زبیدی تاج العروس جلد ۳ ص ۱۱۸

میں ایک اور معنی لکھتے ہیں:

الحبرة بالفتح السماع فی الجنة وبہ فسر الزجاج الآیة

وقال ايضا "الحبرة فى اللغة كل نعمة حسنة محسنة۔

حبرہ (حاکے زبر سے) سے مراد ہشتی نغمہ ہے اور زجاج نے آیت (مذکورہ بالا) کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ حبرہ لغت میں ہر اچھے گانے کو کہتے ہیں۔"

زجاج لغت اور نحو کے اسی طرح امام ہیں جس طرح راغب اصفہانی (صاحب مفردات)۔ اگر راغب کی رائے بطور سند پیش کی جاسکتی ہے تو زجاج کا قول بھی اسی طرح سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

البستان عربی کا سب سے آخری مستند لغت ہے جس کے مولف شیخ عبد اللہ البستانی البستانی ہیں۔ یہ حبرہ کے معنی لکھتے ہیں:

.... وکل نعمة حسنة محسنة.... والسماع للانعام فى الجنة۔

"یعنی ہر عمدہ گانا.... اور (خاص طور پر) جنت میں گانوں کا سننا۔"

پھر ہمارے دوست مولانا عبد الحفیظ بلیاوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء اپنی "مصباح اللغات" میں حبرہ کے معنی یوں لکھتے ہیں:

خوشی، نعمت، ہر عمدہ راگ۔ یہی المنجد میں بھی ہے، یعنی کل نعمة حسنة (ہر اچھا گانا)۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں بڑی اور ناقابل انکار تفسیر حدیث ابو موسیٰ اشعری ہے جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے ان کی قرآن خوانی سن کر فرمایا کہ:

لقد لو نیت مزماراً من مزامیر آل دلود۔

تمہیں تو لکن داؤدی عطا ہوا ہے۔

یہ سن کر ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ میری قرآن خوانی کو سن رہے ہیں تو:



لحبر نہ لک نجبیر<sup>۱</sup> (رواہ مسلم و الترمذی عن ابی موسیٰ)

میں اور زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔

نجبیر کے معنی بحار الانوار میں یوں لکھے ہیں:

یرید تحسین الصوت و تحزینہ۔

اس سے مراد خوش آوازی اور سوز و درد ہے۔

مزمرا من مزامیر آل دلاؤد کی تفسیر یہ ہے:

ماکان یترنم بہ من الاناشید و الادعیۃ۔

حضرت داؤد جو اشعار یا دعائیں ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

مزار کی اس تفسیر کو نجبیر کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھئے تو حبرہ کے

معنی خوش آوازی، خوش الحانی، ترنم اور نغمے ہی کے ہوں گے۔ اس لیے زجاج

کی تفسیر کو محض مہمل سمجھ کر نظر انداز کر دینا قرین انصاف نہ ہو گا۔ ہمیں

دوسری تفسیروں کو (جس میں تحبرون و یحبرون کے معنی سرور یا نعمت کے

بتائے گئے ہیں) غلط ٹھہرانے کا حق نہیں، لیکن جس طرح زجاج کی تفسیر کو چھوڑ

دینا کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح دوسری تفسیروں کو نظر انداز کر کے زجاج کی تفسیر

قبول کر لینا بھی کوئی معصیت نہیں، اور کیوں ہو جبکہ ”نغمہ و سرود“ بھی دنیا میں

ہمیشہ سے ”نعمت و سرور“ کا جزو رہا ہے۔

اگر قرآن صاف لفظوں میں نغمہ و غنا کا ذکر نہیں کرتا تو اس سے اس کے

نعمت و سرور ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ بے شمار دنیوی اور اخروی نعمتوں کا

قرآن نے ذکر کیا ہے لیکن پھولوں کے چمن اور تختہ ہائے گل کا صاف لفظوں

میں کسی جگہ ذکر نہیں۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پھولوں کی

کیاری کوئی نعمت الہی نہیں؟ فی روضۃ میں اگر رنگ برنگ کے پھولوں کو بھی

داخل مانا جائے تو نجبرون میں نغمہ و سرود کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ یہ

صاف لفظوں میں دعویٰ کر دینا چاہئے کہ جنت میں اور تو ساری نعمتیں ہوں گی

لیکن جنت نگاہ پھول نہیں ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنت میں وہ سب کچھ ہو گا جو یہاں مرغوب ہو سکتا ہے۔

ولکم فیہا ما نشنہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون۔  
تمہارا دل جو کچھ خواہش کرے گا اور تم جو کچھ مانگو گے، وہ وہاں ہو گا۔

وہاں جس طرح بہشت نگاہ، خلد زباں اور دوسری جنتیں ہوں گی، اور کانوں کی بھی جنت ہوگی اور وہ نغمہ و سرود ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یحیرون کی زجاجی تفسیر بالکل قرن قیاس، مطابق عقل اور تقاضائے فطرت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک فیصد سے بھی کم کور ذوق اور خشک زاہدوں کی خاطر خدا ننانوے فیصد سے زائد جنتیوں کو نغمہ و سرود کے ناقابل انکار لطف و نعمت سے محروم کر دے۔

---

## موسیقی کی حلت و حرمت

ہم نے سابق مضمون میں لکھا تھا کہ قرآن میں بھی موسیقی کا ذکر بہ سلسلہ نعمائے جنت موجود ہے اور اس سے ہم نے یہ نتیجہ بھی نکالا تھا کہ چونکہ جو نعمتیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔ اس لیے اگر بہشتی نغموں میں موسیقی بھی ہے تو اسے یہاں بھی حلال ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ اس مضمون کا اتنا زیادہ اثر لیا جائے گا، اور چار چار جرائد اس پر سختی سے نوٹس لیں گے۔ سب سے پہلے ”ایشیا“ لاہور مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۵۸ء نے میرا پورا مضمون شائع کیا اور اس پر ایک نوٹ لکھا۔ پھر مئی کے ماہنامہ ”الارشاد“ کراچی نے ایک نوٹ سپرد قلم فرمایا۔ اور مئی کے ماہنامہ ”رحیق“ لاہور نے بھی خامہ فرسائی کی۔ اور ”صدق جدید“ لکھنؤ مورخہ ۲۳ و ۳۰ مئی میں مولانا مجیب اللہ ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کا ایک تنقیدی مراسلہ شائع ہوا۔

موخر الذکر ندوی عزیز نے ایک علمی انداز اختیار کیا ہے جس سے مجھے مسرت ہوئی۔ لیکن باقی حضرات نے صرف استہزاء و طنز سے دلائل کا کام لینے کی کوشش کی ہے، اس لیے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کا کیا جواب دوں؟ تنقید کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ .... فلاں استدلال غلط ہے اور اس بنا پر غلط ہے۔ فلاں نتیجہ صحیح نہیں نکالا گیا ہے اور اس کی یہ دلیل ہے۔ فلاں حوالہ

درست نہیں اور صحیح یوں ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کسی نے یہ طرز اختیار نہیں کیا۔ ہر ایک کا انداز یہ ہے کہ .... تم نے ناچ گانے کو جائز قرار دے دیا۔ کل فحشاء و منکر کو بھی جائز کر دو گے۔ تمہارا ادارہ قائم ہی اس لیے ہوا ہے کہ مغرب زدہ لوگوں کے رجحانات کی تائید میں اباحت کا دروازہ کھول دے۔ تم بچنے سے کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان ”پر زور دلائل“ کا تو میرے پاس جواب نہیں۔ اس لیے انداز گفتگو میں سب سے پہلے اپنی شکست فاش یا شاندار پسپائی کا اعتراف کیے لیتا ہوں۔

ہاں ان تمام تنقیدات میں ایک چیز مشترک نظر آتی ہے جس نے ایک نئے بحث کا دروازہ کھول دیا ہے، یعنی ان چاروں حضرات نے صاف لفظوں میں یا اشارۃً ”موسیقی اور آلات موسیقی کو حرام قرار دیا ہے اور حرام ہی فرض کر کے گفتگو کا آغاز فرمایا ہے۔ اس حق تحریم کے غلط استعمال میں ہم ان حضرات کا تصور نہیں سمجھتے کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے شروع ہی سے ایک خاص شکل دے دی گئی ہے۔ اور کسی نے یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ ان حقائق کو بھی اجاگر کرے جو بہ بہ دبیز پردوں میں روپوش ہو گئے ہیں۔ عرصہ دراز سے منتشر قسم کے مولویوں نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ گانا بجانا حرام ہے اور الغناء اشد من الزنا لیکن انہوں نے کبھی یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ آخر اس دعوے کی کوئی دلیل بھی ہے یا یوں ہی بکوا کان لے اڑا ہے۔

ہمیں اس بحث پر قلم اٹھانے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ہمارے نزدیک ایک حلال کو حرام قرار دینا بھی اتنا بڑا جرم ہے جتنا بڑا جرم حرام کو حلال بنانا ہے۔ خنزیر کو حلال کئے والے اور بکری کو حرام بتانے والے میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں۔

## تحلیل و تحریم کا حق

اس لیے کہ حلال یا حرام کا قانون دینے کا حق ہمارے نزدیک خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی سن لیجئے کہ ”ایشیا“ جس جماعت کا ترجمان ہے اس جماعت کے تمام لٹریچر کی اساس اسی نکتے پر ہے کہ تحلیل و تحریم کا حق خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

يا ايها الذين آمنوا لا تحرموا ما احل الله لكم (۵: ۸۷)

اے مومنو! اللہ نے جو طہیات تمہارے لیے حلال کیے ہیں انہیں حرام نہ کرو۔

رسولؐ کی حیثیت بھی صرف اس قدر ہے کہ :

(الف) صرف خدا کے حرام کردہ کو حرام اور اس کے حلال کردہ کو حلال بنائے۔

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں :

ولا حل لكم بعض الذی حرم علیکم....

میں بعض حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں۔

یہ اختیار حضرت مسیحؑ کو خود نہ تھا بلکہ وحی نے جن بعض چیزوں کو پہلے حرام کیا تھا ان کو حضرت مسیحؑ نے اب وحی سے ہی حلال کیا۔

(ب) رسولؐ کسی مصلحت سے کسی چیز کو اپنے اوپر خود حرام کر سکتا ہے۔ لیکن صرف وہیں جہاں خدا کا کوئی واضح قانون موجود نہ ہو....

الا ما حرم اسرائیل علی نفسه من قبل ان تنزل التوراة.....

حضرت یعقوب نے اونٹ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، لیکن

یہ تورات کے قانون حلال و حرام کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔

واضح قانون حلت موجود ہونے کے بعد رسول کو بھی یہ اجازت نہیں کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔ حضورؐ نے شہد (یا ماریہ قبیلہ) کو اپنے اوپر حرام فرمایا تو خدا کی طرف سے باز پرس ہوئی کہ :

لم تحرم ما احل الله لك؟

جسے خدا نے تیرے لیے حلال کیا ہے اسے تو حرام کیوں کرتا ہے؟

(ج) خدائی قانون جہاں خاموش ہو وہاں رسول کو یہ پورا حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے اصولی قانون کے تحت کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے.....

ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبث...

رسول ان کے لیے طيبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ طيبات کی حلت اور خبائث کی حرمت خدا کی طرف سے ایک اصولی کلیہ ہے اور خود خدا نے بھی اسی اصول کے مطابق نام لے لے کر بعض چیزوں کو حلال یا حرام کیا ہے۔ لیکن جہاں قرآن خاموش ہے وہاں رسول اپنی بصیرت سے کسی شے کو خبائث میں داخل کر کے حرام یا طيبات میں شمار کر کے حلال کر سکتا ہے۔ اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے اور ساری امت سے زیادہ وہی اس کا حق دار ہے۔

عارضی اور دائمی حرمت و حلت

۱۔ رسول کی تعمیل و تحریم عارضی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً بنی عبد قیس پر حضورؐ نے شراب کے بعض برتنوں کا استعمال حرام کیا۔ یہ حکم عارضی تھا

اور مصلحت ختم ہونے کے بعد اس کی حلت پھر لوٹ آئی۔ یا زیارت قبور کی حرمت عارضی تھی جو اپنی اصلی حلت پر لوٹ آئی۔

۲۔ رسول کی یہ تحریم دائمی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضورؐ نے ایک عورت اور اس کی سگی بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ یہ حرمت ابدی (۴۵) ہی سمجھنی چاہئے۔ عارضی اور دائمی تحلیل و تحریم قرآن سے سمجھی جاسکتی ہے۔

۳۔ رسول کی بعض تحلیل و تحریم ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن کے متعلق یہ تشریح واضح نہ ہو کہ یہ ابدی ہے یا دائمی مثلاً ریشم اور سونے کے استعمال کی ممانعت یا بعض اقسام بیع کی حلت و حرمت۔

ان تمام قسموں کے متعلق یہ گنجائش بہر حال موجود رہے گی کہ:

(الف) جس روایت میں کسی چیز کی حلت و حرمت بیان کی گئی ہے وہ از روئے درایت و روایت صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی دور میں اسی روایت کی صحت مشتبہ ثابت ہو اور حکم بدل جائے۔

(ب) یہ امکان بھی ہر وقت موجود ہے کہ ایک روایت بالکل صحیح مان لی جائے لیکن اس کی حلت و حرمت کے حکم کو کسی ایسی مصلحت پر مبنی قرار دیا جائے جو کسی دوسرے دور میں موجود نہ رہے۔

(ج) یہ امکان بھی ہر نوع موجود ہے کہ ایک صحیح روایت کی حلت و حرمت کو کسی دور میں ابدی مان لیا گیا ہو اور دوسرے دور میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ عارضی حلت و حرمت تھی یا اس کے برعکس۔

میرے ایک محترم دوست نے اس سلسلے میں ایک قابل غور نکتہ یہ بھی

بیان کیا کہ رسول جب اپنی بصیرت سے عارضی یا دائمی حلت و حرمت کا حکم دے تو اس کا انداز یہ ہو گا کہ خباثت کی حرمت میں شدت پیدا کرے گا اور طہیات کی حلت میں اور سہولت دے گا۔ اس کا انداز یہ نہیں ہو گا کہ خباثت کا شاہد رکھنے والی چیز میں تسہیل سے یا طہیات سے قرب رکھنے والی شے میں تشدد سے کام لے۔ یعنی نہ وہ اباحت کا دروازہ کھولتا ہے نہ تنقیف و تشدد پیدا کرتا ہے۔

غرض خدا کی اور رسول کی تحریم و تحلیل میں بڑا فرق ہے۔ خدا کے قانون تحلیل و تحریم میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے کا کسی کو حتیٰ کہ رسول کو بھی اختیار نہیں۔ وہ ابدی، دائمی، غیر متغیر و غیر متبدل ہے۔ لیکن خدا کے عمومی اصول تحریم و تحلیل کی روشنی میں رسول جو تحلیل و تحریم کرتا ہے اس کا ابدی ہونا ضروری نہیں۔ اگر اللہ اور رسول دونوں کی تحریم و تحلیل ابدی ہوں تو پھر دونوں میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

### ایک ضروری آیت

سورۃ توبہ میں ہے:

ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ....

بعض اہل کتاب اس چیز کو حرام قرار نہیں دیتے جو اللہ اور

اس کے رسول نے حرام قرار دی ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تحریم و تحلیل کے اختیار میں اللہ اور اس کا

رسول دونوں برابر ہیں۔ اس سے بڑا اور کوئی شرک نہیں ہو سکتا۔ جب عدی

بن حاتم نے حضورؐ سے یہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے جاہلیت میں کبھی

اپنے اہبار و رہبان کو اپنا رب نہیں بنایا۔ پھر یہ اللہ نے کیا فرمایا ہے کہ:

اتخذوا اہبارہم و رہبانہم لربابا من دون اللہ و المسیح



ابن مریم۔

یہ اپنے احبار و رہبان کو اور مسیح بن مریم کو خدا کے مقابلے میں رب بناتے ہیں۔

تو حضورؐ نے جواب دیا کہ ان احبار و رہبان کے حلال کردہ کو حلال اور ان کے حرام کردہ کو حرام تسلیم کر لینا ہی ان کو رب بنانا ہے۔ (۴۶) اس حدیث کا مطلب ہی یہ ہے کہ تحریم و تحلیل صرف خدا کا حق ہے۔ رسول اسی تحلیل و تحریم کو پیش کرتا ہے اور اپنی بصیرت و اجتہاد سے صرف ان ہی چیزوں کو حلال یا حرام کرتا ہے جن کے متعلق وحی خاموش ہو اور وہ اس کی نگاہ میں وحی کے دیئے ہوئے کسی اصول یا کلیے کے اندر آتی ہوں، یا وقتی طور پر کوئی مصلحت یا حکمت اس کا تقاضا کرتی ہو۔ (۴۷) آیت بالا میں حضرت مسیح بن مریم کا بھی ذکر ہے، یعنی تحلیل و تحریم کے معاملے میں وہ بھی خدا کے سامنے بے بس ہیں۔ اس لیے آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم (میں بعض ان چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں) تو اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ خدا کی حرام کردہ شے کو حضرت مسیح نے اپنی طرف سے حلال کر دیا تھا، بلکہ گزشتہ شریعت میں جو بعض چیزیں حرام تھیں ان کو خدا ہی کے حکم سے حضرت مسیحؑ نے حلال کیا تھا نہ کہ اپنی طرف سے۔ کسی پیغمبر کو اس کا اختیار حاصل نہیں اور کسی پیغمبر کے لیے اس کا حق تسلیم کرنا اسے رب بنانے کے مترادف ہے اور یہ شرک ہے۔

حلال و طیب

یہاں آگے چلنے سے پہلے چند ضروری نکتے پیش نظر رکھنے چاہئیں:

- ۱۔ قرآن نے جن چیزوں کو جائز کیا ان کے لیے ”حلال طیب“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حلال تو وہ چیز ہے جو قانوناً حلال ہو۔ لیکن ہر حلال کا

استعمال ضروری نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر شخص ہر حلال کو ضرور استعمال کرے۔ استعمال وہی حلال چیز کی جاتی ہے جو اپنے آپ کو اچھی لگے، اسی کو طیب کہتے ہیں۔ مرغی کا انڈا حلال ہے، لیکن بعض لوگوں کو پسند نہیں، یا پسند تو ہوتا ہے لیکن نقصان کرتا ہے۔ اس لیے وہ پرہیز کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اسے حلال نہ سمجھے تو وہ مجرم ہو گا۔ لیکن اگر طیب نہ سمجھے تو یہ کوئی شرعی جرم نہیں۔

۲۔ دوسری چیز، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حلال و حرام کا تعلق صرف کھانے پینے کی چیزوں سے نہیں ہے۔ افکار، گفتار اور کردار سب ہی اس سے متعلق ہیں۔ قرآن میں ہے:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث۔

رمضان کی راتوں میں تمہارے لیے ”رفث“ حلال ہے۔ ظاہر ہے کہ رفث کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں۔ اس کا تعلق گفتار و کردار سے ہے۔

۳۔ امت کا اگر اجماع نہیں تو غالب ترین اکثریت اس چیز کی قائل رہی ہے کہ کسی چیز کی حلت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کی حلت کا صاف لفظوں میں ذکر ہو، بلکہ منقولہ اصل الاشیاء اباحۃ کسی چیز کی حلت کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے کہ اس کی حرمت پر کوئی نص نہ ہو۔

۴۔ جب معاملہ تحریم و تحلیل کا پیش آئے تو سب سے پہلے قرآن کو دیکھنا چاہئے کیونکہ اصل میں نص وہی ہے۔ باقی رہیں احادیث یعنی رسول کی طرف سے تحریم و تحلیل تو ہم اس کی حدود کا اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

فقہ میں حرام

اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے کہ حرام کسے کہتے ہیں؟ اس سے

آپ بڑی آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکیں گے کہ موسیقی یا غنا یا آلات غنا حرام ہیں یا حلال۔ علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار جلد ۱ ص ۶۷ میں لکھتے ہیں:

الادلة السمعية اربعة : الاول قطعى الثبوت و الدلالة  
كنصوص القرآن المفسرة و المجكمة و السنة  
المتواترة التى مفهومها قطعى۔ الثانى قطعى الثبوت و  
ظنى الدلالة كآيات المؤولة الثالث عكسه كاخبار  
الاحاد التى مفهومها قطعى۔ الرابع ظنيهما كالاخبار  
الاحاد التى مفهومها ظنى۔ فبالاول يثبت الفرض و  
الحرام و بالثانى و الثالث الواجب و كراهة التحريم و  
بالرابع السنة و المسنحوب۔

”اولہ سمعیہ چار ہیں۔ پہلی وہ دلیل (یا ماخذ) ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہے، جیسے قرآن کی مفسر یا محکم نصوص اور وہ متواتر سنت جو اپنے مفہوم میں قطعی ہیں۔ دوسری وہ دلیل جو ثبوت میں قطعی ہے لیکن دلالت میں ظنی ہے مثلاً مؤول آیات۔ تیسری دلیل اس (دوسری) کے برعکس ہے جیسے وہ احاد روایات جن کا صرف مفہوم قطعی ہے (اور ثبوت ظنی ہے)۔ اور چوتھی وہ دلیل ہے جو ثبوت اور مفہوم دونوں لحاظ سے ظنی ہے۔ پہلی قسم کی دلیل سے فرض اور (اس کے مقابلے میں) حرام ثابت ہوتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم سے واجب اور (اس کے مقابلے میں) کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور چوتھی سے سنت اور مستحب۔“

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی چیز کے فرض یا حرام ہونے

کے لیے صریح نص کی ضرورت ہے۔ نص بھی ایسی جو مفسر ہو یعنی اس میں کسی مجاز یا تاویل کا کوئی احتمال نہ ہو، یا محکم ہو جس میں تنخ و تبدیل کا کوئی احتمال نہیں ہو تا۔ پھر اس نص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ثبوت میں اتنی قطعی ہو کہ ظن کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو، اور وہ صرف دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں: قرآن یا متواتر حدیث۔ یہ بھی معلوم ہے کہ متواتر حدیثوں کی تعداد اتنی ہے کہ صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گن لیجئے۔ (واضح رہے کہ شامی نے صرف احناف کی ترجمانی کی ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے ذرا مختلف ہیں۔)

### خدا را انصاف

اب ذرا ان لوگوں سے، جو موسیقی کو حرام بلکہ اس سے بھی آگے حرام مطلق قرار دیتے ہیں، دریافت کیجئے کہ موسیقی کی حرمت کے متعلق قرآن کی کوئی نص موجود ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کے جواب میں قیامت تک وہ کوئی آیت نہ پیش کر سکیں گے۔

اس کے بعد پوچھئے کہ کوئی متواتر حدیث اس کی حرمت میں موجود ہے؟ اس کا جواب تو وہ قیامت کے بعد بھی نہ لائیں گے۔

پھر سوال یہ ہے کہ بے کار اور ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ یا تو موسیقی کی حرمت پر کوئی نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة پیش کریں، یا اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے — اور یقیناً نہیں کر سکیں گے — تو چھٹکارے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ علی الاعلان فتوائے تحریم سے توبہ کریں۔

### تنزل

اب لازماً "حرام کہنے والوں کو اپنی سطح سے نیچے اتر کر بات کرنی پڑے گی اور یہ معذرت پیش کرنی ہوگی کہ بعض اوقات مکروہ تحریمی کو بھی حرام کہہ دیا

کرتے ہیں۔ چلیے ہم اس عذر کو قبول کر لیتے ہیں۔

اب یہ مکروہ تحریمی کیسے ثابت ہو گا؟ اوپر کی عبارت سے واضح ہے کہ یہ کراہت تحریمی دو طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ یا تو وہ قطعی الثبوت مگر ظنی الدلائل ہو جیسے مودل آیات یا اس کے برعکس ہو یعنی ظنی الثبوت مگر قطعی الدلائل ہو جیسے وہ اخبار احاد جس کا مفہوم قطعی ہے اور ثبوت ظنی۔ (یہ مکروہ تحریمی واجب کے مقابلے میں ہوتا ہے)۔

آیات قرآنی تو بہر حال قطعی ہیں لیکن بعض لفظ مودل ہوتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے کئی معانی ہوتے ہیں اور مجتہد ان میں سے کسی ایک معنی کی تحمین ظن غالب سے کر لیتا ہے۔ اس مجتہد کے مقلدین کے لیے اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ لیکن یہ احتمال ہر وقت رہتا ہے کہ شاید یہ غلط ہو اور صحیح وہ تاویل ہو جو دو سرا مجتہد کر رہا ہے۔ یعنی یہ واجب العمل ہونے کے باوجود ظنی ہوتا ہے۔ اور اعتقادی یا علمی لحاظ سے غیر قطعی ہوتا ہے۔ لہذا اس کے مکر کی تکفیر درست نہیں ہوگی۔ ملا جیون کی نور الانوار میں یہ ساری بحثیں ملیں گی۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوئی مودل آیت بھی قرآن میں نہیں جس سے موسیقی و غنا کی کراہت تحریمی ثابت ہو۔

اب رہے اخبار احاد تو بسم اللہ آئیے فیصلہ ہمیں آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ آپ کراہت موسیقی و غنا کے متعلق وہ تمام روایتیں پیش فرمائیں جو قطعی الدلالة ہوں اور ہم اس کے جواب میں وہ تمام روایتیں پیش کرتے ہیں جن سے نہ فقط جواز بلکہ اس کا سنت اور مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن آپ حضرات خواہ مخواہ یہ تکلیف کیوں گوارا فرمائیں۔ آپ جتنی روایات بھی غنا کی کراہت تحریمی کے بارے میں پیش کریں گے، ان میں سے ہر روایت ہمارے پیش نظر ہے۔ آپ کا وقت بچانے کے لیے ہم صرف ان لوگوں

کی آرا پیش کیے دیتے ہیں جنہوں نے روایات کی تحقیق میں اپنی عمریں کھپا دی ہیں اور یقیناً ہم جیسے بے علم ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

آپ کو یہ سن کر شاید افسوس ہو گا کہ امام شوکانی نے ایک خاص رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے۔ مضمون اس کتاب کے نام ہی سے واضح ہے۔ اس کا نام ہے ابطال دعویٰ الاجماع علیٰ تحریم مطلق السماع۔ اس میں وہ ابن حزم کی رائے یوں لکھتے ہیں:

قال بن حزم انه لا يصح في الباب حديث ابداء وكل ما فيه فموضوع۔

اور ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق تو ایک بھی صحیح حدیث قطعاً موجود نہیں۔ اس بارے میں جو کچھ بھی ہے سب موضوع ہے۔

ذرا اسی کتاب کا صفحہ ۴۰-۴۱ بھی ملاحظہ فرمائیے جس میں لکھتے ہیں:

والاحادیث المروية من هذا الجنس في هذا الباب في غاية الكثرة وقد جمع العلماء مصنفات كتاب حزم و ابن طاهر و ابن ابی الدنيا و ابن حمدان لزیلی و الذہبی و غیرہم و اکثر الاحادیث فی النہی عن آلات الملاہی۔ و قد اجاب المجوزون للغناء عن هذه الاحادیث فقال الاوفوی فی الامتاع: و ضعف هذه الاحادیث الواردة فی هذا الباب جماعة من الظاهرية و المالكية و الحنابلة و الشافعية و لم تحتج بها الائمة الاربعة و لا دلود و لا سفیان و هم رؤس المجتهدين و اصحاب المذاهب المتبعة۔ و قد ذکر ابو یکر بن العربی فی کتاب احکام الاحادیث فی ذلک و ضعفها و قال لم

یصح فی التحريم شئى يعنى من جميع الاحاديث  
الواردة فى تحريم الغناء والآلات اللهوية۔ و هكنا قال  
ابن طاهر انه لم يصح فيها حرف واحد۔ وقال علاؤ  
الدين القونوى فى شرح التعرف۔ قال ابو محمد بن  
حزم لا يصح فى هذا الباب شئى۔ و لو ورد لکننا اول  
قائل به و كل ما ورد فيه فموضوع ثم حلف على ذلك

....

(ترجمہ) حرمت سماع و مزامیر کے متعلق بے شمار روایات  
مروی ہیں جن کو بعض علماء مثلاً ابن حزم، ابن طاہر، ابن  
ابی الدنیا، ابن حمدان ازلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی  
تقنیفات میں یک جا کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ احادیث  
ہیں جو آلات لمو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ ان ساری  
احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے جو غنا کو جائز بتاتے  
ہیں۔ چنانچہ کمال الدین اوفوی اپنی الامناع میں کہتے ہیں  
کہ ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ ہر ایک میں سے ایک  
جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتایا ہے جو حرمت غنا  
کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان احادیث کو نہ ائمہ  
اربعہ نے حجت مانا ہے اور نہ داؤد ظاہری نے اور نہ سفیان  
ثوری نے، حالانکہ یہ سب سرخیل مجتہدین ہیں۔ اور ان  
کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابو بکر بن العربی  
نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان احادیث کا ذکر  
کر کے ان کو ضعیف بتایا ہے۔ ابو بکر بن عربی کہتے ہیں کہ غنا  
اور آلات لمو (مزامیر) کی حرمت کے متعلق جتنی بھی

حدیثیں آئی ہیں ان میں سے ایک بھی تو صحیح نہیں۔ اور ابن طاہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایسی احادیث کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ علاؤ الدین قنوی اپنی شرح تعرف میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو سب سے پہلے اسے ہم مانتے۔ لیکن صورت حال یہ ہے اس بارے میں جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ پھر ابن حزم نے اس بات پر قسم بھی کھائی ہے۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا نا؟ اس میں روایات تحریم کے متعلق فقط شوکانی یا ابن حزم ہی کی رائے نہیں بلکہ داؤد ظاہری، سفیان ثوری، ابو بکر بن العربی، ابن طاہر، علاؤ الدین قنوی وغیرہم کے علاوہ بے شمار ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کی رائیں بھی معلوم ہو گئیں۔

ذرا اور نیچے اتریے۔ نواب سید صدیق حسن خاں، علامہ ابو القاسم اور علامہ فاکہانی کی رائے بھی سنئے۔ اپنی کتاب دلیل الطالب علی راجح المطالب میں فرماتے ہیں :

و مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی السنوخی المالکی در شرح رسالہ ابی زید گفتہ : قال الفاکہانی لم اعلم فی کتاب اللہ و لا فی سنة رسولہ حدیثا صحیحاً صریحاً فی تحریم الملاہی۔ و انما ہی ظواہر و عمومات یتناس بہا لاولہ قطعہ۔

مغرب کے مفتی علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی ابو زید کے رسالے کی شرح میں (فاکہانی کا قول) یوں نقل کرتے ہیں کہ : فاکہانی کہتے ہیں کہ مجھے ”ملاہی“ (گائے



بجائے) کی حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی،  
نہ سنت رسول میں کوئی صحیح و صریح حدیث نظر آئی.....“

ذرا سید جمال الدین محدث حنفی (تلیذ امام جزری) اپنے رسالہ جواز  
سماع (قلبی) میں جو رائے دیتے ہیں وہ بھی سن لیجئے:

و اما الاخبار التي تمسك بها بعض الفقهاء مثل  
”استماع الملاهي حرام والجلوس عليها فسق والتلذذ  
ذبها كفر“ و مثل ”ما من رجل يسمع الملاهي الا بعث  
على منكبيه (۳۸) الخ“ و غيرهما قال النووي: لا  
يصح في باب حرمة الغناء شئ منها. والامام السخاوي  
ذكر في المقاصد الحسنة في الاحاديث المشهورة  
على الالسة: ما تمسك به في باب حرمة الغناء بعض  
الفقهاء لا يصح ولا يوجد لها اصل. وذكر الشيخ ابن  
حجر العسقلاني: ما تمسك به بعض المتأخرين في  
حرمة الغناء غير مثبت لا اصل له اذ لو صح في باب  
حديث لتمسك به المجتهدون و لم يثبت في باب  
حرمة الغناء من الاحاديث صحاحها و حسانها و  
ضعافها و الذي تمسكوا بها غير مثبت لو موضوعة لا  
يتمسك بها في الاحكام. و لم يتمسك بها ابو حنيفة  
والشافعي ولا مالک ولا احمد بن حنبل ولا غيرهم  
من اصحاب المذاهب المتبوعة و اما يوجد تلك  
الاحاديث في كلام من تأخر من اتباع ائمة المذاهب و  
اتباع اتباعهم من الذين لا يعتمد عليهم في معرفة  
الصحة والسقم بل قال ابن العربي رحمة الله بعد ما لورد

تلك الاحادیث : انه لم یصح فی التحریم شی و النبی تمسک بها الفقهاء کلها موضوعه - و کذا قال ابن طاهر۔ بل قال بعض الشافعیہ : حدیث التحریم لا یوجد الا فی کتاب المنکرین (انہی مختصر ۱)

چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہا حرمت سماع کی دلیل لاتے ہیں۔ مثلاً استماع الملاہی الخ (گناہا باجا سنا حرام ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے) یا مثلاً ما من رجل الخ وغیرہ تو ان کے متعلق نووی لکھتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ امام سخاوی نے بھی اپنی مقاصد حسنہ میں ان احادیث کے متعلق جو زباں زد عوام ہیں، فرماتے ہیں کہ : بعض فقہاء نے حرمت غنا کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ ان کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔ اور ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ : حرمت غنا کے متعلق جن احادیث سے بعض متاخرین استدلال کرتے ہیں وہ نہ ثابت ہیں اور نہ ان کی کوئی اصل ہے، کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے۔ صحیح، حسن تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے حرمت غنا ثابت ہو۔ جن حدیثوں سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں، وہ سب موضوع ہیں جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ ایسی حدیثوں کو نہ ابو حنیفہ نے لیا نہ شافعی نے، نہ مالک نے قبول کیا نہ احمد بن حنبل نے، بلکہ جن دوسرے مذاہب کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے

بھی ایسی روایتوں سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت متاخر ہیں بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں اور ان پر احادیث کے صحت و سقم کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ابو بکر ابن العربی ایسی تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ: تحریم غنا کے بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے اور جن احادیث سے فقہا تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں، بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمت غنا کی حدیثیں صرف منکرین ہی کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

کچھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے بھی سنئے:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات جلد ۴ ص ۶۹ میں فرماتے ہیں:

کلام دریں مقام درازست در محل ہائے دیگر ہم بطریق فقہا و محدثین و ہم بر طریق مشائخ طریقت سخن کردہ ایم۔ محدثین می گویند پچ حدیثی در تحریم غنا صحیح نہ شدہ است و مشائخ می گویند آنچه در مقام نمی واقع شدہ مراد بداں مقرون بہ لو و لعب است و فقہا دریں باب تشدید بلیغ دارند۔ واللہ اعلم!

(ترجمہ) اس جگہ گفتگو بڑی لمبی ہے جو ہم دوسرے مقامات پر نقل کر چکے ہیں، یعنی فقہا اور محدثین کے نقطہ نگاہ سے بھی اور مشائخ طریقت کے زاویہ نظر سے بھی۔ محدثین تو کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق ایک صحیح حدیث بھی موجود نہیں، اور مشائخ کہتے ہیں کہ جہاں اس کی ممانعت

آئی بھی ہے تو اس سے مراد وہی غنا ہے جو لہو و لعب سے وابستہ ہو۔ فقہا نے اس مسئلے میں سخت تشدد سے کام لیا ہے۔

پھر مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں فرماتے ہیں:

”وہ بالجملة دریں جاسہ طریقہ است۔ یکے مذہب فقہا است و ایساں انکار می کنند اشد انکار و سلوک می کنند مسلک تعصب و عناد و الحاق می کنند فعل آل را بذنوب و کبار و اعتقاد آل را بکفر و زندقہ و الحاد و این افراط است و خروج است از طریقہ اعتدال و انصاف....“

”دوم طریقہ محدثین است و ایساں می گویند کہ ثابت شدہ در تحریم آل حدیث صحیح و نص صریح، بلکہ ہرچہ وارد شدہ دریں باب از احادیث یا موضوع است یا مطعون....“

”سوم طریقہ سادہ صوفیہ و مذہب ایساں دریں باب مختلف و افعال منہذب آمدہ....“

(ترجمہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تین مسلک ہیں۔ ایک تو فقہا کا مسلک ہے جو (سمع غنا و مزامیر کے) سخت منکر ہیں اور اس بارے میں تعصب اور عناد کا انداز رکھتے ہیں، بلکہ اس فعل کو کبیرہ گناہ اور اس کے جواز کے عقیدے کو کفر، زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہا کا یہ طرز عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے.....

دوسرا مسلک محدثین کا ہے جو کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا صریح نص موجود نہیں اور جو

کچھ ہے بھی وہ یا موضوع ہے یا ضعیف....

تیسرا مسلک صوفیہ کرام کا ہے۔ ان کا مسلک اس

بارے میں مختلف ہے اور عمل بھی باہم متخالف.....“

ان ہی شیخ عبدالحق دہلوی نے مسئلہ سماع پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس

کا نام ہے: **قرع الاسماع فی بیان احوال القوم و اقوالہم فی السماع**۔ یہ کتاب فرنگی محل لکھنؤ اور نیزاکوری کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس کا شخص خانقاہ سلیمانیہ (پہلوانی شریف) کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اس میں وہ حرمت غنا کی تمام روایتوں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

و ما ناکہ مراد ازیں اخبار و آثار و امثال آن غنائے خواہد بود کہ فعل و استماع آن بطریق لہو و لعب و داعیہ نفسانیت و شہوت حرام و درجہ بطلان باشد تطبیقا“ **بین الدلائل و حفظا“** للطرفین و محدثین را در احادیث مذکورہ دریں باب سخن ہم است، و ایٹاں می گویند کہ بیچ حدیثے صحیح دریں باب وارد نہ شدہ است۔ و اعتماد دریں باب بر قول ایٹان ست۔

ایسی تمام احادیث و آثار اور روایتوں سے مراد اسی غنا کی حرمت ہوگی جس کا گانا یا سننا لہو و لعب کے طریقے پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف لے جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے یہی تطبیق ہو سکتی ہے۔ اور محدثین کو ان احادیث کی صحت ہی میں کلام ہے جو حرمت غنا کے بارے میں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد ہی نہیں ہوئی ہے، اور اس باب میں ان کا یہی قول معتبر ہے۔

کچھ امام غزالی کی زبانی بھی سن کر قہے کو ختم کیجئے:

اعلم ان قول القائل "السمع حرام" معناه ان الله يعاقب عليه وهذا امر لا يعرف بمجرد العقل بل بالسمع و معرفة الشرعيات محصورة في النص والقياس على المنصوص واعنى بالنص ما اظهره صلعم بقوله او فعله وبالقياس المعنى المفهوم من الفاظه و افعاله - وان لم يكن فيه نص و لم يستقم فيه قياس على منصوص بطل القول بتحريم و بقى فعلا لا حرج فيه كسائر المباحات - و لا يدل على تحريم السماع نص و لا قياس - (انتهى ملخصاً) احياء العلوم -

واضح رہے کہ سماع کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر معاقبہ فرمائے گا۔ لیکن یہ فتویٰ محض عقل سے نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کا تعلق سمع (نقل) سے ہے۔ شرعی احکام یا تو منصوص ہوتے ہیں یا نص پر قیاس ہوتا ہے۔ نص سے مراد وہ چیز ہے جسے حضور صلعم کا قول یا فعل واضح کر دے اور قیاس کا مطلب وہ شے ہے جو حضور صلعم کے فعل یا قول سے مفہوم ہوتا ہو۔ پس اگر سماع کے متعلق نہ کوئی نص ہو اور نہ کسی نص پر کوئی صحیح قیاس ہو تو سماع کے حرام ہونے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اس صورت میں دوسرے مباحات کی طرح ایک ایسا مباح رہ جاتا ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہ ہو اور سماع کے حرام ہونے پر نہ تو کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی قیاس۔

ان چند اقتباسات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تحریم غنا کی جتنی

روایتیں ہیں، خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں، سب کی سب مہمل، لغو، موضوع یا غایت و رجب کی ضعیف ہیں۔ کم از کم محدثین کا تو اس پر اجماع ہے۔ رہے فقہا تو یہ کوئی ذہنی چھپی بات نہیں لکل فن رجال۔ فقہا کا یہ میدان ہی نہیں اور نہ ہی ان کی نقل کردہ احادیث پر کبھی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ہاں رطب دیا بس سب چلتے ہیں۔ یہ ناخوشگوار بحث ہم از خود یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے۔ جسے شوق ہو وہ چھیڑے۔ انشاء اللہ ہم خود تمام مذاہب کے اجلہ فقہا کا مسلک بھی عرض کر دیں گے۔ نمونے کے طور پر ہم نے ایسی چند احادیث پر اپنی کتاب ”اسلام اور موسیقی“ میں بحث کی ہے۔ اسے دیکھ لیجئے۔ پھر

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اگست کے ثقافت میں اس کی پہلی قسط شائع ہو چکی ہے جس کا خلاصہ یہ

ہے:

۱۔ تحلیل و تحریم صرف خدا کا حق ہے۔ رسول تک کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

۲۔ کسی چیز کی حرمت (بمقابلہ فرض) ثابت ہونے کے لیے (خفی اصول کے مطابق) یہ ضروری ہے کہ وہ ناقابل تاویل اور ناقابل تنسخ آیت قرآنی سے صراحتہ ”ثابت ہو یا پھر کوئی متواتر حدیث ہو جو اپنے مفہوم میں بھی قطعی ہو۔

۳۔ غنا و موسیقی کے لیے ایسی کوئی آیت یا حدیث آج تک دریافت نہیں ہو سکی۔ اس لیے اپنی طرف سے اسے حرام کہنا اپنی ربوبیت کا اعلان کرنا ہے۔ اس صورت میں توبہ واجب ہے۔

۴۔ جو چند احادیث موسیقی یا آلات موسیقی کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں وہ بہ اجماع محدثین سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور ان کا ایک

حرف بھی صحیح نہیں، اس لیے اسے مکروہ تحریمی تو درکنار مکروہ تنزیہی بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اب اس کی دوسری قسط ملاحظہ ہو۔ اس کے مباحث یہ ہیں:

- ۱۔ جو چیزیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔
- ۲۔ اگر وہ یہاں حرام کر دی گئی ہیں تو یہ حرمت دائمی نہیں بلکہ برائے مصالح ہے اور وقتی ہے۔
- ۳۔ تفسیر حبرہ معنی نعمات بہشت بالکل صحیح ہے۔
- ۴۔ لفظ حبرہ (بحیرون) کی تحقیق
- ۵۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔

### خمر جنت

ایک اور تماشا ملاحظہ ہو۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شراب جنت میں حلال اور دنیا میں حرام ہے۔ مگر دونوں شرابوں میں تمیز نہیں پیدا فرمائی جس سے ایک بڑا مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ خمر نص قطعی سے حرام ہے لیکن وہ جنت میں جائز ہے بنص قرآنی، خمر از روئے قرآن رجس من عمل الشیطان (عمل شیطانی کی ایک پلیدی) ہے اور اس کے نقصانات کے متعلق ارشاد قرآنی ہے کہ و اثمہما اکبر من نفعہما (اس کا گناہ نفع سے زیادہ ہے) نیز ارشاد ہے کہ و یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر (شیطان خمر و قمار کے ذریعے تم میں عداوت و بغض ڈالنا چاہتا ہے)۔

اب یہاں ذرا غور و فکر سے کام لے کر بتائیے کہ:

کیا جنت میں یہی شراب جائز ہوگی؟ وہ جنت کیا ہوئی جہاں شیطانی رجس، اثم اور باہمی عداوت اور بغض ہو اور ان سب کو پیدا کرنے والی مے وہاں جائز ہو جائے؟ ایک معمولی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ باوہ نوشی قطعاً



جنت میں بھی حرام ہی رہے گی۔ وہاں جو انہر من خمر لذة للشربین ہوں گی ان میں نہ رجز ہے نہ اثم ہے، نہ باہمی بغض و عناد، نہ نشہ اور مخامرت عقل، بلکہ لا یصدعون عنها ولا ینزفون: نہ درد سر ہو گا نہ نشے والی بکواس۔ لا لغوفیہا ولا نائیم: نہ فحش گوئی ہو گی نہ گناہ کی باتیں۔ غرض رجز شیطانی کا کوئی شائبہ نہ ہو گا۔ جنت میں یہی بادۂ گلگوں جائز ہے نہ کہ موجودہ شراب۔ اگر ان اعلیٰ اوصاف کا خرمیاں دنیا میں تیار ہو سکے تو اس کے جواز میں شک کرنا ہی حماقت ہے۔ ایسی ے ملے تو میں بڑے بڑے قیہوں کو قبر سے بیدار کر کے پلاؤں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جنت میں وہی شراب جائز ہے جو یہاں بھی جائز ہے اور جو یہاں حرام ہے وہ وہاں بھی قطعاً حرام بلکہ اشد حرام ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نکال لیا کہ بہت سی چیزیں حرام ہیں اور جنت میں جائز ہیں، یعنی جنت ایک ایسی جگہ کا نام ہے جہاں حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور خدا نے ان ہی چیزوں کو یہاں حرام کیا ہے جن کو بہشت میں خاص طور پر حلال کرنا مقصود تھا، یعنی جنت جیسا مقعد صدق ایک ایسی گھٹیا قسم کی سوسائٹی ہے جہاں بد معاشیاں جائز اور حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ!

### خمر کی علتِ حرمت

خمر صرف نشے اور مخامرت عقل کی وجہ سے حرام ہے۔ کل ما سکر فہو حرام۔ اگر یہ خاصیت سلب ہو جائے تو وہی خمر عین حلال ہو جاتا ہے۔ ذرا ملا جیون سے دریافت کیجئے جو فرماتے ہیں کہ: ”خمر“ (انگوری شراب) نص قطعی سے حرام ہے۔ اور مستوجب حد ہے۔ لہذا اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ خواہ نشہ ہو یا نہ ہو لیکن.....

وغیرہا لا یحرم ولا یسنو جب الحد مالہم یسکر۔

انگوری شراب کے علاوہ اور جتنی شرابیں ہیں وہ جب تک نشہ نہ پیدا کریں اس

وقت تک نہ وہ حرام ہیں اور نہ سزاوار حد (تعزیر) (نور الانوار صفحہ ۹۹)  
 مجھ سے نہیں ملا جیون سے دریافت کیجئے کہ ماسکر کثیرہ فقہیہ  
 حرام والی حدیث کیوں نہ ان کے سامنے آئی؟  
 یہی صورت ریشم اور سونے کی ہے جسے یہاں حرام اور جنت میں حلال  
 بتایا جاتا ہے۔

### سونے اور ریشم کی حرمت

ریشم اور سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو حضورؐ دو انگل ریشم کی اور سونے کے  
 دانت اور سونے کی ٹاک کی اجازت کیوں دیتے؟  
 یہ قلیل دیکھ کر باتیں ہیں۔ آگے بڑھئے اور نظر اٹھا کر دیکھئے کہ سراقہ  
 کے ہاتھوں میں کسریٰ کا طلائی کنگن ڈالا جا رہا ہے۔ یہ حضورؐ کی پیش گوئی تھی۔  
 اگر سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو یہ کون سی قابل فخر بات تھی جس کی حضورؐ نے  
 خوشخبری دی؟ کیا حضورؐ کا یہ مقصد تھا کہ سراقہ تجھے مبارک ہو تجھ سے عنقریب  
 ایک بڑا حرام کام ہونے والا ہے؟ پھر صحابہ میں زید بن حارثہ، زید بن ارقم،  
 براء، انس اور عبداللہ بن یزید تو مستقلاً سونے کی انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔  
 (طبرانی عن حمید بن عبداللہ) اور حضرت براء کو تو خود حضورؐ نے سونے کی  
 انگوٹھی دی اور فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول جو تمہیں پہنائے اسے پہنے رہو۔  
 (احمد و موصلی عن محمد بن مالک) پھر عبداللہ بن عمرؓ اپنے غلام کو سونے کی ہنسی  
 پہناتے تھے اور ابو ہریرہ ریشم کے رومال سے تھوک صاف کرتے تھے۔

کس نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ سونا اور ریشم یہاں حرام اور جنت میں  
 حلال ہے؟ اگر یہ دونوں چیزیں حرام ہوتیں تو خمر کے ساتھ اس کا ذکر کر دینا  
 قرآن نازل کرنے والے کے لیے کیا مشکل تھا؟

معاشی عدل

بات صاف ہے کہ ریٹم اور سونے کی حرمت ابدی حرمت نہیں۔ یہ معاشی انصاف کا تقاضا ہے اور اس وقت تک اسے ناجائز ہی سمجھنا چاہئے جب تک ہر اعلیٰ و اونیٰ کو یہ چیزیں یکساں سہولت کے ساتھ نصیب نہ ہوں۔ ایک وقت اجتماعی حیثیت سے قوم پر ایسا بھی آ سکتا ہے کہ اس کے ایک فرو کے لیے پیٹ بھر کھانا بھی ناجائز ہو، اور پھر وہ سراسر وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ تمام افراد لباس زریں زیب تن کر کے خدا کا شکر ادا کریں۔

### معاشی مساوات کا مطلب

جناب مدیر الارشاد نے دریافت فرمایا ہے کہ اگر معاشی عدل کے تقاضوں سے سونا حرام کیا گیا تھا تو عورتوں کے لیے کیوں جائز رکھا گیا؟ انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب بعض یا کل عورتوں کے لیے بھی سونے کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے۔ معاشی مساوات کے یہ معنی تو نہیں کہ ہر حال میں اور ہر حیثیت سے مرد و زن کو یکساں کر دیا جائے۔ اگر کوئی کہے کہ اپنی تمام اولاد کو ایک نظر سے دیکھو اور مساوات برتو، تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ اگر اپنے جوان لڑکے کو پاؤ کھلا رہے ہو تو شیر خوار بچے کو بھی وہی کھلاؤ۔ عدم مساوات تو جب ہوتی کہ بعض مردوں کے لیے حضورؐ اسے جائز اور بعض عورتوں کے لیے ناجائز کرتے۔

### احوال و ظروف کا فرق

ہم دیکھتے ہیں کہ ہند بنت سیرہ کے ہاتھ میں حضورؐ نے موٹی موٹی سونے کی انگشتریاں دیکھیں تو ان کے ہاتھ پر ضرب لگانے لگے۔ ہند جناب فاطمہ بنت رسولؐ اللہ کے پاس اس کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت فاطمہ نے اپنی گردن سے سونے کی زنجیر اتار کر ہاتھ میں رکھ لی۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لائے اور ہاتھ میں وہ طلائی زنجیر دیکھ کر فرمایا:

یا فاطمة یغرک ان یقول الناس ابنة رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) وفی بدھا سلسلۃ من نار۔

اے فاطمہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟

اس کے بعد حضرت فاطمہ نے اس کو فروخت کر کے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا:

الحمد لله الذی انجی فاطمة من النار؟

اس خدا کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے رہائی دی۔  
(رواہ الترمذی عن ثوبان)

اس حدیث کو غور سے پڑھئے۔ وہی سونا ہے جو عورتوں کے لیے حلال ہے لیکن ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ہند بنت سیرہ کے ہاتھ پر سونے کی انگشتری دیکھ کر ضربیں لگائی گئیں اور فاطمہ کی طلائی زنجیر کو آگ کی زنجیر قرار دیا گیا۔ پھر دو سرا دور آیا کہ مردوں کے لیے جو سونا حرام تھا اسی کی انگشتریاں، منسلک اور کٹکن جائز ہو گئے۔ یہ سب کچھ مختلف احوال و ظروف، جداگانہ عصری تقاضے اور الگ الگ مصالح و اجتہادات ہیں۔

یہی ریٹم جو عورتوں کے لیے جائز ہے، عبد اللہ بن زبیر کی نگاہ میں عورتوں کے لیے بھی جائز نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

لا تلبسوا نساءکم الحریر فانی سمعت عمر یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تلبسوا الحریر فانہ من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرة (یعین و ترمذی و نسائی عن ابن زبیر)

اپنی عورتوں کو ریٹم نہ پہناؤ کیونکہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ حدیث نبوی بیان کرتے سنا ہے کہ: ریٹم نہ پہنا کرو کیونکہ

جو یہاں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔  
 ان تمام باتوں پر غور فرمائیے اور پھر سوچئے کہ کیا بات یہی ہے کہ کچھ  
 چیزیں یہاں حرام اور جنت میں حلال ہو جائیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں  
 وہی ریشم وہی سونا حرام ہے جو انفرادی ہو۔ اور جنت میں یہ سب کچھ اس لیے  
 حلال ہے کہ اجتماعی ہے۔ ولباسہم فیہا حریر۔ ان سب کا لباس ریشمی ہو گا  
 نہ یہ کہ بعض کو ریشم ملے گا اور بعض کو کھدر بھی نصیب نہ ہو..... بحلون  
 فیہا من اساور من ذہب..... ان سب کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔  
 یہ نہیں ہو گا کہ کوئی تو ریشمی عبا اور سونے کے کنگن پہنے حوروں کے جھر مٹ  
 میں بیٹھا ہو اور کسی کو چاندی کی انگشتری بھی نصیب نہ ہو۔ حوروں کا ذکر آگیا  
 ہے تو ایک بات اور بھی سن لیجئے:

### چار بیویوں کی حد بندی

صدق جدید کے مراسلہ نگار نے ایک اور چیز کا بھی مزے لے لے کر  
 ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں جائز نہیں لیکن جنت میں  
 اس کی پابندی نہیں ہوگی۔ مولانا کے ذہن میں وہی فی کس ستر حوریں  
 رقص کر رہی ہیں۔ نہیں تو یہ رقص و سرود تو ایسی حرام چیز ہے جو جنت میں  
 بھی ان کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ ماننے کے باوجود کہ یہاں کی بعض حرام چیزیں  
 جنت میں جائز ہیں، غنا سے ان کو اتنا زیادہ عناد ہے کہ اسے جنت میں بھی جائز  
 ماننے کو تیار نہیں، ورنہ بحبرون والی آیت میں حبرہ کے معنی نغمہ و سرود  
 لینے میں اتنی ہچکچاہٹ کیوں ہوتی؟

مقالہ نگار کے نزدیک دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں کر سکتے اور  
 جنت میں اس کی کوئی پابندی نہیں۔ موصوف نے قرآن سے یا حدیث سے اس  
 کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ وہاں بے شمار بیویاں (حوریں) ہر فرد کے حصے میں

آئیں گی۔ بہر حال ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہاں ان کو خاص طور پر ستر حوریں ملیں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں حرام ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا تو اسلامی معاشرے کا کام ہے کہ کس دور میں کسے کتنی بیویاں رکھنے کی اجازت دے۔ اسلامی معاشرہ کسی کے لیے آٹھ، کسی کے لیے چار، کسی کے لیے صرف ایک کی اجازت دے سکتا ہے اور وہ چاہے تو کسی کو ایک سے بھی روک دے۔ ہمیں علم ہے مقالہ نگار اور وہ تمام حضرات جو ستر حوروں کے انتظار میں بیٹھے ہیں، ہمارے اس بیان پر سخت برہم ہوں گے۔ سو گزارش ہے کہ اپنا یہ غصہ ہم پر نہیں بلکہ امام شوکانی پر اتار دے جو لکھتے ہیں:

کیف یصح اجماع خالفته الظاہریۃ و ابن الصباغ و  
العمرائی و القاسم بن ابراہیم نجم آل الرسول و جماعة  
من الشیعۃ و ثلثہ من محققى المتأخرین و خالفہ ایضاً  
القرآن الکریم لما بیناہ و خالفہ ایضاً فعل رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم... و اما حدیث امرہ صلی اللہ علیہ  
وسلم الغیلان لما اسلم و تحته عشر نسوة بان یختار  
منهن لربعا و یفارق سائرهن کما اخرجہ الترمذی و  
ابن حبان فهو وان کان له طرق فقد قال ابن عبدالبر کلها  
معلولة و اعلمه غیرہ من الحفاظ بعلل اخری۔

(یہ پوری عبارت شوکانی کی وبل الغمام سے نواب صدیق  
حسن خاں نے اپنی کتاب ظفر اللاضی بمایحب فی  
القضاء علی القاضی ص ۱۴۲ میں نقل فرمائی ہے)۔

(چار بیویوں سے زیادہ کی حرمت پر) اجماع امت کا  
دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ فرقہ ظاہریہ، ابن صباغ،

عمرانی، قاسم بن ابراہیم نجم آل الرسول نیز شیعوں کی ایک جماعت اور متاخرین کی ایک محقق جماعت، یہ سب کے سب اس کے خلاف ہیں۔ (یعنی کوئی بھی ان میں چار کی تحدید کا قائل نہیں) نیز یہ خود قرآن کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، نیز خود فعل نبوی کے بھی خلاف ہے.... رسی ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان کی وہ حدیث جس میں حضورؐ نے غیلان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی دس بیویوں میں سے کسی چار کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دیں تو اگرچہ اس کی کئی اسناد ہیں لیکن ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ سب معلول ہیں اور دوسرے حفاظ محدثین نے اس کی دوسری ملتیں بھی بیان کی ہیں۔“

اسی کتاب کے صفحہ ۴ کے حاشئے پر نواب صاحب امام شوکانی کی ایک اور کتاب سیل الجدر سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں:

”اما الاستدلال علی تحريم الخامسة و عدم جواز زيادة على اربع بقول عز وجل : مثني و ثلث و ربع فغير صحيح كما لو ضحنته في شرحي لا منقضي۔  
قرآن کے الفاظ مثنی و ثلث و ربع سے یہ استدلال کرنا کہ پانچویں بیوی حرام ہے یا چار سے زیادہ بیویاں کرنا ناجائز ہے، صحیح نہیں۔ میں شرح مستقی میں بھی اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔“

نواب صاحب شوکانی کے استدلال سے اتنے متاثر ہوئے کہ قرآن سے انہیں بھی چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت ثابت ہوتی نظر نہ آئی لیکن دل یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ چار سے زیادہ جائز قرار پائیں۔ لہذا اس کی راہ یوں نکالی:

فالاولیٰ ان يستدل علی تحریم الزیادة علی الاربع  
بالسنة لا بالقرآن (فتح البیان جلد ۲ ص ۱۶۸)۔

زیادہ مناسب یہی ہے کہ چار سے زیادہ کی حرمت کا  
استدلال سنت سے کیا جائے نہ کہ قرآن سے۔

لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ شوکانی تو صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ و  
خالفه ایضا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ تو خود حضورؐ کی فعل  
سنت کے خلاف ہے۔ رہی قولی حدیث جیسے حدیث غیلان وغیرہ تو اس کے  
متعلق ابن عبد البر کہہ چکے ہیں کہ معلولہ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چار سے زیادہ بیویاں  
کرنے کی حرمت نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے نہ اجماع امت  
سے۔ جس کھونٹے پر یہ حضرات ناچ رہے تھے وہ جڑ سے اکھڑ کر ختم ہو گیا۔ لہذا  
یہ استدلال بھی اب بے معنی ہو گیا کہ چار کی تحدید صرف دنیا میں تھی اور جنت  
میں نہیں۔ ہمارے ”مولاناؤں“ کو مبارک ہو کہ امام شوکانی نے ان کے لیے  
دنیا ہی کو جنت بنا دیا ہے۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ خفگی مجھ پر نہ فرمائیے گا۔ اگر غصہ آئے تو امام  
شوکانی پر اتاریے۔ وہی تو خالم امام ہے جس نے حرمت غنا کی ساری روایتوں کو  
بالکل موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ لہذا اس پر دوہرا  
غصہ اتاریے لیکن مجھے الگ رکھ کر۔

جواز غنا پر اجماع

ذرا یہ طرفہ تماشا ملاحظہ ہو کہ جس چیز (چار سے زیادہ بیویاں کرنے) پر  
سرے سے کوئی اجماع امت نہیں وہ بھی ان مولاناؤں کے نزدیک قطعاً حرام  
ہے اور جس چیز (سبع غنا) کی حلت پر اجماع امت ہے وہ بھی ان کے نزدیک  
قطعاً حرام ہے۔ حلت غنا پر اجماع کا دعویٰ میں نہیں کر رہا ہوں۔ لہذا اس



معاملے میں بھی اگر غصہ اتارنا ہو تو شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسیؒ پر اتاریے جو اپنی کتاب فرح الاسماع (مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ صفحہ ۱۲ تا ۱۶) میں لکھتے ہیں:

من له اتساع على ذوق ومشرب ورقة قلب ادرک معنی  
السماع و من حرم ذلک فهو حمار و لا یعقلها الا  
العالمون۔ و من الادلة التی ذکرها الاجماع على  
تحلیل السماع مطلقا قالوا و ذلک لانه اشتهر من فعل  
عبد الله بن جعفر الهاشمی و عبد الله بن زبیر و  
غيرهما وانتشر ذلک فی الصحابة فی خلافة علی و  
زمن معاویة ولم ینکر ذلک ولو کان محرما لا نکره  
على فاعله وهذا هو الاجماع السکونی۔

جس کے اندر ذوق سلیم، وسیع الشرب اور درودل ہو وہی  
سماع سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، اور جو اسے حرام کہتا ہے  
وہ گدھا ہے۔ اس کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی  
مطلق حلت پر اجماع امت ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی  
ہے کہ یہ عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن زبیر کے عمل سے  
واضح ہے اور یہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے عہد میں  
صحابہ کو عام طور پر معلوم تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف  
کوئی ایکشن نہیں لیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس پر قطعاً نکیر  
ہوتی، لہذا اسے ”سکوتی اجماع“ تصور کرنا چاہئے۔

فرمائیے، اجماع حلت پر ہوا یا حرمت پر؟ اور حرام کہنے والے اپنے  
متعلق وہی لقب پسند فرمائیں گے جو شیخ طیونسیؒ نے تجویز کیا ہے؟ اجماع امت یا  
اجماع صحابہ کی ایک دلیل اور آگے بھی مذکور ہے۔ اسے بھی دیکھ لیجئے۔

آگ کی سزا

پھر محترم مراسلہ نگار صدق کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ یہاں دنیا میں جانوروں تک کو آگ کی سزا دینے سے منع کیا گیا ہے اور وہاں انسانوں کو آگ میں جلایا جائے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ہم نے کہا تو یہ تھا جو چیزیں جنت میں حلال ہوں گی وہ یہاں بھی حلال ہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں۔۔۔ (گویا جنت میں)۔۔۔ انسانوں کو بھی آگ میں جلایا جائے گا۔ اگر واقعی مقالہ نگار کا یہی مطلب ہے تو ایسی جنت ان ہی کو مبارک ہو۔ تعصب اور غلو میں ایسی بے ربط باتیں نکل جایا کرتی ہیں جو قابل معافی ہیں۔ پھر ایک عجیب قسم کی بے ربطی ملاحظہ ہو۔ ہم گفتگو کر رہے ہیں انسانوں کی اور جواب دیا جا رہا ہے خدا کے متعلق۔ مولانا یا تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے یہاں ہمارے لیے کسی جاندار کو آگ میں جلانا حرام ہے اور قیامت میں ہمارے لیے انسانوں کو آگ میں جھونکنا بالکل حلال ہو گا۔ یا پھر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ خدا کے لیے یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں حلال ہو جائے گا۔ مثال دیتے وقت آخر کچھ تو عقل پر زور دینا چاہئے۔۔۔ اور ذرا یہ بھی فرمائیے کہ سیدنا علیؑ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جنہوں نے نصیریوں کو زندہ آگ میں جلوا دیا تھا؟ اور اس حدیث کے متعلق کیا ارشاد ہے کہ خلاف وضع فطری عمل کرنے والے کو آگ میں جلا دو؟

اور بالکل یہی انداز محترم مدیر صدق جدید نے اپنے محاکمانہ نوٹ میں اختیار فرمایا ہے کہ دیکھئے وہاں نہ نماز پنج گانہ ہوگی نہ استقبال قبلہ، نہ وضو اور نہ روزہ رمضان ہو گا۔۔۔ یعنی وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ سب باتیں یہاں حلال اور وہاں حرام ہیں یا یہاں حرام اور وہاں حلال ہیں۔ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اگر مقصود یہ بتانا ہے کہ یہاں کی دنیا اور وہاں کی دنیا الگ الگ قسم کی ہے تو ہم نے کبھی نہ اس سے انکار کیا ہے نہ ایسا کوئی ارادہ ہے۔ گفتگو تو صرف یہ ہے کہ کیا یہاں کا حرام وہاں حلال اور یہاں کا حلال وہاں کا حرام ہو جاتا ہے؟ اس کے

جواب میں جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ سب کی سب بے جوڑ ہیں جس کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

### تفسیر زجاج

ہم نے لکھا تھا کہ تاج العروس میں تحجرون کی تفسیر زجاج سے نغمہ بہشت نقل کی ہے۔ اس کے جواب میں مراسلہ نگار صدق نے اپنا سارا زور اس پر صرف کر دیا ہے کہ لسان العرب میں چونکہ زجاج کی تفسیر میں لفظ قبیل آ گیا ہے لہذا دنیا کے سارے لغات میں بھی اگر اس لفظ کے معنی نغمہ و سرود لکھے ہوں تو خواہ وہاں قبیل لکھا ہو یا نہ لکھا ہو وہاں قبیل ماننا پڑے گا۔ تفسیروں میں جہاں یہ لکھا ہو کہ وقیل نسخت وہاں مولانا فوراً اس آیت کو منسوخ مان لیں گے۔ لیکن اگر لغت میں قبیل لکھا ہو تو قبیل و قال شروع فرما دیتے ہیں۔ مولانا کو یہ علم ہو گا کہ قبیل ہر جگہ ترمیض کے لیے نہیں آتا۔ لغت میں عموماً یہ لفظ قال بعض المغویین کے معنی میں آتا ہے۔ لغت لکھنے والے کو نام یاد نہیں رہتا یا وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تو قبیل لکھ دیتا ہے لیکن یہ بھی ویسا ہی مستند ہوتا ہے جیسا قال۔ دیکھا صرف یہ جاتا ہے کہ یہ قال اور قبیل لکھنے والا خود مستند ہے یا نہیں۔ اگر وہ مستند ہے تو اس کا قبیل بھی مستند ہے۔ قرآن میں کم از کم پچاس جگہ قبیل آیا ہے اور ہر جگہ اس کا وہی وزن ہے جو قال کا ہے۔ قبیل یانوح.... قبیل یارض.... قبیل ادخلوا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ اسے بھی میغہ ترمیض نہ قرار دے دیں۔

اچھا فرض کیجئے گیارہویں صدی کے شریف مرتضیٰ حسینی آٹھویں صدی کے ابن منظور سے زیادہ مستند ہیں اور انہوں نے حبرہ کی یہ تفسیر زجاج کی زبانی قبیل فرما کر نقل کی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حبرہ کے معنی نغمہ و سرود کے نہیں ہیں؟ ہم نے آخر دو سرے لغات کا بھی تو

حوالہ دیا ہے، ان کے لغوی معنی میں تو قبیل نہیں لکھا ہے۔

### (۱)

ایک مزید حوالہ منتہی الارب کا بھی لے لیجئے۔ وہ اس کے معنی لکھتے

ہیں:

”زردی دندان و نعمت و سرود بہشت و نغمہ نیو و مبالغہ در

چیزے خوب و شادی و نشاط و فراخی عیش۔“

البتہ، المجد اور اقرب الموارد کے حوالے ہم پہلے دے چکے ہیں۔

ان میں سے ایک نے بھی قبیل نہیں لکھا ہے۔ اہل لغت جب کسی معنی کو ضعیف سمجھتے ہیں تو اسے ہذا شاذ، غیر فصیح، مرجوح، ضعیف وغیرہ لکھ کر وضاحت کر دیتے ہیں۔ اگر ابن منظور نے زجاج کا قول قبیل کہہ کر نقل کیا ہے تو اس کا تعلق فقط تفسیر آیت سے ہے۔ لفظ حبرہ کے لغوی معانی سے ذرا بھی اس قبیل کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ معانی اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔ اس پر اس قبیل کا مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔

### تحقیق حبرہ

ہم نے حبرہ کے معنی متعدد لغات کے حوالے سے اچھے گانے لکھے ہیں اور حدیث لحبر نہ لک نجبیراً کو بھی اس کی سند میں پیش کیا ہے۔ مراسلہ نگار صدق نے بھی یہاں آواز میں حسن اور گداز پیدا کرنے کے معنی کو تسلیم کیا ہے۔ صاحب لسان سے اس کے معنی ”کل ما حسن من خط و کلام و شعر و غیر ذلک“ نقل کیے ہیں یعنی ہر تحریر، کلام یا شعریہ ”دو سری چیز“ جس میں حسن پایا جائے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ گانے میں بھی کوئی حسن ہو سکتا ہے۔ اللہ رے غنا سے عناد۔ اس کے بعد

کی تحقیق اہمیت سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ خمین صوت اور گانے میں بڑا فرق ہے، یعنی شاید یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شعر خوش الحانی سے پڑھے تو وہ صرف خمین صوت یا خوش آوازی ہے اور اگر شعر پڑھتے وقت گدھے کی طرح رینگنا شروع کر دے تو اسے غنا کہتے ہیں۔ خوش آوازی تو جائز ہے جو حضورؐ کو پسند تھی، اور جہاں بد آوازی پیدا ہوئی اور وہ غنا ہو گیا۔ لہذا حضورؐ نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

فہمی الارب میں الغنا کے معنی یہ لکھے ہیں:

”آواز خوش کہ طرب انگیز دو سرود“

مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ آواز خوش اور چیز ہے اور غنا دوسری چیز۔ مولانا کی یہ جرات بھی قابلِ داد ہے کہ ہم حبرہ کی تفسیر احادیث سے پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کے مقابلے میں آدمی حدیث لیتے ہیں اور آدھا لغت۔ لہٰذا لک نجبیر<sup>۱</sup> کی تفسیر اس سے متصل الفاظ سے کیجئے۔ حضورؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا تھا کہ ”لقد لونیت زمماراً“ من مزامیر آل دلدود: تمہیں تو زممار داؤد کا ایک حصہ عطا ہوا ہے۔ اسی کے جواب میں ابو موسیٰ نے عرض کیا: ”لو علمت لہٰذا لک نجبیراً“ اگر مجھے علم ہوتا تو میں اور نجبیر کے ساتھ پڑھتا۔ ظاہر ہے کہ یہ نجبیر کسی طرح زممور و زممار داؤد سے الگ نہیں کی جاسکتی۔ زممار اور زممور کی تحقیق ”اسلام اور موسیقی“ میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں صرف اتنا سن لیجئے کہ علامہ عینی محدث حنفی فرماتے ہیں:

عن عبید بن عمیر قال کان لدود علیہ السلام معرفة

یتغنّی علیہا ویبکی ویبکی۔ (ج ۹ ص ۳۲۹)

حضرت داؤد کے پاس باجا بھی تھا جس پر گاتے تھے۔ خود بھی

روٹے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے۔

اور بالکل یہی الفاظ فتح الباری جلد ۹ ص ۶۳ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھے ہیں۔

نیز امام شوکانی اپنے رسالہ سماع میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق عبداللہ بن عمر سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں:

ان داود یاخذ المعزفة فيضرب بها ويقرأ عليها۔

حضرت داؤد باجا بجا کر اس پر (زبور) پڑھا کرتے تھے۔

ہم اس نفسی کیفیت اور ذہنی اذیت کے لیے معافی چاہتے ہیں جو مولانا اور ان کے ہم مشربوں کو یہ روایتیں سن کر ہو رہی ہوگی، کیونکہ نہ تو وہ ان روایتوں سے انکار کی جرات کر سکتے ہیں اور نہ ان کا دل یہ گوارا کرتا ہے کہ غنا اور مزامیر جیسی ”حرام چیزوں“ کا انتساب ایک جلیل القدر پیغمبر کی طرف ہو۔ ہم نے تو یہ روایتیں صرف اس لیے لکھی ہیں کہ مزارا ”من مزامیر آل داود کا مطلب آئینے کی طرح سامنے آ جائے اور اسی آئینے میں لحبر تہ لک تجبیر“ کی تصویر و تفسیر بھی نظر آ جائے۔ اس سے صرف اسی قدر استفادہ مقصود ہے کہ مولانا کی یہ تحقیق اتنی بھی نکھر کے سامنے آ جائے کہ خوش آوازی اور غنائیں بڑا فرق ہے۔۔۔ حلال و حرام کا فرق۔۔۔ ہے۔

مولانا کے خیال میں ہم نے حبرہ کے معنی نعمات بہشت لے کر اتنا بڑا ناقابل معافی جرم کیا ہے جو ان کے بقول ”کھلی ہوئی تحریف قرآن“ ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے نزدیک انبیائے کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ رسول اللہؐ کعب بن اشرف اور ابو رافع کو دھوکے سے بغیر جنگ کے قتل کرا سکتے ہیں۔ رسول خداؐ پر جادو چل سکتا ہے، اور اتنا ہی نہیں بلکہ خود خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے اور دوسرے خاتم النبیین بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں العیاذ باللہ ان کے نزدیک ممکن نہیں بلکہ جائز ہیں۔ لیکن گانا اتنا زیادہ حرام اور قریب بہ کفر و شرک ہے کہ نہ یہاں جائز ہے نہ جنت میں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک

محترم دوست نے تو اپنے رسائل و مسائل میں استمنا بالید، و طی فی الدیر، اور متعہ تک کے جواز کی راہیں تلاش کر لی ہیں اور اب ماشاء اللہ جھوٹ کو بھی مصلحت -- ایکشن -- کے لیے کتاب و سنت سے واجب ثابت فرما دیا ہے لیکن جہاں غنا کا لفظ آگیا، سارا اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ غنا سے عنا کی آخر کوئی حد بھی ہونی چاہئے۔ محض اپنے ذوق اور ذاتی خیالات کو حلت و حرمت کی اساس قرار دینا ایک ایسی دینی منطق ہے جس کے فہم سے فی الواقع ہم قاصر ہیں۔

## (۲)

نہ من تنہا....

حبرہ کے معنی نغمہ اور خصوصاً "نغمہ بہشت لینے کا جرم تنہا ہم ہی نے نہیں کیا، کچھ اور حضرات بھی اس "گناہ" کے مرتکب ہوئے ہیں۔

کچھ دن ہوئے ہم نے کراچی میں ایک قلمی کتاب جلاء الصدی فی سیرۃ امام الہدی دیکھی ہے جو حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی کے حالات میں لکھی گئی۔ اس کے مولف شیخ تقی الدین عبدالرحمن بن عبدالحسن الواسطی ہیں۔ کتاب ۱۱۵۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ سید احمد کبیر شافعی المذہب ہیں۔ سلسلہ رفاعیہ کے سرخیل ہیں۔ ۵۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۸ھ میں وفات ہوئی۔ ان کا سلسلہ رفاعیہ نہ فقط ہندوستان میں بلکہ مصر، عراق، اردن، عدن، شام اور انڈونیشیا وغیرہ میں پھیلا ہوا ہے۔ کتاب میں سارے پر بھی ایک باب ہے جہاں سید احمد کبیر کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ثم قال ای سادہ اخبر العزیز سبحانہ عن السماع فی  
الکتاب المجید لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ  
تعالیٰ فہم فی روضۃ یجبرون قیل یسمعون السماع۔

و قال ابن عباس رضى الله عنه فى تفسير هذه الآية اذا كان يوم القيمة ودخل اصحاب الجنة الجنة واصحاب النار النار امر الله مناديا "ينادى يا دلود ارق على كرسىك و اسمع الناس ----- و قال مجاهد فى روضة يجبرون ان السماع من الحور العين بالاصوات (۳۹) الشهية و الالحان (۵۰) الطيبة يقلن : نحن الخالدات فلانموت ابدا"۔ الخ

(ترجمہ) اس کے بعد سید احمد کبیر رفاعی نے فرمایا کہ میرے محترموا! اللہ نے بھی اپنی کتاب مجید میں اپنے نبی کو سماع کی خبر دی ہے اور وہ یہ آیت ہے فہم فی روضة يجبرون۔ اس کے معنی یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ اہل جنت وہاں گانے سنیں گے۔ عبد اللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ جب بروز حشر جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ ایک منادی کے ذریعے حضرت داؤد کو حکم دے گا کہ اپنے تخت پر بیٹھ کر گانا سناؤ۔-----

نیز مجاہد نے يجبرون کے یہ معنی کیے ہیں کہ کشادہ چشم حوریں مرغوب (بیجان انگیز) آوازوں اور عمدہ لہجوں کے ساتھ گانے سنائیں گی۔ وہ گانا یہ ہو گا نحن الخالدات الخ۔

(۳)

سرخیل سلسلہ سروردیہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر سروردی کی کتاب



مراد المریدین کی شرح (قلمی) ملا علی قاری نے لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۴۴۶ میں لکھتے ہیں:

فہم فی روضة یحبرون ای یستمعون من الحور العین  
 باصوات شہیة نحن الخالدات الخ۔  
 یعنی فہم فی روضة یحبرون کے معنی یہ ہیں کہ اہل بہشت  
 حور عین سے بیجان انگیز آوازوں میں نحن الخالدات الخ۔  
 سنیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ اس میں حوالے درج نہیں کہ ابن عباس اور مجاہد کی  
 یہ تفسیریں کہاں ہیں؟ اس لیے ہم اس کی صحت کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ مجاہد  
 سے دوسری تفسیر بنعمون منقول ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ  
 مجاہد سے دونوں ہی تفسیریں منقول ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لیکن اگر ابن عباس اور مجاہد کا یہ قول ثابت نہ بھی ہو تو اتنا تو بہر حال  
 ثابت ہے کہ حضرت سید احمد کبیر رفاعی بھی اس آیت کے معنی بہشتی نعمتوں ہی  
 کے لیتے ہیں۔ ہماری جرات تو نہیں ہو سکتی لیکن آپ کا دل چاہے تو شوق سے  
 ان کے اور شیخ سروردی یا ملا علی قاری کے متعلق بھی کھلی تحریف قرآن کا  
 اعلان فرما دیجئے۔ بات یہی ختم نہیں ہوتی، حضرت سید احمد کبیر رفاعی تو اسی  
 کتاب میں یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

السماع داعیۃ الی الحق وھو من جملة القربات  
 سماع داعی الی الحق اور تقرب الی اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔

(۴)

یہ لیجئے ایک کھلی ہوئی تحریف قرآن کرنے والا اور بھی پیدا ہو گیا۔ تفسیر

ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۲۸ ملاحظہ ہو۔

قال مجاهد و قتاده بنعمون و قال يحيى بن ابي كثير  
يعنى سماع الغناء۔

مجاہد و قتادہ یحبرون کے معنی بنعمون کے بتاتے ہیں اور  
یحییٰ ابن ابی کثیر نے اس کے معنی گانا سننے کے بتائے ہیں۔

مولانا کو افسوس ہو رہا ہو گا کہ اور بھی ”محرّفين قرآن“ پیدا ہوتے جا  
رہے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہاں قبیل بھی نہیں۔

## (۵)

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے :

... مسرور ہوں گے ف یعنی نعمت میں خوش حال ہوں گے۔

یہ قول مجاہد و قتادہ ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ وہاں

حقیقی غنا سے مسرور ہوں گے۔ (غالباً ”کوئی پہلو پہچانے کے

لئے ”حقیقی“ کا لفظ زیادہ کر دیا ہے)۔

## (۶)

یہ لیجئے مراسلہ نگار صدق کی اپنی اصطلاح میں ایک ”محرّف قرآن“ اور

بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ صاحب کشاف (ز عثری) یحبرون کی تفسیر مختلف لوگوں

سے یوں نقل فرماتے ہیں :

عن مجاهد رضى الله عنه : يكرمون - و عن قتادة :

بنعمون - و عن ابن كيسان : يحلون - و عن ابي بكر بن

عیاش: التیجان علی رؤسهم - وعن وکیع: السماع فی الجنة۔

یعنی مجاہد سے یحبرون کے معنی یہ منقول ہیں کہ اہل جنت کا اعزاز کیا جائے گا۔ قادم اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ ان کو نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ ابن کیسان کہتے ہیں کہ انہیں زیوروں سے آراستہ کیا جائے گا۔ ابو بکر بن عیاش کا کہنا ہے کہ ان کے سروں پر تاج رکھے جائیں گے اور وکیع کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت کے نفع ہیں۔

اس کے بعد صاحب کشاف نے دو مجروح روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک ابو درداء سے اور دوسری ابراہیم سے مروی ہے کہ جنت میں عورتوں کے گانے بھی ہوں گے اور گھنگرو بھی بچیں گے۔

پھر حاشیے پر بغیر کسی جرح کے ایک اور روایت مجاہد سے یوں درج ہے:

روی اسحاق فی مسنده من رواية مجاهد قيل لابی

هريرة "هل فی الجنة سماع؟" قال نعم....

یعنی اسحاق اپنی مسند میں مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو

ہریرہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا جنت میں سماع بھی ہو گا؟

آپ نے جواب دیا کہ ہاں ہو گا... (جنت کے سیم و زر کے

درخت میں زبرد اور یاقوت کے پھل آپس میں ٹکرا کر

حسین ترین نغمے پیدا کریں گے)۔

اسی سلسلے میں حضرت علیؓ سے بھی ترمذی میں ایک مرفوع روایت یوں

ہے:

ان فی الجنة لمجتمعاً للحوار العین یرفعن باصوات لم

تسمع الخلائق بمثلها یقلن: نحن الخالدات فلا نبید

....

حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایسا اجتماع ہو گا جس میں  
حوریں بلند آواز سے یہ گائیں گی نحن الخالدات --- الخ  
ایسی آواز دینا نے کبھی نہ سنی ہوگی۔

بالکل اسی مضمون کی روایت مجاہد کی زبانی ہم اوپر جلاء الصدی کے  
حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت مجاہد کی ان روایتوں سے واضح ہے کہ جنت میں  
نغمے ہوں گے۔ اور جب جنت میں نغمے ہوں گے تو مجاہد، یحییٰ بن ابی کثیر اور  
دکح سے یحبرون کی جو تفسیر منقول ہے یعنی ”جنتی نغمات“ (مع مزامیر) اسے  
محض لسان العرب کے ایک عدو قیل سے غلط ٹھہرانا بجائے خود ہی غلط ہے۔  
اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یحبرون کی تفسیر غنائے جنت کرنے میں ہم منفرد  
نہیں بلکہ مجاہد، ابن عباس، یحییٰ بن ابی کثیر اور دکح وغیرہ کے علاوہ سید احمد کبیر،  
شیخ ابو النجیب سروردی اور ملا علی قاری سب ہی نے یہ تفسیر کی ہے۔ اور  
مرقمہ بالا روایات سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔

محترم مراسلہ نگار صدق نے مولانا اشرف علی، مولانا محمود حسن، مولانا  
نذیر احمد کے ترجمے دیئے ہیں کہ ---- آؤ بھگت ہوگی، عزت کی جائے گی،  
خاطر داریاں ہو رہی ہوں گی ---- اکرام کیا جائے گا۔

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ ہم نے مضمون ---- ”قرآن میں  
ذکر موسیقی“ میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہم دوسرے ترجموں کو غلط نہیں  
کہتے۔ حبرہ کے معنی میں یہ سب معانی داخل ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ  
آپ ہمارے بتائے ہوئے معنی کو کس بنیاد پر غلط کہنے کا حق رکھتے ہیں اور یہ وحی  
کب نازل ہوئی ہے کہ جو ترجمے مذکورہ بالا مفسرین کر چکے ہیں، ان کے علاوہ ہر  
ترجمہ غلط ہے؟ آپ جس زور سے ان مفسرین کے ترجمے پیش کر رہے ہیں، اسی

دور سے دوسرے ترجمے پیش کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟ اگر ابھی تک کسی نے وہ ترجمہ نہیں کیا ہے جو ہم کر رہے ہیں تو بسم اللہ اب کر لیجئے۔ ہم ان مفسرین و مترجمین کے مقابلے میں اپنی حقیر ذات کو پیش کرنا سوئے ادب سمجھتے ہیں لیکن مجاہد، یحییٰ بن ابی کثیر اور دکنج وغیرہ کی تفسیر کے سامنے اپنے پیش کردہ مترجمین کو پیش کرنا آپ بھی ویسا ہی سوئے ادب سمجھئے۔

علاوہ ازیں جو ترجمے آپ نے نقل کیے ہیں، کیا ان سے ہمارے ترجمے میں تناقض پیدا ہوتا ہے؟ کیا ”نفعی“ جنت کے اکرام یا خاطر واری یا آؤ بھگت یا مسرت کے خلاف ہیں؟ استقبال گیت ہمیشہ سے اکرام اور آؤ بھگت ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ خود حضور اکرمؐ کا استقبال مدینہ منورہ میں گیت ہی سے کیا گیا تھا۔

طلع البدر علینا الخ

نحن جوار من نبی نجار الخ

محمد عبد صالح

اور محض گیت نہ تھے بلکہ دو چیزیں اور بھی تھیں، دف اور رقص۔ عورتیں دف بجا بجا کر گارہی تھیں اور حبشی رقص کر رہے تھے۔

عجیب استدلال

مولانا نے بڑی تلاش کے بعد ایک حدیث دریافت کی ہے کہ: اذا سمع الغناء وضع اصابعه فی اذنیہ (ابو داؤد) یعنی حضورؐ جب گانے کی آواز سنتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ اس کا مفصل جواب تو آپ کو آگے ملے گا کہ حضورؐ نے بار بار گانا اور وہ بھی اس وقت کے مزامیر یعنی دف پر سنا ہے اور حکم دے کر دوسروں کو سنوایا ہے۔ یہ تمام تفصیلات اور صحاح و سنن کی قطعی الدلالت روایات آگے آئیں گی، اور مولانا کی اس کاوش بلیغ کا جواب وہیں خود بخود مل جائے گا۔ اس وقت تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر فی الواقع یہ

حدیث آپ کے نزدیک قابل قبول ہے تو آپ بھی صرف اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیا کریں۔ لیکن دوسروں کو گانے سے یا گانا سننے سے روکنے کا۔۔۔ اور وہ بھی حرام بتا کر روکنے کا۔۔۔ آپ کو کیا حق حاصل ہے جبکہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا؟

### تغنی فی القرآن

اس روایت سے محترم مراسلہ نگار صدق نے یہ نتیجہ نکالا کہ تحسین صوت تو حضورؐ کو مرغوب تھی اور اسی لیے جناب ابو موسیٰ اشعری کی تلاوت قرآن حضورؐ کو بہت پسند تھی۔ رہا غنا یا غنی تو وہ اس قدر حرام ہے کہ جہاں کانوں میں یہ غنی آئی اور حضورؐ نے کان بند کر لیے۔ لیکن انہیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ اشعار تو اشعار ہیں خود قرآن میں بھی غنی سے مفر نہیں۔ صحاح و سنن کی یہ روایت تو نظروں سے گزری ہو گی کہ :

لیس منا من لم یتغن بالقرآن یجہربہ (رواہ الشیخان و ابو داؤد و الترمذی عن ابی ہریرہ)۔

جو قرآن کو با آواز بلند پڑھتا ہوا غنی نہ کرے، وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔ مولانا حسن غنا سے بھاگ بھاگ کر کانوں میں انگلیاں ڈلوا رہے تھے۔ اب وہی امت محمدیہ سے خارج ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ کریں تو کیا کریں؟ غنا اور غنی حرام۔ مگر قرآن میں یہی اتنا ضروری ہے کہ قبول نہ کریں تو امت محمدیہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ ہر کیف عرض یہ کرنا تھا کہ جس انداز خوش الحانی کو ابو موسیٰ نجبیر سے تعبیر کر رہے ہیں اسی کو حضورؐ غنی بالقرآن فرما رہے ہیں۔ مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ نہیں نجبیر اور چیز ہے اور تغنی اور شئے ہے۔ پہلی چیز حلال طیب ہے اور دوسری حرام

مطلق۔ یہ تحقیق انیق فی الواقع بہت دلچسپ ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ مخنی ہالاشعار اور مخنی ہالقرآن میں فرق ہے اور یہ فرق عہد نبوت سے آج تک قائم ہے اور آئندہ بھی قائم رہے گا۔ لیکن مخنی بہر حال موجود ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے تھوڑا ذوق سلیم درکار ہے اور اسی سے اکثر منکرین سماع محروم ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوگی تو اسے بھی عرض کر دیا جائے گا۔

مولویوں کی یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آ سکی کہ جب مؤذن بھیرویں میں اذان کہتا ہے تو یہ جھوم جاتے ہیں اور جب اسی لہجے میں کوئی شعر پڑھا جا رہا ہو تو فوراً فتوائے حرمت صادر فرما دیتے ہیں اور اس میں اتنی شدت برتنے لگتے ہیں کہ دنیا تو دنیا ہے جنت میں بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جنت میں سے خواری تو فرمائیں گے لیکن غنا ان کے ہاں اتنا زیادہ حرام ہے کہ جنت کی بادہ نوشی کی صف میں بھی اسے رکھنے پر راضی نہیں۔

### اجماع صحابہ اور امر نبوی

مراسلہ نگار صدق نے بڑی مشکلوں سے ابو داؤد میں سے ایک روایت ڈھونڈی تو یہ کہ ”حضورؐ جب گانا سنتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔“ ہم حلت غنا کی تمام روایات تو ”اسلام اور موسیقی“ میں لکھ چکے ہیں، اس وقت صرف ایک نبوی جملے کی طرف توجہ دلانا ہے۔ صحاح و سنن کی ایک روایت کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک لڑکی کی شادی کر کے اس کے انصاری شوہر کے گھر رخصت کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ :

(۱) مَا كَانَ مَعَكُمْ مِنْ لَهْوٍ فَإِنَّ الْإِنصَارَ يَعْجِبُهُمُ اللَّهُو۔

(بخاری عن عائشہؓ)۔

تمہارے ساتھ کوئی لہو (گانا بجانا) نہ تھا؟ انصار کو تو لہو بہت

مرغوب ہے۔

(۲) لرسنم معها من یغنی ---- ان الانصار غزل فلو  
بعثتم معها من یقول اتیناکم الخ۔ (ابن ماجہ عن ابن  
عباس)۔

کسی گانے والے کو اس کے ساتھ نہ کر دیا؟ ----  
انصار کو عورتوں کے گانے سے بڑی دلچسپی ہے۔ کاش اس  
کے ساتھ کوئی فلاں گیت گاتا جاتا۔ (یعنی اتیناکم اتیناکم  
---- الخ)۔

(۳) یا عائشة الا تغنین فان هذا الحی من الانصار یحبون  
الغناء۔ (ابن حبان عن عائشہؓ)۔

عائشہ! تم نے گانے کا کوئی بندو ست نہ کیا؟ یہ قبیلہ انصار تو  
گانے بہت پسند کرتا ہے۔

(۴) فارسلت معها بغناء فان الانصار یحبونه ----  
فادر کیہا یا زینب! (امراة کانت تغنی بالمدينة) (جواز  
السمع والزما میر للمقدسی عن عائشہؓ)۔

کوئی گانے والا اس کے ساتھ نہ کر دیا۔ انصار کو تو گانا بہت  
پسند ہے۔ اے زینب! (مدینے کی ایک مغنیہ) جلدی جا کر  
دلہن کے ساتھ ہو جا۔

(۵) هل بعثتم معها ضاربة تضرب بالدف وتغنی؟  
تم نے اس کے ساتھ کوئی مغنیہ نہ کر دی جو ذرا گاتی بجاتی  
جاتی؟ (طبرانی فی الاوسط عن عائشہؓ)۔

اگر اسے متعدد واقعات تسلیم کر لیا جائے تو ہمیں کوئی عذر نہیں۔ لیکن  
اغلب یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعے کی مختلف تعبیریں ہیں۔ ان سب روایتوں سے



جو حقائق واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :

الف۔ انصار کو گانے بجانے سے (خواہ عورتوں کا گانا ہو) یا ”لہو“ سے بڑی دلچسپی تھی۔

ب۔ اس علم کے باوجود گانا نہ ہونے پر خاموشی اختیار نہیں فرمائی بلکہ تقاضا فرمایا کہ اس دلہن کے ساتھ کسی مغنی یا مغنیہ کو کیوں نہ بھیج دیا؟

د۔ یہ تقاضا صرف اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ اباحت و جواز کی حد سے گذر کر ”ضروری“ کے کسی مرتبے پر ہو۔ ورنہ خاموشی سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟

ه۔ اگر غنا میں عدم جواز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو ہوتے ہوئے غنا کو حضور روک دیتے، نہ یہ کہ نہ ہونے کی صورت میں ہونے کا تقاضا فرماتے۔

و۔ یہاں صرف غنا کا ذکر نہیں، مزامیر (دف) کا بھی ذکر ہے۔

ز۔ مہاجرین کے بعد انصار ہی کا درجہ ہے اور ان کے بے شمار فضائل ہیں۔ اس پورے گروہ انصار کا ایک چیز کو پسند کرنا اور حضورؐ کا اس پسند کو (تقاضے سے) باقی رکھنا عہد نبوت کا ایک ایسا اجماع صحابہ ہے جس کے خلاف کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

ح۔ حضورؐ نے صرف سوال ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ایک مغنیہ (زینب) کو حکم دیا کہ جلدی جا کر دلہن کے ساتھ مل جائیگی بجاتی ہوئی اسے سرال تک پہنچا دے۔

ط۔ حضورؐ کو مدینے کی اس مغنیہ کے علمی ذوق کا پورا علم تھا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے اسے اس سے روکا نہیں بلکہ اس موقع پر اسے اپنے فن سے کام لینے کا حکم دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر امر لازماً ”وجوب“ کے لیے ہوتا ہے۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ صیغہ امر نہیں ہوتا اور وہاں وجوب کی شکل ہوتی ہے اور

بعض مقامات پر امر ہونے کے باوجود وجوب نہیں ہوتا۔ لیکن اس زیر بحث موقع پر تو تمام قرائن اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ گانا بجانا صرف اباحت کے اندر بند نہیں بلکہ مستحب و سنت سے گذر کر وجوب میں قدم رکھ چکا ہے۔ اگر ہم تعیم کو سکیٹر سکیٹر کر بے انتہائنگ بھی کر دیں تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ کار نہیں کہ:

۱۔ اگر موقع شادی بیاہ (یا کسی اور خوشی) کا ہو۔

۲۔ جہاں بارات جا آ رہی ہو اور وہاں کے لوگ گانے بجانے کے شائق ہوں۔

تو گانا بجانا صرف سنت ہی نہیں بلکہ سنت مودہ ہے اور اگر اس کے نہ ہونے سے کوئی فتنہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا شمار واجبات میں ہے۔ ورنہ حسب موقع یہی غنا ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔

اس زیر بحث روایت کو پیش نظر رکھتے، اس کے بعد اس روایت کو سامنے لائیے جو صدق جدید کے مراسلہ نگار نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ فیصلہ ہم خود مراسلہ نگار پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود سوچ لیں کہ جس غنا کو وہ ناجائز بتا رہے ہیں اور اسے حرام ثابت کرنے کے لیے غنا اور خوش آوازی کے فرق کا جو نقطہ ایتھ پیش فرما رہے ہیں اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

ہم آخر میں موصوف کے انتباہ کے لیے بولرق الاسماع فی تکفیر من بحر السماع کے مصنف ابو الفتوح الغزالی (۵۱) کا قول نقل کیے دیتے ہیں۔

فمن قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع حراما و  
مامنع عن السماع حراما و اعتقد ذلك فقد كفر  
بالاتفاق۔

جو شخص یہ کہتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ حضورؐ نے حرام سنا

اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق مرتکب کفر ہوا۔

اور یہی کچھ امام غزالی کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

جو شخص دف پر گانا سننے کو حرام کہے اس نے حضورؐ کے فعل سے انکار

کیا لہذا مرتکب کفر ہے۔ (عقائد العزیز ص ۱۳۴)

اور یہی انتہاء سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا تھا کہ :

اس قوم پر قرآن الہی کیوں نہ نازل ہو جس کے سامنے (جواز غنا) کی

حدیثیں پیش کی جائیں اور وہ اس کے مقابلے میں قول ابو حنیفہ کا مطالبہ کرے۔

ہم اہل علم اور دینداروں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس مسئلے میں

ذرا سوچ سمجھ کر قدم اور قلم اٹھائیں اور اچھی طرح غور فرمائیں کہ غنا کو حرام

بتا کر وہ کن کن ہستیوں کو مرتکب حرام قرار دے رہے ہیں؟ اور ان ہستیوں کو

مرتکب حرام قرار دینے کے بعد ایمان کی کون سی رمت باقی رہ جائے گی؟

اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ جو چیزیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔

۲۔ اگر کہیں اس کے خلاف نظر آئے تو وہ وقتی مصالح کی بنا پر ہے۔

۳۔ حبرہ معنی نعمات بہشت بالکل صحیح تفسیر ہے۔

۴۔ حبرہ کی مزید تحقیق۔

۵۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔

پیش نظر اس سے آگے جو مباحث ہیں وہ مختصراً یہ ہیں :

۱۔ حبرہ کی کچھ اور تفسیریں۔

۲۔ حلت غنا و مزامیر کے متعلق قطعی الدلالہ اور صحیح احادیث۔ (یہ حصہ

آئے گا)۔

## (۷)

## نواب صاحب اور تفسیر حبرہ

نواب صدیق حسن خاںؒ نے اپنی کتاب مشیر ساکن الغرام الی روضات دارالسلام کے صفحہ ۵۸ پر یہ فصل قائم کی ہے۔ فصل فی ذکر السماع فی الجنة و غناء الحور العین و ما فیہ من اللذة و الطرب (یعنی جنت میں جو سماع ہو گا اور حور عین کے گانوں میں جو لذت و کیف ہو گا، یہ فصل اسی کے بیان میں ہے)۔ اس فصل کا آغاز یوں کرتے ہیں:

-----  
فہم فی روضة یحبرون - قال یحیی بن ابی  
کثیر الحبرة اللذة و السماع و لا ینخالف هذا قول ابن  
عباس بکرمون و قول مجاہد و قتادة ینعمون - فلذة  
الاذن بالسماع من الحبرة و النعم۔

... حبرہ کے معنی یحییٰ بن ابی کثیر نے لذت اور سماع کے  
بتائے ہیں اور اس کا کوئی تناقض ابن عباس کی تفسیر  
بکرمون یا مجاہد و قتادہ کی تفسیر ینعمون سے نہیں کیونکہ  
سماع سے جو لذت کان کو حاصل ہوتی ہے وہ بھی عام حبرہ  
یعنی نعمت ہی ہے۔

اس کے بعد نواب صاحب نے اٹھارہ اخبار و آثار و اقوال نقل کیے ہیں،  
اور ان سب میں سیدنا داؤدؑ کے گانے یا حوروں کے غنا یا حضرت اسرائیل کے  
ترنم، اثمار، جواہر کے نغمے یا تسبیح و تحمید کے نغموں کا ذکر ہے۔ سب کو نقل  
کرنے کا موقع نہیں۔ ہم پوری عبارت و ترجمہ نقل کرنے کے بجائے صرف  
راوی کے نام اور اصل مضمون مع حوالہ درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱- ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جنت میں حوریں گائیں گی: نحن الخالدات الخ اور اس روایت کو غریب کہا ہے۔

۲- ترمذی نے ابو ہریرہ اور جعفر قریانی سے یہ روایت کی ہے کہ جنت میں باکرات تسبیح و تقدیس و تحمید و ثنا کا گیت گائیں گی۔

۳- ابو نعیم نے بھی جعفر قریانی سے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جنت کے زیریں درختوں کے زبرجدی اور دری ثمرات ہواؤں سے ٹکرا کر حسین نغمے پیدا کریں گے۔

۴- ابو نعیم ہی نے انس سے روایت کی ہے کہ جنت میں حوریں یہ گائیں گی: نحن الحور الحسن الخ

۵- یہی روایت ابن ابی الدنیا نے بھی نقل کی ہے۔

۶- ابو نعیم نے ابن ابی اوفیٰ سے بھی ارشاد نبوی روایت کیا ہے کہ ہر جنتی کو ہر ہفتے چار ہزار حوریں یہ گانا سنائیں گی: نحن الخالدات الخ

۷- جعفر قریانی خالد بن عدنان سے یہ حدیث نبوی روایت کرتے ہیں کہ ہر جنتی کو جنت میں داخل ہوتے ہی دو حوریں لاجواب گانا سنائیں گی، اور یہ شیطانی گانا بجانا نہیں ہو گا۔

۸- طبرانی نے ابن عمر سے یہ حدیث رسول روایت کی ہے کہ جنت کی حوریں یہ گائیں گی: نحن خیرات حسان الخ

۹- ابن وہب نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جنتی درختوں کے نغمے کے ساتھ (جس کا ذکر ابو نعیم کی روایت نمبر ۳ میں ہے) حوریں یہ گائیں گی: نحن الناعمات الخ

۱۰- ابن وہب نے یہی روایت مع شعی زائد خالد بن یزید سے بھی کی ہے۔

۱۱- حضرت اسرافیل جنت میں بحکم خداوندی ایسا نغمہ سنائیں گے کہ فرشتے

اپنی نماز بھی چھوڑ دیں گے۔

۱۲۔ محمد بن مسند کہتے ہیں کہ جنت میں یہ اعلان کیا جائے گا کہ جو لوگ دنیا میں مجالس لہو اور مزامیر الشیطان سے پرہیز کرتے رہے، ان کو جنت میں ملائکہ اللہ کی تحمید و تسبیح (گا کر) سنائیں گے۔ (لہو اور مزامیر الشیطان کا مطلب جابجا ”اسلام اور موسیقی“ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اسے دیکھ لینا چاہئے)۔

۱۳۔ ابن ابی الدیاء نے مالک بن دینار سے وان له عندنا للزلفی و حسن مآب کی تفسیروں نقل کی ہے کہ سیدنا داؤد سے فرمائش کی جائے گی کہ جس طرح دنیا میں محمد باری سناتے تھے وہ یہاں بھی سناؤ۔ (سیدنا داؤد دنیا میں مختلف سازوں پر کس طرح حمد باری کرتے تھے، اس کی تفصیل ”اسلام اور موسیقی“ میں ملاحظہ فرمائیے)۔

۱۴۔ یہی روایت عبد اللہ بن احمد سے بھی ہے۔

۱۵۔ حماد بن سلمہ نے شہر بن حوشب سے روایت کی ہے کہ اللہ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندے صوت حسن کو پسند کرنے کے باوجود دنیا میں اس سے محض میری خاطر پرہیز کرتے رہے، اس لیے یہاں انہیں تسبیح و تکبیر (خوش آوازی سے) سناؤ۔

۱۶۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جنت جنتی درختوں سے (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) نفع سنائیں گے۔

۱۷۔ سعید الحارثی کہتے ہیں کہ ان شجرہ نفعوں کے علاوہ زبان خداوندی سے خطاب و سلام ہر نفع سے زیادہ پیارا ہو گا۔

۱۸۔ ابو الشیخ نے عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ اہل جنت کو ہر روز دوبارہ خود اللہ قرآن سنائے گا۔

آخری دو روایتیں ہمارے بحث سے خارج ہیں۔ لیکن اگر یہ روایتیں

صحیح ہیں تو نعمات بہشت کے سلسلے میں ان کو لانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ قرات مغنی کے ساتھ ہوگی۔

### تفسیر یحبرون

آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ نواب سید صدیق حسنؒ نے اولاً ”توغا و موسیقی سے لفظ حبرہ کی تفسیر کی ہے اور ثانیاً اس تفسیر کی تائید میں اتنی متعدد تفسیری روایات نقل کی ہیں جن میں نمبر ایک کو ترمذی نے غریب بتایا ہے۔ باقی تمام روایات کے متعلق خود نواب صاحب ”صحاح و حسان“ کا لفظ لکھتے ہیں۔

و بسم بک ایہا السنی من الاحادیث الصحاح  
الحسان.....

اے سنی تمہیں ان صحیح و حسن روایتوں سے معلوم ہوا ہو گا  
کہ.....

لیکن اگر ترمذی، ابو نعیم، طبرانی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ کی ان تمام مذکورہ بالا روایات کو غلط ٹھہرا دیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں اس جرات مندانہ اقدام پر خوش ہوں گا اور اللہ کا شکر ادا کروں گا کہ جس مجموعہ روایات کو لوگ مثل القرآن مع القرآن ——— بلکہ ناسخ القرآن اور قاضی علی القرآن ——— کا درجہ دیئے ہوئے تھے، اسے آپ نے ختم کیا۔ لیکن اگر ان میں ایک روایت کو بھی صحیح تسلیم کر لیں تو یحبرون کے معنی غنا و مزامیر لینے سے کوئی شے روک نہیں سکتی۔ دیکھئے پھر کوشش کیجئے۔ شاید لسان العرب وغیرہ میں ان ساری روایتوں کے متعلق کوئی قبیل وغیرہ کا سارا مل جائے جس کی مدد سے آپ اس تفسیر کو ”تحریف قرآن“ قرار دے سکیں۔

ہم اہل حدیث حضرات کو خصوصاً ”نواب صاحب کی ان تصریحات کی طرف توجہ فرمانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اہل حدیث حضرات کو یہ تو علم ہی

ہو گا کہ نواب صاحب کے ہاں فوجی بینڈ خوب بجتے تھے اور وہ اسے جائز بتاتے تھے، حالانکہ حضورؐ نے کبھی بینڈ نہیں سنا۔ غرض حبرہ کی جو تفسیر ہم نے اپنے سابق مضمون ”قرآن میں ذکر موسیقی“ میں کی ہے اسے محض چند مترجمین کے ترجمے سے غلط ٹھہرانے کا اب کوئی امکان نہیں رہا۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہاں جنت میں تو یہ جائز ہو گا اور دنیا میں ناجائز ہے۔ لیکن ہم اپنے جواب کی دوسری قسط میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ ہی سرے سے غلط ہے کہ دنیا کا حرام جنت میں حلال یا یہاں کا حلال وہاں حرام ہو جائے گا۔

### ایک شبہ کا ازالہ

ہاں نواب صاحب کی نقل کردہ روایات میں سے نمبر ۱۵ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جنت میں انہی لوگوں کو گانا سنایا جائے گا جو اللہ کی خاطر دنیا میں گانا نہیں سنتے تھے۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیجئے کہ :

### جائز و ناجائز لہو

(۱) یہ انہی گانوں سے پرہیز کا ذکر ہے جو واقعی ناجائز ہیں، یعنی فرائض و واجبات سے غافل کرنے والے ہوں جسے لہو کہتے ہیں۔ لیکن ہاں خبردار ہر لہو کو معصیت نہ سمجھ لیجئے گا۔ انصار لہو کو پسند کرتے تھے۔ اور حضورؐ نے اس لہو کو باقی رکھا۔ اور حضرت عائشہؓ سے تقاضا کر کے فرمایا کہ تم نے کوئی گانے وائے اس دلہن کے ساتھ کیوں نہ کر دی۔ فان الانصار یعجبہم اللہو۔ انصار کو تو لہو پسند ہے۔ پس ناجائز لہو صرف یہی ہے جس کی صحیح تشریح امام عبد الفی ثابلی نے ان الفاظ میں کی ہے :

### لہو ممنوع

و المراد باللہو الاعراض بسبب ذلک عن الطاعات و



نسیان الفرض و الواجبات و الاشتغال بالمحرمات و  
المکروہات کسماعها علی الخمر و الزنا و نحو ذلک  
من المنہیات او خطور شئی ذلک ببالہ و استقرار مافی  
وقت سماعها کما سیاتی بیانہ و کل احد یعرف ذلک  
من نفسه لا من غیرہ و الاعمال بالنیات و انما لكل  
الامرئ ما نوى (انتہی مختصر ۱)۔

لو سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعت الہی کی طرف  
سے بے توجہی ہو یا فرائض و واجبات فراموش ہو جائیں یا  
حرام و مکروہات میں رغبت ہو جائے، مثلاً خمر یا زنا یا اس  
طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا گانا سننا جس سے  
سننے وقت یا بعد میں عارضی یا مستقل طور پر ناجائز خیالات  
دل میں پیدا ہوں۔ اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور ان  
تمام باتوں کا صحیح اندازہ ہر شخص اپنے دل ہی سے کر سکتا ہے  
نہ کہ دوسرا۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص  
کو اس کی نیت ہی کے مطابق جزا ملے گی۔

لہذا صرف موسیقی ہی نہیں بلکہ جو دلچسپی حتیٰ کہ وظیفہ خوانی بھی اگر  
فرائض و واجبات سے غافل کر دے تو وہ ناجائز ہے۔ لہذا اگر کوئی گانا ہو تو وہ  
دہی لو ہے جس سے پرہیز ضروری ہے اور گانے کے ساتھ مزامیر ہوں تو بلاشبہ  
وہ مزامیر الشیطان ہیں۔ ایسے گانے اور مزامیر سے پرہیز کرنے والوں کو (از  
روئے حدیث مذکور) بلاشبہ جنت میں اعلیٰ درجہ کے گانے اور نغمے اور مزامیر  
سب سنائے جائیں گے۔ لیکن اگر اس قسم کا ناجائز لو نہ ہو تو نہ کوئی گانا دنیا میں  
حرام ہو سکتا ہے نہ کوئی مزامیر۔

## سماع اور ترک سماع اللہ

(۲) دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی خاطر ناجائز گانے بجانے سے پرہیز ہوتا ہے اسی طرح عین اللہ ہی کی خاطر جائز گانے بجانے سے دلچسپی بھی لی جاسکتی ہے۔ آپ کو تعجب ضرور ہو رہا ہو گا کہ بھلا اللہ کے لیے بھی گانا بجانا ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جی ہاں ہو سکتا ہے۔ اس بحث کا انتظار فرمائیے۔

## (۸)

### امام ابو بکر اور تفسیر حبرہ

اچھا یہ بھی سن لیجئے کہ حبرہ کے معنی گانا بجانا لے کر ”تحریف قرآن“ کا جرم کرنے والے صرف نواب صاحب وغیرہ نہیں، ایک بزرگ اور بھی ہیں۔ یہ ہیں امام ابراہیم بخاری جنہوں نے امام ابی بکر بن ابی اسحاق بخاری کلابادی کی مشہور کتاب التمعن لمذہب التصوف کی شرح فارسی زبان میں کی ہے۔ یہ چار حصوں میں ہے۔ اس کا آخری باب آدب السماع پر ہے جس میں شارح موصوف لکھتے ہیں: چنانچہ در خبر آمدہ است کہ بعضی از مفسران گفتہ اند در قول خدائے تعالیٰ کہ مے گوید ان الذین آمنوا و عملوا الصلحٰت فہم فی روضۃ یحبرون قبیل یحبرون بالسماع۔

مراسلہ نگار صدق سے یہ خطرہ ہے کہ پھر فوراً کہہ دیں گے کہ یہاں قبیل لکھا ہوا ہے۔ ہم دوسری قسط میں واضح کر چکے ہیں کہ ہر قبیل ترمیض کے لیے نہیں ہوتا۔ جب لکھنے والا فائلیں کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا تو صرف قبیل پر اکتفا کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس قبیل کے قائل کو ڈھونڈنا دوسروں

کا کام ہوتا ہے اور ہم ایک نہیں بہت سے قائلین کا ذکر دوسری قسط میں کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ خود امام ابو ابراہیم کیا لکھتے ہیں۔ اگر وہ خود اس تفسیر حبرہ کی تائید میں نہ ہوتے تو یہ آیت نہ لکھتے یا لکھتے تو تردید کر دیتے۔ بہر حال جس کا جی چاہے وہ شوق سے ان کو ”محرفین قرآن“ میں شمار کر کے اپنے ایمان کو غارت کرے۔

اب تک ہم نے تینوں قسطوں میں جن صاحبان علم و تقویٰ سے حبرہ معنی گانا بجانا نقل کیا ہے، وہ یہ ہیں:

علی، ابن عباس، مجاہد، یحییٰ بن ابی کثیر، وکیع، ابو بکر بن ابی اسحاق، سید احمد کبیر، شیخ ابو النجیب سروردی، نواب صدیق حسن خاں وغیرہ۔ آپ کا دل چاہے تو بڑے شوق سے ان تمام ”گمراہ محرفین قرآن“ میں (العیاذ باللہ) اس فقیر کا نام بھی لکھ لیجئے۔ ہم دوسرے تراجم کے غلط ہونے پر کوئی اصرار نہیں کرتے۔ اصرار صرف اپنے ترجمے کے صحیح ہونے پر ہے۔

---

## جواز موسیقی

مولانا سید محمد ہاشم فاضل سٹشی (لابریرین پراونشل لائبریری کراچی) لکھتے

ہیں:

ماہنامہ ناز کراچی ستمبر ۱۹۵۶ء میں ایک مختصر سا مضمون بجواب فاران کراچی شائع کر چکا ہوں۔ مدیر مخالف نے ”سماع شریف“ کہہ کر صلحائے امت پر طنز کیا تھا اور اس مجلس ذکر کی توہین کی تھی۔ لہذا ”سماع شریف“ ہی کی ذیلی سرفی کے تحت سماع پر چند سطریں لکھ دی گئیں۔ اور ارادہ تھا کہ باقاعدہ اس عنوان پر مفصل مضمون لکھوں، مگر شاید آپ کو اندازہ نہ ہو، لاہور اور کراچی کے درمیان جو طویل بعد مسافت ہے دونوں شہروں کے ماحول میں بھی اس سے کم فرق و دوری نہیں ہے۔ لاہور میں جہاں لائبریری یا ضعیف المذہب رہتے ہیں وہاں ایک بڑی جماعت سرفروشان مذہب کی بھی موجود ہے۔ مگر کراچی کا حال بالکل مختلف ہے۔ ان حالات میں بعض مباحات کی تائید بلکہ چند خاص مستحبات کی حمایت سے اندیشہ ہے کہ اسلام سوزی کا کام کہیں تیز نہ ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ قل من حرم زینۃ اللہ النبی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق (۲۳) سے اس حقیقت کا اعلان مقصود ہے کہ ہماری زندگی کا مدار طبعی حاجات کی تکمیل پر ہے اور زندگی کا اظہار چند معین حواس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ لہذا زندگی اپنے تمام اصولی و فروعی تناضوں کے ساتھ سراپا احتیاج ہے، اور اس کی ہر حاجت اور روائی کا سامان اللہ کا رزق ہے۔ ان ارزاق میں بعض طیب لذات ہیں، وہ حلال ہیں اور خبیث لذات ہیں وہ حرام ہیں اور بعض طیب لذات مگر خبیث لغیرہ ہیں، ان کا استعمال اسی حد تک ممنوع ہے جب تک خبیث کی آلائش باقی ہے، مثلاً طیب چیز ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی یا وہ طیب چیز

بعض طبعی و مزاجی حالات میں ہلاکت آفریں معلوم ہو۔ اسی طرح بعض اشیا خبیث لذائذ اور طیب لغیرہ ہیں، مثلاً مردار اور شراب کہ خوف ہلاکت و موقع اضطرار میں استعمال ہوں گے، لہذا جن چیزوں کو بھی ہم شریعت کے حدود کے اندر رہ کر استعمال کریں گے، وہ رزق طیب ہی ہوں گی۔

ہماری احتیاجات حواس کے اعتبار سے مختلف الجہات ہیں اور ہر جہت میں جو حاجت پیدا ہوتی ہے ان کی تکمیل کے لیے رزاق کریم نے ارزاق طیبہ خلق فرمائے ہیں۔ ان طیب رزقوں میں سے کسی چیز کو حرام قرار دینا قرآن مجید کے زیب عنوان امت کی مخالفت ہوگی۔ مثلاً حائضہ بصرہ کے لیے دیدہ زیب اشکال و صُور اور الوان رزق ہیں۔ حائضہ سمع کے لیے اچھی اور سریلی آوازیں رزق طیب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی چیز اس وقت تک حرام و ممنوع نہیں ہو سکتی جب تک فواحش مآظہر منها و مآبطن کی آمیزش سے ان میں کدورت نہ آجائے۔ پیاری اور سریلی آوازیں خواہ حلقوم انسانی سے پیدا ہوں یا کسی اور جلد و بے جان اشیا سے پیدا کی جائیں، فواحش کی آلائش سے جب تک پاک ہیں طیب ہیں، اور جس حد تک فواحش کی آلائش ہوگی ممانعت و حرمت عائد ہوتی جائے گی۔ آیت مذکور بالا میں موسیقی بھی داخل ہے۔ جب تک فواحش سے پاک ہے رزق طیب ہے۔ جب فواحش سے امتزاج ہو گا خبیث و حرام ہو جائے گی۔ قرآن کی عمومی تحلیل کا دائرہ وسیع ہے اور یہ اپنی وسعت کے ساتھ کارفرما ہے۔ جو چیزیں دائرہ حلت سے خارج ہوں گی کسی واضح دلیل سے ہوں گی۔ حرمت موسیقی قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے۔ رہیں حدیثیں تو اصولی طور پر اخبار احاد و عموماً قرآنیہ کی منحصص نہیں ہوتیں۔ خبر واحد سے قرآن کا اطلاق مقید نہیں ہوتا، چہ جائے کہ قرآن مجید کی حلال کردہ چیزوں کو خبر واحد سے حرام ٹھہرایا جائے۔ موسیقی کی حلت قرآن کے عموم طہیات سے ثابت ہے اور اس کی تحریم خبر واحد سے پیش کی جائے اور اس خبر

واحد کا حال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک قابل استدلال نہیں ہے، کیونکہ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ حرمت غنا کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ سب موضوع یا ضعیف ہیں اور اس سلسلے کی کوئی روایت حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے بلکہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غلت غنا کی روایتیں ثابت ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سماع غنا عہد نبوی کے بعد بھی ثابت ہے۔ تابعین، تبع تابعین سے غلت غنا و استماع غنا کا ثبوت ملتا ہے۔۔۔

پھر ایک ایسا مسئلہ جو عموم قرآن سے جائز ثابت ہو۔ قرآن میں اس کی ممانعت نہ ہو۔ خصوصاً "سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے جائز ثابت ہو۔ تابعین و تبع تابعین کی تحقیق میں جائز ٹھہرے۔ محدثین کے نزدیک جائز ہو۔ کوئی شخص ضعیف و موضوع روایتوں سے اس کی حرمت کا دعویٰ کرے، اور فسق و فجور قرار دے، سخت حیرت کی بات ہے۔ موسیقی جب فواحش سے آمیز نہ ہو یا لہو المذیث نہ بنے، جائز ہے اور اگر اس کی غرض اللہ و رسول کا ذکر ہے تو یہ سنت داؤدی ہے۔

جواب

فاضل مراسلہ نگار نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ اپنی جگہ بہت وزنی ہیں اور منکرین سماع کو بعض نئے نکات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ موصوف نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ :

”... ان حالات میں بعض مباحات بلکہ چند خاص مستحبات

کی حمایت سے اندیشہ ہے کہ اسلام سوزی کا کام تیز تر ہو

جائے۔“

اس بات نے ایک نئے بحث کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے۔ یہ بالکل صحیح

ہے کہ فقہی مسائل میں عصری تقاضوں کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ اس لیے موسیقی پر گفتگو کرتے وقت اس کے نتائج و ثمرات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔ لیکن اس سلسلے میں چند باتیں ضرور سامنے رکھئے:

(۱) پہلی چیز تو یہ ہے کہ محدثین اور ان کے قبیح فقہاء جب بھی مسئلہ غنا کا ذکر کرتے ہیں تو ایک طرف تو وہ اشکاف لفظوں میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ حرمت غنا پر کوئی نص موجود نہیں۔ روایات جتنی بھی ہیں وہ سب کی سب موضوع یا غایت درجہ کی ضعیف ہیں۔ اس کے ساتھ وہ کچھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے یہ تشریح شروع کر دیتے ہیں۔ جو روایات حرمت غنا کے متعلق ہیں وہ اسی غنا کے متعلق ہیں جو لہو و لعب اور فسق و فجور سے وابستہ ہو۔ لہذا جو غنا فواحش سے مقرر ہو وہ ناجائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب حرمت غنا کی تمام روایات ہی موضوع ہیں تو ان سے اس قسم کے معذرت خواہانہ استدلال کب درست ہیں؟ بات سیدھی کرنی چاہئے کہ گانا بجانا مطلقاً جائز ہے اور اس کی اباحت میں کوئی شک نہیں کیونکہ انبیاء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، صلحا سب سے اس کی اباحت ثابت ہے۔ رہا کسی خارجی وجہ سے اس کا ناجائز ہو جانا تو وہ کس چیز میں نہیں؟ اگر آپ سے کوئی نماز کے متعلق دریافت کرے تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ نماز فرض ہے۔ نکاح کے متعلق پوچھا جائے تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ سنت ہے (النکاح سننی)۔ انڈا کھانے کے متعلق سوال ہو تو جواب یہ ہے کہ مباح ہے (ہلم جبر)۔

ان سوالات کا جواب یہ نہیں کہ — ”ہاں نماز فرض تو ہے مگر بیت الخلا میں نماز پڑھنا یا ریاکاری کے لیے پڑھنا ناجائز ہے۔ نکاح سنت تو ہے مگر نامرد کے لیے حرام ہے۔ انڈا بے شک جائز ہے لیکن اگر کسی پڑوسی کی مرغی کا ہو تو اسے بلا اجازت کھانا دائرہ جواز میں نہیں آتا“ — جواب کا یہ انداز

ہمارے نزدیک درست نہیں۔ یہ ”اگر، مگر، لیکن اور بشرطیکہ“ وغیرہ بالکل بے ضرورت ہے، بے معنی ہے۔ ہر چیز کے متعلق راست جواب یہ ہونا چاہئے کہ فی حد ذاتہ وہ کیا ہے؟ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر کفالت کی استطاعت موجود ہو، پسندیدہ رشتہ بھی مل رہا ہو اور بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو نکاح محض مباح یا سنت ہی نہیں رہتا، بلکہ نماز سے بھی کچھ زیادہ فرض ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی عین (نامرد) ہو اور کفالت کی کوئی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو نکاح محض مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا بلکہ خنزیر سے زیادہ حرام ہو جاتا ہے۔ غرض اباحت سے لے کر فرض تک اور خلاف اولیٰ سے لے کر حرام مطلق تک جتنے بھی درجے ہیں وہ سب سے سب ہو سکتے ہیں۔ جیسے حالات ہوں گے ویسا فتویٰ ہو گا۔ لیکن جب نکاح کے متعلق علی الاطلاق گفتگو ہو تو اسے فی حد ذاتہ سنت ہی کہا جائے گا ”اگر، مگر، اور لیکن“ کے ساتھ اسے وابستہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے درجات ہی سے بحث کرنے کا موقع ہو تو صرف اتنا کہنا کافی نہیں کہ نکاح کبھی مکروہ بھی ہوتا ہے۔ کراہت تو صرف ایک درجہ ہوا۔ اس کے ساتھ فرضیت، وجوب، سنت، مکروہ، مستحب اور اباحت محضہ اور پھر اس کے مقابلے میں حرمت مطلقہ، کراہت تحریمی، کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ وغیرہ سب کو بیان کرنا چاہئے۔ صرف ایک ہی پہلو کے دو ایک درجوں پر اکتفا کر لینا کوئی منصفانہ روش نہیں۔

غنا کو حرام کہنے والوں کی روش نسبتاً ”سیدھی“ ہے۔ وہ عموماً ”ناجائز و حرام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں لیکن جواز غنا کے قائلین (خواہ وہ محدثین ہوں یا فقہاء صوفیہ) عموماً“ یہ کرتے ہیں کہ اباحت کے اعتراف کے ساتھ وہی معذرت خواہانہ ”اگر، مگر، لیکن، وگرنہ“ بشرطیکہ“ وغیرہ کا ذکر ضرور کر دیتے ہیں۔ مجھے ان کے کامل احترام کے باوجود افسوس ہے کہ ان کی روش سے اتفاق نہیں۔ اس کی دو وجہیں ہیں:



(الف) اگر وہ اس کی حرمت کے درجات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے مقابلے میں اباحت سے لے کر فرضیت تک کے درجات کو بھی ذکر کرنا چاہئے۔ جس طرح خنزیر و مردار بعض اوقات حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض اوقات گانا بھی اباحت کی حد سے گذر کر مستحب، سنت، مکروہ، واجب اور فرض بھی ہو جاتا ہے۔ بحمد اللہ چند بزرگوں کو ان درجات کے ذکر کی توفیق بھی نصیب ہوئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

شیخ الفقہاء الحنفیہ علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں:

و اما سماع السادة الصوفية فبمعزل من هذا الخلاف بل مرتفع عن درجة الاباحة الى رتبة المستحب كما صرح به غير واحد من المحققين۔

(ترجمہ) رہا صوفیہ کرام کا گانا سننا تو وہ ان اختلافات سے الگ چیز ہے بلکہ جواز کے درجے سے گذر کر یہ مستحب کے درجے تک پہنچتا ہے، جیسا کہ بہت سے محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (فتاویٰ خیریہ جلد ۲ ص ۱۷۹ و ص ۲۱۲)

شیخ محمد بن احمد مغربی طیبی لکھتے ہیں:

”----- ایسی ہی ایک محفل میں شیخ موصوف (شیخ تقی الدین) کے ساتھ بعض ائمہ..... نے شرکت کی جس کے متعلق شیخ شہاب الدین بن عبد الظاہر کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین پر عالم وجد طاری ہوا۔ وہ ٹل ٹل کر کہہ رہے تھے کہ: ایسے لوگوں کی محفل سماع میں شرکت تو قرب الہی کا ذریعہ ہے۔ (فرح الاسماع، مطبوعہ انوار محمدی کھٹو

(ص ۱۲-۱۶)

ملا جیون نفسیر احمدی میں ناجائز محافل غنا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

----- بخلاف اولیاء الحق فانہ لم یبق حدیثا لہوا فی شانہم بل یکون ذلک وسیلۃ لرفع درجاتہم و نیل کمالانہم۔

”بخلاف اولیائے حق کے کہ ان کا معاملہ صرف یہی نہیں کہ ابو حدیث سے الگ ہے بلکہ یہ سماع ان کی بلندی درجات اور حصول کمالات کا ذریعہ ہے۔“

حضرت سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں:

”فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود (سیرالاولیاء)  
میرا روحانی کشود یا تلاوت قرآن کے دوران ہوا یا محفل سماع میں۔“

حضرت مخدوم اشرف جمالی گیری سمنانی لکھتے ہیں:

”حضرت قدوۃ کبریٰ فرمودند: حالتے کہ عارف را در سماع دست دہد و دتے کہ سالک را در استماع نصیب گردد از صد چلہ حاصل نہ شود و از ریاضات شدیدہ واصل نہ بود...  
حضرت قدوۃ کبریٰ فرمودند کہ بعض از طائفہ بہ فرضیت سماع قائل اند کالدواء للداء - و بالنعمة نظرہ مخاطبات الاسرار و ینحرک جذبات الانوار فان السماع محرک القلوب۔“

حضرت قدوۃ کبریٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ عارف کو سماع میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اور سالک کو گانا سننے میں جو فیض حاصل ہوتا ہے وہ سوچوں اور سخت ریاضتوں سے بھی میسر نہیں آتا۔----- حضرت قدوۃ کبریٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض گروہ صوفیہ سماع کی فرضیت کے قائل ہیں، جیسے

بیاری کے لیے دوا ہوتی ہے، اور گانوں سے پراسرار  
مخاطبت ہوتی ہے اور انوار کی کشش حرکت میں آتی ہے  
کیونکہ سماع سے دل متحرک ہو جاتے ہیں۔“

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ:

”اگر زمان، مکان اور اخوان یک جا ہوں تو سماع واجب  
ہے۔“ (احقاق السماع ص ۲۷)

مولانا بحر العلوم کے صاحب زادے مولانا عبدالاعلیٰ لکھتے ہیں:  
”وچشتیہ از فرقہ صوفیہ سوئے وجوب وے رنہ مشروط کردہ  
اند کہ مغنی و مستمع امرود نہ باشد و ذوق الہی داشتہ باشد  
(شرح مناقب رزاقیہ، مولفہ ملا نظام الدین)

صوفیوں میں فرقہ چشتیہ سماع کے وجوب کی طرف گیا ہے بایں شرط کہ  
گانے والا اور سننے والا امرود نہ ہو اور اس میں ذوق الہی موجود ہو۔

حضرت سید احمد کبیر رفاہی فرماتے ہیں کہ:

السماع داعیۃ الی الحق و هو من جملة القربات۔

گانا حق کی طرف بلاتا ہے اور وہ تقرب الہی کا ایک ذریعہ

ہے۔ (جلاء الصدفی فی سیرۃ امام الہدیٰ)

مخدوم سید اشرف جمائیکیری سمنانی لطائف اشرفی میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:  
”سماع کے لیے زیادہ اولیٰ جگہ مسجد ہے۔“

مولانا عبدالرحمان لکھنوی پنجابی مسجد ہی میں سماع سنتے تھے اور کہتے تھے

کہ:

”سماع ہماری عبادت ہے اور مسجد عبادت کے لیے مختص ہے۔“

(عقائد العزیز)

امام احمد غزالی کے متعلق بھی عقائد العزیز میں یہی لکھا ہے کہ وہ سماع

کے لیے مسجد کو زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ اگر سماع سے کوئی روحانی فائدہ نہ ہو اور صرف مادی فائدے مقصود ہوں، جب بھی اباحت سے لے کر فرض تک کے مختلف درجات ہوں گے۔ بیسیوں امراض ایسے ہوتے ہیں جن کا علاج صرف موسیقی سے ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ”اسلام اور موسیقی“ صفحہ ۱۲۹)

یہ چند اقتباسات ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے اہل دل، اہل علم اور اہل نظر نے سماع کے صرف حرمت کے پہلو کو ہی نہیں بیان کیا ہے بلکہ اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے جس میں اباحت سے لے کر فرضیت تک سماع کے مختلف درجات ہیں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں نے فتوائے اباحت کے ساتھ کراہت ہی کے مختلف درجات کو کیوں بیان کیا؟ ساتھ ہی اباحت سے آگے مختلف درجات کا ذکر بھی کیوں نہ کیا؟

(۲) دوسری وجہ اختلاف ہمیں ان بزرگوں سے یہ ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ موسیقی کے ذکر کے ساتھ اس کے قبیح لغیرہ ہونے کے اسباب کا ذکر بھی تفصیل سے ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ مثلاً اگر غنا و موسیقی کے ساتھ فواحش و منکرات ہوں یا یہ فرائض سے غافل کر دیں یا ناجائز ہو، شراب، زنا، وغیرہ کی محفل ہو یا شہوت انگیز مضامین گائے جائیں یا عورتیں اور امارو موجود ہوں یا کسی مسلمان یا ذی کی ہجو (۵۲) ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی موسیقی ناجائز و حرام ہے۔

مجھ میں نہیں آتا کہ غنا کے ساتھ ان فواحش کا خواہ مخواہ ذکر کر کے اصل مسئلے پر پردہ ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ جاتی ہے؟ ان چیزوں کا ذکر باب الفواحش میں ہونا چاہئے۔ صرف موسیقی سے ان کو نتھی کرنے سے غرض کیا ہے؟ یہ فواحش تو جس جگہ بھی ہوں گے اور جس محفل یا جس چیز کے ساتھ وابستہ ہوں گے، وہ ناجائز ہو گی۔ پھر سوال یہ ہے کہ اور احکام کے ساتھ ان فواحش کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر شرح وقایہ کے بعض

حصے پڑھنے سے شہوت پیدا ہو (در آں حالیکہ اس کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جو سماع سے کہیں زیادہ ہیجان انگیز ہو سکتے ہیں) تو اس کا پڑھنا ناجائز ہے؟ یہ کیوں نہیں لکھتے کہ اگر مسجد میں امارد آئیں اور اس سے خراب جذبات پیدا ہوں تو مسجد میں آنا جائز نہیں؟ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ عورتوں کو دیکھ کر یا ان کی آواز سن کر ہیجان انگیز خیالات آئیں تو ان کی گواہی حرام ہے؟ یہ فتویٰ کیوں نہیں دیتے کہ امارد طلبہ مدرسوں میں پڑھنے آئیں تو انہیں علم دین مت پڑھاؤ بلکہ انہیں خارج کر دو یا مدرسے کو بند کر دو؟ یہ ساری باتیں موسیقی ہی کی طرح کثیر الوقوع ہیں۔ پھر ان فواحش کا ذکر خاص طور پر محافل موسیقی کے ساتھ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر کسی محفل میں یہ فواحش ہوں اور وہاں موسیقی کا نام و نشان بھی نہ ہو اور ایک شعر بھی کسی کی زبان پر نہ آئے تو کیا وہ محفل جائز ہو جاتی ہے؟ اور کیا اگر نثر میں گفتگو کے طور پر کسی مسلمان یا ذی کی ہجو ہو تو وہ دائرہ جواز میں آ جاتی ہے؟ کیا کوئی غنا بغیر فواحش کے یا کوئی فاحش بغیر موسیقی کے نہیں ہوتا؟ جتنے درجات کراہت موسیقی کے ہیں اتنے ہی اباحت غنا کے بھی ہیں۔ پھر خاص طور پر درجات کراہت ہی کو ذکر موسیقی کے ساتھ لپیٹے رہنے کا مطلب کیا ہے؟ اسی کے ساتھ ساتھ درجات اباحت کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا؟

شہوت کوئی بری چیز نہیں۔ یہ خدا کی نعمت ہے۔ یہ بری اس وقت ہوتی ہے جب اس کا مصروف غلط لیا جائے۔ ہمارے دور کے بعض نہایت صوفی و متقی فقما نے اپنی دینی کتابوں میں امساک کے تعویذ اور طلا کے نسخے بھی لکھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد قوت جنسی میں اضافہ کرنا ہی ہے لیکن ہم اس پر معترض ہونے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ یہ اضافہ کوئی فعل حرام نہیں۔ حرام صرف اس وقت ہو گا جب اس کا مصروف غلط لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اسی نقطہ نظر سے موسیقی کو بھی کیوں نہیں دیکھا جاتا؟ اگر اس سے جنسی ہیجان بھی پیدا ہو ————— جو استعمال طلا کے ہیجان سے بہر حال کم ہو گا ————— تو یہ کوئی گناہ

نہیں، بلکہ کم قوت لوگوں کے لیے یہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح مقوی گولیاں اور محرک دوائیں اور عمدہ طلا۔ ہاں اگر اس سے مصرف غلط لیا جائے گا تو ناجائز ہو گا۔

یہ ساری باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غنا و موسیقی کے متعلق جب بھی مطلق سوال ہو تو اس کا مطلق جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ اس کی اباحت و حلت و جواز پر ہمیشہ سے اجماع امت رہا ہے، جیسا کہ شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسی اپنی کتاب فرح الاسماع (۵۳) میں اور امام کمال الدین اوفوی اپنی الامناع میں لکھتے ہیں۔ اور اگر سوال کسی خاص حالت یا شرط کے ساتھ ہو تو اس کے مطابق جواب دینا چاہئے۔ اور اگر مطلق سوال کے ساتھ دوسرے تقنیات و شرائط کا ذکر بھی ضروری ہو تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کراہت و حرمت کے درجات کے ساتھ اس کے تمام درجات اباحت و وجوب کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جہاں موسیقی کا ذکر آیا خطرے کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی اور عدم جواز کے تمام پہلو اجاگر ہونے شروع ہو گئے۔ ہمیں اس روش سے مودبانہ اختلاف ہے خواہ کوئی محدث اسے اختیار کرے یا فقیہ یا صوفی۔

ہمارے نزدیک موسیقی، غنا، توالی، سماع یا گانے بجانے کے متعلق سوال کا صرف ایک سیدھا سادا جواب ہے کہ فی حد ذاتہ اس کی مطلق حلت و جواز و اباحت پر عہد نبوی سے لے کر آج تک اجماع امت رہا ہے۔ البتہ خارجی عوامل کی وجہ سے وہ جس طرح خلافت اولیٰ، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام مطلق ہو سکتا ہے اسی طرح مباح، مستحب، سنت موکدہ، واجب اور فرض بھی ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا بھی کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کہ عام طور پر موسیقی سے ناجائز ہی مصرف لیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی حرمت پر ہی زور دینا چاہئے۔ یہ بالکل ایسا

ہی ہے جیسے کہا جائے کہ عام طور پر جنسی قوت سے ناجائز ہی مصرف لیا جاتا ہے لہذا لوگوں کو نامرد ہو جانے پر زور دینا چاہئے، یا دولت سے زیادہ تر غلط کام لیے جاتے ہیں لہذا افلاس کی زیادہ تبلیغ کرنی چاہئے۔ بلکہ اس سے آگے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر نماز ریاکاری سے پڑھی جاتی ہے لہذا ترک نماز پر زور دینا چاہئے۔ بلکہ کہنے والا یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سے آج تک عام طور پر اسلام کو غلط ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے اس لیے کفر پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ اس طرح کے استدلالات اہل علم کو زیب نہیں دیتے۔ مسئلہ جو ہو وہی بیان کرنا چاہئے۔ البتہ خاص حالات میں خصوصی فتوے بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ لیکن وہ مخصوص زمان و مکان یا احوال و ظروف کے ساتھ ہی وابستہ رہیں گے، عمومی فتوے نہ ہوں گے۔ اگر حالت اضطرار میں مروار کھانے کی اجازت دی جائے تو اسے عمومی فتویٰ بنانا صحیح نہ ہو گا۔ عمومی فتویٰ حرمت ہی کا رہے گا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام عبدالغنی نابلسی نے نہ فقط گانے کے متعلق بلکہ آلات مطربہ یعنی سازوں کے بارے میں بھی صاف صاف یوں لکھ دیا ہے کہ :

فان لم تکن لاجل النلہی فلیست بحرام بل ہی مباحہ  
 حینذ لجمیع المسلمین و المومنین سواء کان من  
 العامة القاصرین لو من الخاصة الکاملین ولا یکتم هذا  
 الحکم من احد مطلقا (ایضاح الدلالات فی سماع  
 الاالات ص ۱۰)

اگر ساز لو کے لیے نہ ہوں تو یہ حرام نہیں بلکہ تمام مومن  
 و مسلم کے لیے جائز ہے خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل  
 خواص، اور اس حکم کو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رکھنا  
 چاہئے۔

لو کے معنی خود امام عبدالغنی نابلسی نے وضاحت کے ساتھ لکھ دیئے ہیں اور ہم اسے بھی لکھ چکے ہیں کہ لو صرف اس وقت ہو گا جب اس وجہ سے کوئی فرائض سے غافل ہو جائے یا منکرات میں مبتلا ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو لو بھی قطعاً "مباح" ہے۔ ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ان الانصار يعجبهم اللهو (انصار کو لو سے دلچسپی ہے)۔ پھر حضورؐ نے ایک مغنیہ (زینب) کو انصار کے ہاں جا کر اپنا ہنرموسیٰ کی دکان کا حکم دیا۔

اس موقع پر ذرا یہ ذہن نشین رہے کہ امام مالک کے نزدیک وف بجا کر اعلان نکاح کرنا صحت نکاح کی شرط ہے۔ یعنی محض مباح نہیں بلکہ واجب ہے۔ غرض امام عبدالغنی نابلسی بھی اسے پسند نہیں فرماتے کہ گانے بجانے کی اصل حلت کو کسی مسلمان سے پوشیدہ رکھا جائے۔ ہم بھی اسی کو انسب سمجھتے ہیں اور اس میں صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر اس کی کراہت کے مختلف درجات کی وضاحت کی جائے تو اس کی اباحت کے مختلف مدارج کو بھی واضح افکار لفظوں میں ظاہر کر دینا چاہئے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو گانے بجانے سے کوئی دلچسپی نہیں اور انہیں اس سے کوئی روحانی کیف حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹی کوفت و انقباض ہوتا ہے۔ انہیں فی الواقع اس سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ اگر کسی کو گوشت پسند نہیں یا اسے نقصان کرتا ہے تو اسے کون مجبور کر سکتا ہے کہ چونکہ گوشت سید الطعام اور "سنت" ہے، اس لیے ضرور کھاؤ؟ اس کے لیے تو پرہیز ہی اولیٰ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے کسی دوسرے کو روکنے کا — اور خصوصاً "ناجائز" کہہ کر روکنے کا — قطعاً "کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ ایک صریح شرعی جرم ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کور ذوق نہیں بلکہ گانے بجانے سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کا کوئی غلط مصرف لینے کا اندیشہ بھی نہیں۔ اس کے باوجود وہ گانے بجانے سے اجتناب



کرتے ہیں۔ یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ وہ اگر کوئی اچھی نیت رکھتے ہیں اور کسی غلط تقویٰ کا غرور نہیں رکھتے تو وہ عند اللہ ماجور ہوں گے۔ لیکن وہ اگر اسے حرام بتانے لگیں تو یہ ان کی کم علمی ہوگی اور اگر کم علمی نہیں تو ماجور ہونے کے بجائے ماخوذ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایک بات اور بھی سن لیجئے۔ ہمیں موسیقی بلکہ سازوں کی مطلق اباحت پر اجماع امت ہونے میں رائی برابر بھی شک نہیں اس لیے اب اس کے مطلق جواز پر مزید دلائل پیش کرنے اور بحث کرنے کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اب جسے گفتگو کرنی ہو وہ اس کے درجات اباحت ————— استجاب، سنت اور وجوب وغیرہ ————— پر گفتگو کرے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر گانا سنا ہے اور بعض موقعوں پر اس کا حکم بھی دیا ہے (۵۴) کسی اور ہستی کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ رہے مآدثا کے اقوال و افعال تو یہ اختلافات کسی اعتنا کے مستحق نہیں۔ اجماع کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کسی ایک فرد امت کا بھی اختلاف نہ ہو۔ ایسا مسئلہ تو دنیا میں کوئی بھی موجود نہیں جس میں کسی نے کوئی اختلاف ہی نہ کیا ہو۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ من ادعی الاجماع فهو كاذب (جو شخص کسی مسئلے میں اجماع کلی کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے)۔ آج تک طریقہ نماز و حج وغیرہ پر تو اجماع امت ہو نہیں سکا تو اور کس مسئلے پر ہو گا؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ ایک دور کے اجماع کو دوسرے دور کا اجماع بدل سکتا ہے کیونکہ تغیر احوال سے مسائل میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے لیکن موسیقی تو ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی حلت پر عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر دور میں ویسا ہی اجماع رہا ہے جیسا خلافت راشدہ کی راشدیت پر۔ اختلاف کرنے والوں نے تو ایک ایک خلیفہ راشد کی خلافت سے بھی اختلاف کیا ہے لیکن یہ اختلاف

ہمارے نزدیک نہ اجماع امت کو توڑ سکتا ہے نہ یہ اختلاف قابل اعتنا ہے۔

بے شک تغیر احوال سے مسائل بدل جاتے ہیں اور اس کلیے سے موسیقی بھی مستثنیٰ نہیں لیکن اگر یہ کسی وقت خاص حالات میں خلاف اولیٰ سے لے کر حرام تک ہو سکتی ہے تو ویسے ہی دوسرے حالات کی وجہ سے مباح سے لے کر واجب تک بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہاں سوال صرف فی حد ذاتہ مباح ہونے کا ہے۔ اور ہم اسی کے بارے میں یہ عرض کر رہے ہیں کہ اس پر ہر دور میں اجماع امت رہا ہے۔ اس حقیقت ثابتہ کے دلائل میں ہم نے ائمہ مجتہدین و صوفیہ وغیرہ کے اقوال پیش کیے ہیں۔ اگر کسی کو طنز و طعن کرنا ہو تو ان پر کرے، اگر وہ اس کی جرات کر سکتا ہے۔

آپ نے ماہنامہ ”فاران“ کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ میری نظروں سے نہیں گذرا ہے لیکن یقین ہے کہ آپ نے علمی ہی گفتگو فرمائی ہوگی لیکن اس قسم کے ”ماہنامے“ اور ”ہفت روزے“ صرف جرئ مز اور صحافت کے ماہر ہیں جو اپنے حق میں یا دوسروں کے خلاف اچھا پراپیگنڈا تو کر سکتے ہیں لیکن علمی اور سنجیدہ گفتگو ان کا میدان نہیں۔ ان کے عدل و انصاف کا اندازہ اس سے فرمایجئے کہ میری کتاب ”اسلام اور موسیقی“ کو پڑھے بغیر صرف نام سن کر ایک طنز نامہ لکھ مارا۔ لیکن یہ کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی سیاسی پارٹی کے جس شخص نے استمنا بالید، و طلی فی الدبر اور متعہ وغیرہ کے جواز کا فتویٰ دیا، اس پر ایک حرف بھی لکھتے یا اب (الیکشن کی خاطر) جھوٹ بولنے کے جواز بلکہ وجوب پر جو خامہ فرسائی کر کے اسلامی اقدار کو رسوا کرنے کی کوشش کی ہے اس پر بھی لب کشائی کرتے۔ یہ حضرات ہر مسئلے کو خاص شخصیتوں کی عینک لگا کر دیکھنے کے عادی ہیں۔ آپ ان حضرات سے الجھ کر اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں؟ جن لوگوں کا سارا اسلام سمٹ کر صرف پیلٹ بکس میں آگیا ہے اور اب اس کعبہ مقصود کی راہ میں رقم زکوٰۃ دینی بھی ضروری ہو گئی ہے، ان

سے آپ دینی تحقیقات کی توقع ہی کیوں رکھتے ہیں؟ ان کے پاس دلائل کا کوئی جواب نہیں، ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا، اس لیے اپنی علمی و استدلالی بے بضاعتی کے خلا کو صرف طنز و استہزا اور بے وزن پروپیگنڈے ہی سے پر کرنے کی سعی فرما سکتے ہیں۔

---

## کتابیات

### الف

ابجد العلوم: النوّاب الیّد صدیق حسن القنّجی (۱۲۳۸-۱۳۰۷)

ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع: محمد بن علی الشوکانی

(۱۱۷۳-۱۲۵۰)

اتحاف السادہ شرح احیاء علوم الدین للغزالی: ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن

عبدالرزاق الحسینی الزبیدی الملقب بہ سید مرتضیٰ (۱۱۳۵-۱۲۰۵)

احیاء علوم الدین: ابو حامد احمد الغزالی (۳۵۰-۵۰۵)

احقاق حق: مولانا عبدالباری فرنگی علی

اخبار الاخیر: عبدالحق المحدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

اخوان الصفاء: ابو سلیمان المقدسی و ابو حسن الرّضائی و النّرجوری و العوفی و زید بن

رقاء

آداب المریدین: الشیخ ابو النّیب عبدالقاهر السّورودی (۳۹۰-۵۶۳)

ارشاد الساری (علی صحیح بخاری): احمد بن علی القسطلانی الشافعی الممری

(۸۵۱-۹۲۳)

الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبرماکی

(۳۶۸-۴۶۳)

آستانہ زکریا (ماہنامہ): لٹکان

اشعة اللمعات (شرح مشکوٰۃ المصابیح): عبدالحق المحدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

اصل الاصول: فخر الدین زراوی (۴-۷۳۸)

اصول بزدوی: (دیکھئے کنز الوصول)

اقتناص السوانح: تقي الدين بن دقيق العيد (٦٢٥-؟)  
 الامناع باحكام السماع: جعفر بن ثعلب الاذفوي الشافعي (٦٨٥-٤٣٨)  
 انساب سمعاني: ابو سعيد عبد الكريم بن محمد السمعاني المروزي الشافعي (٥٠٦-٥٦٢)  
 انسان العيون في سيرة الامين العامون المعروف السيرة الحلبية: علي بن برهان  
 الدين الشافعي (٩٤٥-١٠٣٣)  
 انيس الارواح: (ملفوظات خواج عثمان بروني، خواج معين الدين البستي (٥٣٥-٦٣٢)  
 اوائل النيل: عبد الكريم بن سمعاني (٥٠٦-٥٦٣)  
 ايضاح للدلات في سماع الالات: عبد الغني النابلسي (١٠٥٠-١١٣٣)

## ب

البدايه والنسابه: ابو الفدا عماد الدين اسماعيل بن كثير (٤٠٠-٤٤٣)  
 البستان: عبد الله البستاني اللبناني (١٣٤١-١٣٣٨)  
 بوارق الالماح في تكفير من يحرم السماع: شباب الدين ابو الفتوح احمد بن محمد  
 الغزالي (؟-٥٢٠)  
 البيان في احوال الصحابه: محمد بن عمرو الحكي

## ت

التاج الجامع للاصول: منصور علي تاجف الاذفوي (كان حيا في ٣٥١)  
 تاج العروس (شرح القاموس لمجد الدين الفيروز آبادي: السيد الشريف مرتضى  
 زبيدي (١١٣٥-١٢٠٥)  
 تاريخ ابن خلدون: عبد الرحمن بن غلدون الاشيلي التونسي (٤٢٢-٨٠٦)  
 تاريخ بغداد: احمد بن علي بن ثابت الحليبي البغدادي (؟-٣٦٣)  
 تاريخ مكة: ابو عبد الله بن محمد اسحاق الفاكهي (؟-٢٤٢)  
 تحفة اولي الالباب في العلوم المستفادة من الناي والشباب: عبد الغني النابلسي  
 (١٠٥٠-١١٣٨)

تحفة المحبين: السيد الشريف مرتضى زبيدي (١١٣٥-١٢٠٥)

التذكرة الحمدونية (فى التاريخ والادب والنوادر والاشعار): ابو المعالي كافي الكفاة

بهاؤ الدين محمد بن حسن بن حمدون البغدادي (٣٩٥-٥٢٢)

الترغيب والترهيب (على طريقه المحدثين): ابو القاسم اسماعيل بن محمد التميمي

الا مهباني الشافعي (٣٥٤-٥٣٥)

تشنيف الاسماع (تلخيص الامتاع باحكام السماع للاوفوى): ابو حامد المقدسي

(٨١٩-٨٨٨)

التعرف لمذهب التصوف: ابو بكر محمد بن ابراهيم بن يعقوب البخاري الكلاباذي

(٣٨٠-؟) و شرحه: ابو ابراهيم بن اسماعيل بن محمد بن عبد الله المستملي البخاري

(؟-٣٣٣)

التعريفات: السيد الشريف الجرجاني (٤٣٠-٨١٦)

تفسير احمدى: احمد بن سعيد المعروف ملا جيون (١٠٣٤-١١٣٠)

تفسير القرآن: عماد الدين ابو الفداء اسماعيل بن كثير (٤٠٠-٤٤٣)

تقريب التهذيب: ابن حجر العسقلاني (٤٤٣-٨٥٢)

تلبيس ابليس: ابو الفرج عبد الرحمن بن علي المعروف ابن الجوزي (٥٠٨-٥٩٤)

تلخيص الحبير: ابن حجر العسقلاني (٤٤٣-٨٥٢)

تهذيب الاسماء واللغات: محي الدين ابو زكريا يحيى بن شرف المعروف نودى

(٦٣١-٦٤٤)

تهذيب التهذيب: ابن حجر العسقلاني (٤٤٣-٨٥٢)

## ش

ثمرات القدس من شجرات الانس: لال بك، بخشى سلطان مراد بن اكبر بادشاه

## ج

جامع الالحان: عبد القادر بن نعيم (٥٥) (؟-٨٣٨)

الجامع الصحيح (صحيح بخارى): ابو عبدالله محمد بن اسماعيل البخارى  
(١٩٦-٢٥٦)

الجامع الصحيح (جامع ترمذى): ابو عيسى محمد بن عيسى بن سوره الترمذى  
(٢٠٦ يا ٢٠٣-٢٤٥)

الجامع الصحيح (صحيح مسلم): ابو الحسين مسلم بن الحجاج النيشابورى  
(٢٠١-٢٦١)

الجامع الصغير: الامام محمد بن الحسن الشيبانى الحنفى (١٣٥ يا ١٣٢ يا ١٣١-١٨٤ يا ١٨٩)  
الجامع الصحيح (مسند دارمى): ابو محمد عبدالله التميمى الدارمى (١٨١-٢٥٥)  
جلاء الصلنى فى سيرة امام الهللى (قلمى): شيخ تقى الدين عبدالرحمان بن عبدالحسن  
الواسطى (؟-٤٣٣) (يعنى السيد احمد الكبير الرافعى (٥٠٠-٥٤٨) مولفه  
(١١٥٢-٤٣٣)

الجليس الصالح الكافى والانىس الناصح الشافعى: معانى بن زكريا النهروانى  
المعروف ابن طرار (٣٠٣-٣٩٠)

جمع الفوائد: محمد بن محمد بن سليمان بن القاسى بن طاهر السوسى الرواى المالكى  
(١٠٣٩-١٠٩٣)

جمع الفوائد مقممه: مولوى عاشق على ميرغى  
جواز السماع والمزامير: ابو الفضل محمد بن طاهر المقدسى المعروف ابن التيسرانى  
(٣٣٨-٥٠٤)

الجواهر فى تفسير القرآن الكريم: الجوهري اللخاوى (١٢٨٤-١٣٥٨)

## ح

الحاوى الكبير (فى فروع الفقه الشافعى): ابو الحسن على بن محمد الماوروى البصرى  
(٣٦٣-٢٥٠)

حنية الاولياء: ابو نعيم احمد بن عبدالله الاسفغانى (٣٣٦-٢٠٣)

## خ

خاتم سليمانى: مولانا الشاه غلام حسين الفلواروى (١٣١٤-؟)  
 خير المجالس (ملفوظات خواجہ نصير الدين محمود چراغ دہلوی (؟-١٥٤٤):  
 مولانا حميد شاعر معروف بہ قلندر بن مولانا تاج الدين (؟-١٦٨٠)

## و

الدرالنظيم (فى التفسير): ابو الحسن تقى الدين على بن عبد الكافى السبكي (١٦٨٣-١٥٦٠)  
 دليل الطالب على ارجح المطالب: النواب صديق حسن خان التتويجى  
 (١٢٣٨-١٣٠٤)

## ر

راحت القلوب (ملفوظات بابا فريد الدين گنج شکر): خواجہ نظام الدين ادرلي  
 (١٢٢٣-١٢٥٠)

الرخصة فى السماع: ابو محمد ابن قتيبة (٢١٣-٢٤٦)  
 رد المحتار (المعروف الفتاوى الشاميه): ابن عابدين الشافى (١٢٣٩-١٣٠٤)  
 رسالة الى جماعة الصوفيه ببلدان الاسلام وشكاية الى اهل السنة بحكاية ما نالهم  
 من المخة (المعروف الرسالة الفشيريه): ابو القاسم عبد الكريم بن هوازن  
 القشيري (٣٤٦-٣٦٦)

رساله جواز سماع: سيد جمال الدين محدث خفي  
 رساله الشرفيه: صفى الدين عبد المومن بن فاخر  
 رساله سماع: على بن احمد بن سعيد بن حزم الظاهري القرطبي الاندلسي (٣٨٣-٣٥٦)  
 الرسالة فى الموسيقى: يحيى بن ابى منصور  
 الرسالة فى السماع: ابو منصور البغدادى (؟-٣٢٩)  
 رشحات: حسين بن على اليهتقى البزوارى ثم البروى ملا واعظ كاشفى (؟-٩٢٠)



الردات الثقات: محمد بن احمد (مئس الدین ابو عبد اللہ) الذہبی التركمانی (۶۷۳-۷۳۸)  
 روضته الاحباب (فی سيرة النبي وآل واصحاب): جلال الدین عطاء اللہ بن  
 فضل اللہ اثیرازی الدمشقی الحسینی (؟-۸۰۳)

## ز

الزرقانی: (دیکھئے الموہب اللدنیہ)  
 زمزمہ عشاق (قلمی): تسلیم احمد بن شیخ محمد تمیز علی امرہوی کبوء

## س

ساکن الغرام الی روضات دار السلام: النواب صدیق حسن خاں القنوجی  
 (۱۲۳۸-۱۳۰۷)

سبع سنابل: میر عبد الواحد بکرای (؟-۱۰۱۷)  
 سماع و وحلت الوجود: القاضی ثناء اللہ الہانی پتی (؟-۱۲۲۵)  
 السنن والآثار والسنن الکبیر: ابو بکر احمد بن حسین البیہقی البیہقوری الشافعی  
 (۳۳۸-۳۵۸)

سنن ابی داؤد: ابو داؤد سلیمان بن اشعث البجستانی (۲۰۲-۲۷۵)  
 سنن ابن ماجہ: ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (۲۰۹-۲۷۳)  
 السنن الکبیر للنسائی: ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی ۲۱۳  
 (۲۱۵، ۲۲۱-۳۰۳)

سیر الاولیاء: (محمد مبارک علوی) خواجہ امیر خرد کرمانی (باخورد) خلیفہ خواجہ  
 نظام الدین اولیا

سیر الاقطاب: البدیہ بن عبد الرحیم بن حکیم بینا چشتی عثمانی

## ش

شرح خطبته القاموس: قاضی عبدالرحیم بغدادی ثم سورتی کجراتی (؟-۱۲۳۷)  
شمس المعارف (مکتوبات سلیمانی): مولانا شاہ سلیمان افشاروی  
(۱۳۵۳-۱۲۷۶)

شرح السنة: محی السنہ حسین بن مسعود البغوی (۳۳۶-۵۱۶ یا ۵۱۰)

## ص

صفوة التصوف: ابو الفضل محمد بن طاهر المتدسی المعروف ابن القیسرانی  
(۵۰۷-۳۳۸)

## ط

طبقات الشافعية الكبرى: ابو نمر تاج الدین عبد الوہاب بن علی السبکی (۷۷۱-۷۷۷)  
طبقات الشافعية: تقی الدین ابو بکر بن احمد بن القاضی شب (۷۷۹-۸۵۱)  
طبقات الفقهاء: عبدالرحیم بن حسن بن علی الانصاری الشافعی (۶۰۳-۷۷۷)  
طبقات ناصری: منہاج الدین عثمان بن سراج الدین عمر الجرجانی جوزجانی (؟-۶۶۰)  
الطريقة المحمدية و شرحه البريقنة المحمودية: محمد بن بکر علی المعروف برکلی  
(؟-۱۸۱)

## ع

عقائد العزيز: شاہ عزیز اللہ صنی پوری  
العقد المرید: احمد بن محمد بن عبد ربہ القرطبی (۲۳۶-۳۲۸)  
عقد الحواهر المسیفہ فی اذلتہ مذهب الامام ابی حنیفہ: ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد  
بن عبدالرزاق الحسینی الزبیدی الملقب بہ سید مرتضی الزبیدی (۱۱۳۵-۱۲۰۵)  
عمدة الرعاية (حاشیہ شرح وقایہ): مولانا عبدالحی فرنگی علی (۱۲۳۶-۱۳۰۳)  
عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین السورودی (۵۳۹-۶۳۲)

## غ

غاية المامول (حاشية التاج الجامع للاصول للازهري): منصور على ناصف للازهري  
(كان حيا في ۱۳۵۱)

غنية الطالبين: الشيخ عبدالقادر جيلاني البغدادی (۷۱۱-۵۶۲)

## ف

الفاروق: مولانا شبلي نعمانی (۱۲۷۳-۱۳۲۲)

الفتاوى التاتار خانيه: عالم بن علاء معاصر خان اعظم تاتار خان

الفتاوى الخيرية لنفع البرية: خير الدين بن علي الرطلي (۹۹۳-۱۰۸۱)

فوائد سعديه: (۵۶) قاضي القضاة ارتضى علي خان صفوى مدراسی (۱۱۹۸-۱۲۵۱)

فتاوى قاضى خان: فخر الدين حسن بن منصور الادورجندى القرغاني (؟-۵۹۲)

فتح البارى (شرح صحيح البخارى): ابن حجر العسقلاني ۷۷۳-۸۵۲

فرح الاسماع: (۵۷) محمد بن احمد التونسي الشاذلي

فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدين اوليا): امير حسن علاء بخري (؟-۷۳۶)

## ق

القديم والحديث: محمد كرو على (۱۲۹۳-۱۳۷۲)

قرع الاسماع في بيان احوال القوم واقوالهم في السماع: عبدالحق الحمدث الدهلوي

(۹۵۸-۱۰۵۲)

قوت القلوب (في معاملته المحبوب ووصف طريق المريد الى مقام التوحيد):

ابو طالب محمد بن علي الهكي (؟-۳۸۶)

## ك

الکامل: المبرد (۲۱۰-۲۸۵)

کتاب الاغانی: ابو الفرج علی بن حسین الاصطغانی (۲۸۴-۳۵۶)

کتاب اللولو والملاهی و نزہة المفکر السابی: احمد بن طیب الرضی (۲۸۶-۳۱۰)

کتاب معرفة الصحابة: اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن منده الاصبہانی (۳۱۰-۳۹۵)

کتاب الموسيقى الكبير: ابو نصر الفارابی (۲۶۰-۳۳۹)

کتاب الموسيقى الكبير: احمد بن طیب الرضی (۲۸۶-۳۱۰)

الکشاف عن حقائق التنزیل: محمود بن عمرو الرضی (۳۶۷-۵۳۸)

کشف الظنون عن اسماء الكتب والفنون: مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلبی

المعروف الخاچی خلیفه (۱۰۱۷-۱۰۶۷)

کشف المحجوب: ابو الحسن سید علی الغزوی البجوری (۴۰۰-۴۶۵)

کشف المفتاح عن وجوه السماع: مولانا فخر الدین زرادنی (۴۷۸-۵۰۰)

کف الرعاع: ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

کلام فی احصاء الایقاع: ابو نصر الفارابی (۲۶۰-۳۳۹)

کلام فی الموسيقى: ابو نصر الفارابی

کلمات طیبات: مرزا مظہر جان جاناں (۱۲۱۱-۱۲۸۱)

کنز الاحسان فی علم الادوار: عبد القادر بن فیہی المرائی (۸۳۸-۸۷۸)

کنز الوصول الی معرفة الاصول المعروف اصول البزودی: فخر الاسلام ابو الحسن علی

بن محمد البرزودی (۴۰۰-۴۸۴)

## گ

گلستان: شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی (۶۹۳-۷۶۳)

گنج ارشدی (موانع و ملفوظات جد مولف محمد ارشد جونپوری: (ابو الفیض قمر الحق)

غلام رشید بن محب اللہ بن بدر الحق محمد ارشد عثمانی جونپوری (۵۸) (۱۰۹۶-۱۱۶۷)

## ل

- لطائف اشرفى: سيد اشرف جاكثير سناني (٨٠٨-٤٨٨)  
 لطائف المنن: عبد الوهاب بن احمد الشحراني (٨٩٨-٩٤٣)  
 لمعات: الشاه ولي الله المحدث الدهلوي - (١١١٣-١١٤٦)  
 لمعات سليمانى: مولانا الشاه سليمان الفلادوى (١٢٤٦-١٣٥٣)

## م

- مثنوى معنوى: مولانا جلال الدين الرومى (٦٠٣-٦٤٢)  
 مجرد الاغانى: (ابو الفرج) على بن حسين الاصفهانى (٢٨٣-٣٥٦)  
 مجمع بحار الانوار فى غرائب التنزيل: محمد طاهر فقي (كجراتى) (٩١٣-٩٨٦)  
 مدارج النبوة: عبد الحق المحدث الدهلوي (٩٥٨-١٠٥٢)  
 مروج الذهب و معادن الجواهر: على بن حسين ابو على المسعودى (٣-٣٣٦)  
 المستدرک: ابو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابورى (٣٢١-٣٠٥)  
 المسند (او الجامع الصحيح): ابو بكر احمد بن الحسين البستى الشافعى (٣٨٣-٣٥٨)  
 المسند (او الجامع الصحيح): ابو محمد عبد الله التميمى الدارى (١٨١-٢٥٥)  
 مسند احمد بن حنبل: احمد بن محمد بن حنبل الشيبانى المروزي (١٦٣-٢٣١)  
 مسند الامام الاعظم (٨٠-١٥٠): زين الدين قاسم بن قلوبغا (٨٠٢-٨٤٩)  
 مسند الخوارزمى: ابو بكر احمد بن محمد البرقانى الخوارزمى (٢-٣٢٥)  
 مشکوة المصابيح: ولى الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخليل  
 (كان حيا" فى ٤٣٤)  
 مصباح اللغات: عبد الحفيظ بليادى  
 مصنف: ابو بكر بن ابى شيبة (١٥٩-٢٣٣)  
 مصنف: ابو بكر عبد الرزاق بن همام بن ثايف الصنعائى (١٢٦-٢١١)  
 معجم الادباء: ياقوت بن عبد الله ابو عبد الله الحموى (٢-٦٣٦)

المعجم الكبير والوسط والصغير: أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠-٢٦٠)  
معادن المعاني: (ملفوظات شيخ شرف الدين أحمد يحيى منير): شيخ زين بدر العربي (كان  
حياً في القرن الثامن)

معرفة السنن والآثار: أبو بكر أحمد بن الحسين الشافعي (٣٨٣-٣٥٨)  
مفاتيح الغيب المعروف بتفسير كبير: فخر الدين محمد بن عمر أبو عبد الله الرازي  
(٦٠٦-٩)

مفاتيح العاشقين: خواجة محب الله  
مفردات الفاظ القرآن: أبو القاسم حسين بن محمد المعروف راغب اصفهاني (٥٠٢-٩)  
المقاصد الحسنة في كثير من الاحاديث المشتهرة على الالسنه: أبو عبد الله  
محمد بن عبد الرحمن الحارثي (٨٣١-٩٠٢)  
مقاليد العلوم: علي بن محمد الجرجاني (٨١٦-٤٣٠)  
المقصود: مولانا عليم الله التفتازاني

المقنع في فروع الحنبليه وشرحه "الشافعي": عبد الرحمن بن محمد بن أحمد  
ابن قدامة الجا على الحنبلي (٥٩٤-٦٨٢)

مكتوبات امام رباني: شيخ أحمد سرهندي (٩٤١-١٠٣٣)

المنجد: الأب لويس مطوف اليسوعي (١٢٨٣-١٣٦٥)

المنهبة: أحمد بن سعيد المعروف ملا جيون (١٠٣٤-١١٣٠)

المواهب اللدنيه في المنح المحمديه: شهاب الدين أبو العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر  
القسطلاني (٨٥١-٩٢٣) و شرحه (اشراق مصابيح السير المحمديه يمزج  
اسرار المواهب اللدنيه): محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المالكي المصري  
(١٠٥٥-١١٢٢)

## ن

نزهة الحواطر: حكيم عبد الحمي كفتوي- (١٢٠٨-١٣٣١)

نشر المحاسن: عبد الله بن اسعد بن علي الياقيني ٦٩٨-٦٢٨

صب الرايه الاحاديث الهديه: جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الترمذى  
(؟-٤٦٢)

نغمه عشاق: (٥٩) مولانا نور الله محمد ايوبي (كان حيا" في القرن الثالث عشر  
نفائس الفنون فى عرائس العيون: محمد بن محمد الالمى  
نفحات الانس من حضرات القدس: مولانا نور الدين عبد الرحمان المعروف ملا جاي  
(٤١٤-٨٩٨)

نفح الطيب: جلال الدين ابن ابى بكر السيوطى (؟-٩١١)  
نور القبس: تاج الدين فزارى  
نبيل الاوطار: مدين على الشوكاني (١١٤٣-١٢٥٠)

## ٥

الهديه فى الفروع: برهان الدين على بن ابوبكر بن عبد الجليل الفرغانى والمرغينانى  
(٥٣٠-٥٩٣)

## حواشی

(۱) یہ حصہ مولانا ابوالحسن علی ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ سے بہ ترمیم سیر نقل کیا گیا ہے۔

(۲) ان اللہ تعالیٰ جمیل و یحب الجمال (مسلم و ترمذی عن ابن مسعود)

(۳) خوشبو جنت کی نعمتوں میں بھی ایک نعمت ہے۔ باوہ جنت کی تعریف یوں ہے: وختامہ مسک یعنی اس کی مہر (یا اس کا اختتام) مشک ہوگا۔ غالباً اس کا مفہوم وہی ہے جسے آج کل یوں کہتے ہیں کہ اس میں مشک کا Flavour ہوگا، یعنی ہر گھونٹ کے آخر میں مشک کی باس محسوس ہوگی۔

(۴) یہاں ایک بات اور بھی پیش نظر رکھئے۔ وہ یہ ہے کہ آیات زیور کے بعد جا بجا مسلاہ لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مفتی خود خاموش ہو جائے، مگر ساز بجتے رہیں۔ یہ طریقہ میں نے بعض صوفیا کے ہاں دیکھا ہے۔

(۵) اس حدیث کو سید مرتضیٰ زبیدی محدث حنفی نے بھی اتمام السادہ ج ۶ ص ۷۷ میں نقل کیا ہے۔

(۶) یہی روایت حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری ج ۹ ص ۶۳ میں نقل کی ہے۔

(۷) جوہری مفادوی نے یہ نظریہ ابن خلدون سے اخذ کیا ہے۔

(۸) الامتناع فی احکام السماع کے مولف امام کمال الدین ابو الفضل



جعفر بن ثعلب ادوی شافعی ہیں۔ ان کی وفات ۷۴۹ھ میں ہوئی ہے۔ یہ اکابر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا عبد الحمی فرنگی علی نے اپنے کئی رسالوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنه میں اور ابن شیبہ دمشقی نے طبقات الشافعیہ میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے۔ شیخ ابو حامد مقدسی (۸۱۹ - ۸۸۸ھ) نے اس کتاب الامتاع کی تحفیں بھی کی ہے جس کا نام تشنیف الاسماع ہے۔ اس کا حوالہ امام شوکانی بھی دیتے ہیں۔

(۹) مقدسی يعرف بابن التیرانی۔

(۱۰) ابن عیینہ وغیرہ نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے :

انه ذکر عند ابی یوسف الغناء فذكر قصة جبار ابی حنیفة ... انه كان له جبار وكان ليلة یغنی۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریمہ و سدا و اثر  
وكان ابو حنیفة یسمع الیه وانه فقد صوته فسال عنه فقیل له  
انه وجد فی اللیل و سجن فی سجن الامیر عیسیٰ فلبس عمامته  
و توجه الی الامیر و تحدث معه فقال لا اعرف ما اسمہ فقال ابو  
حنیفة اسمہ عمرو فقال الامیر یطلق کل منه اسمہ عمرو فاطلق  
الرجل فلما خرج قال له ابو حنیفة اضعناک؟ قال بل حفظت و  
تمام هذا انه قال له فصرالی ما کنت الیه و قد ضمن ذلک فی  
قصیدته ابو عمرو یوسف بن ہارون الکندی المعروف  
بالرمادی۔

ابو یوسف کے سامنے گانے بجانے کا ذکر ہوا تو آپ نے ابو حنیفہ کے  
ہمسائے کا ذکر کیا کہ .... آپ کا ایک پڑوسی تھا جو روزانہ شب کو یہ شعر گایا  
کرتا تھا:

(ترجمہ) لوگوں نے مجھے ضائع کیا اور کس نوجوان کو انہوں نے ضائع کیا؟  
وہ بھی جنگ اور سرحدی حفاظت کے دن۔“

ابو حنیفہ اسے سنا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آواز نہ سنی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ شب کو (مشتبہ حالت میں) پایا گیا، اس لیے امیر عینی کے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ آپ نے اپنا امامہ باندھا اور امیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سے بات کی تو اس نے کہا مجھے اس کے نام کا علم نہیں۔ ابو حنیفہ نے بتایا اس کا نام عمرو ہے۔ امیر نے کہا اس نام کے سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ غرض وہ آدمی بھی رہا ہوا۔ جب وہ باہر نکلا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا ہم نے تمہیں ضائع کیا؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ ضائع ہونے سے بچا لیا۔ یہ واقعہ یہاں یوں ختم ہوتا ہے کہ آپ نے اس سے کہا تم اپنا شغل (شعر گانے کا) جاری رکھو۔“

(۱۱) ملا علی قاری کے اپنے رسالے میں اور بریقہ محمودیہ شرح طریقہ

محمدیہ میں یہ مضمون بخیر درج ہے (ملاحظہ ہو بریقہ ج ۳ ص ۶۲)۔

(۱۲) النور السافر فی القرآن العاشر میں ان کے مفصل حالات موجود

ہیں۔ اور ملا علی قاری نے بھی ابتداً ان ہی سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۳) ایسی ہی ایک روایت ہے لعن اللہ المغنی و المغنی له گانے اور

گوانے والے دونوں پر خدا کی پٹکار ہے۔ امام بخاری المقاصد الحسنہ

ص ۱۵۶ میں اس روایت کے متعلق نودمی کی رائے لکھتے ہیں: قال النووی

انہ لا یصح یعنی یہ روایت صحیح نہیں۔

(۱۴) امام نابلسی کا ایک اور رسالہ بھی اسی سلسلے میں ہے جس کا نام ہے

تحفة لولی الالباب فی العلوم المستفادۃ من النای والشباب۔

(۱۵) یہ اشعار حکیم سنائی کے ہیں۔ اس کے آگے چند شعر یہ ہیں:

چو مرد سماع ست شہوت پرست

بآواز خوش خفته خیزد نہ مست  
پریشان شود گل بہاد سحر  
نہ ہمزم کہ زلفکش جز تہ  
جہاں پر سماع ست و مستی و شور  
و لیکن چہ بیند در آئینہ کور؟

(۱۶) لیکن سنج ارشدی میں بحوالہ ثمرات القدس مولانا قاضی ضیاء الدین  
سہاوی کے احتساب کا جو واقعہ لکھا ہے یوں ہے کہ سلطان المشائخ کی محفل سماع  
سے مزامیر کے ساتھ آواز غتا آ رہی تھی۔ صاحب لمعات سلیمانی نے  
اپنے ایک قلمی رسالے میں لکھا ہے کہ زیادہ تر سلطان المشائخ بلا مزامیری  
سماع سنتے تھے۔

(۱۷) سو خواری انفرادی سے زیادہ معاشری اور سوشل گناہ ہے۔

(۱۸) غالباً یہ اشارہ خانقاہ نماد یہ پٹنہ شہر کی طرف ہے جہاں وف بجائی جاتی ہے  
اور کوئی دوسرا باجا نہیں بجاتا۔

(۱۹) اونٹ کا حدی خوانی سے مست ہونا ایک ایسی حقیقت ہے کہ شیخ سعدیؒ  
بھی گلستان میں فرماتے ہیں:

وانی چہ گفت مرا آن بلبل سحری  
و ہم چہ آوی کز عشق بے خبری  
اشتر شعر عرب در حالت ست و طرب  
گر ذوق نیست ترا کثر فہم جالوری

یہ بحر میط ہے۔ قصیدہ بردہ اسی بحر میں ہے۔ مستغفل نطن مستغفل نطن۔

(۲۰) اس حقیقت کو قرآن نے ان انکرا الاصوات لصوت الحمیر فرما  
کر بیان کیا ہے۔

(۲۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی کند ذہنی اور جمود کا علاج یوں بتاتے ہیں:

”فلس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والے کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سماع میں رنگین اشعار ہوں اور وہ نغمے اور زیر و بم کے ساتھ گائے بھی جائیں، اور خاص طور پر وہ اشعار زیادہ موثر ہوتے ہیں جن میں اچھے استعارے ہوں، ان کے خافیے بہت عمدہ ہوں، ان کا اسلوب بیان وجد آور ہو، اس ضمن میں اس شخص کے لیے رباب اور ظبورے کی موسیقی بھی مفید ہے کیونکہ موسیقی سرور پیدا کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جو تاثیر کہ شراب میں ہوتی ہے۔ الغرض عشق پاکہاز ہو یا سماع شعرو نغمہ اگر کند ذہن اور جامد طبیعت والا برابر ان سے متنع ہوتا رہے تو وہ ”فوق“ ”فوق“ اس کے فلس ناطقہ میں اس سے ایک نہ ایک کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کا فلس ناطقہ ان کیفیات سے متصف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کند ذہن آدمی کا جود ٹوٹ جاتا ہے۔“ (لغات۔ مترجم پروفیسر محمد سرور، ص ۱۶۸)

(۲۲) یہ امام غزالی کے بھائی ہیں اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔

(۲۳) اسمہ محمد بن محمد بن محمد بن یحییٰ وهو ملقب بالحاسب ولد ۳۲۸ و مات ۴۷۶ (وفیات)

(۲۴) بوزجان بلدة بخراسان بین هراة و نيسابور (وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۳ ص ۳۵۳) و کتب النواب صدیق حسن خاں هذا اللفظ بالجیم فی کتابہ ”ابجد العلوم“ ج ۱ ص ۶۶۸ و ۶۶۹ و هذا غلط۔ الصحيح بالباء الموحدة كما كتبه أنفا۔

(۲۵) یہ امام وارفطنی کے استاد اور محمد بن جریر طبری کے شاگرد ہیں۔ ۲۸۳ھ میں ولادت ۳۵۶ھ میں وفات ہے۔ ”مذہب“ شیعہ تھے۔ یاقوت حموی ابن خلکان اور تنوخی نے (معجم الادباء) وفیات الاعیان وغیرہ میں ان کے علم و فضل کا بڑے شاندار الفاظ میں اعتراف کیا

ہے۔ روایات انساب، سیر، ادب، مغازی، ایام العرب، لغت، طب، بيطاری، نجوم کے ماہر تھے اور موسیقی کے امام۔ فن موسیقی پر کتاب الاغانی سے بلند پایہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ پچاس سال میں مکمل ہوئی تھی۔ بعد میں اس کی آٹھ دس تحلیلات کی گئیں۔ ابو الفرج نے مختلف فنون میں کوئی تیس کتابیں لکھی ہیں (غلامہ مضمون شیخ محمد احمد پانی پتی مندرجہ دو ماہی صحیفہ دسمبر ۵۹۹ و جنوری ۶۰۰ء)

- (۲۶) نیز مجرد الاغانی۔
- (۲۷) شاہ صاحب کا ایک قلمی رسالہ رضا لاہوری رام پور میں موجود ہے جس میں فن موسیقی کے علاوہ تمام آلات مزامیر کا بھی ذکر ہے۔
- (۲۸) غالباً یہی نظریہ ہے جسے حکیم شاکی یوں پیش کرتے ہیں۔
- جہاں پر سماع مست و مستی و شور و لیکن چہ بیندور آئینہ کور؟
- (۲۹) اس کا نام فارمہ بنت اسد تھا اور نکاح نیط بن جابر انصاری سے ہوا تھا۔ (التاج الجامع الاصول ج ۲ حاشیہ ص ۲۳۵)
- (۳۰) غزل کے معنی ہیں عورتوں سے دلچسپی لینا۔ یہاں گانے بجانے اور ترنم سے دلچسپی رکھنا مراد ہے۔
- (۳۱) اوپر ابتدا میں ہم یہ سب اشعار مع ترجمہ درج کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔
- (۳۲) اس کے الفاظ یوں ہیں:

أما بعثتم معاً ضاربة تضرب بالدف ونغني

تم نے اس دلسن کے ساتھ کوئی مغنیہ نہ کر دی جو گاتی بجاتی ہوئی جاتی؟

- (۳۳) مثلاً علامہ عبدالغنی نابلسیؒ کہتے ہیں واللہ عطف اللہ علی التجارۃ و حکم المعطوف حکم ما عطف علیہ وبالاجماع يحل التجارۃ ۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ نے اللہ کو التجارہ پر عطف کیا ہے اور معطوف د

معطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اور تجارت بالانفاق حلال ہے۔

(۳۴) وقال القسطلانی فی الارشاد الساری : هو الطبل الذی کان یضرب لقدم النجارة فرحا لقد ومها وعلما تسلانی لارشاد ساری میں کہتے ہیں کہ یہ وہ طبل ہے جو تجارتی قافلوں کے آنے کی خوشی میں یا اعلان کے لیے بجایا جاتا تھا۔

(۳۵) متدرک حاکم میں آگے یہ بھی ہے والبکاء علی الحیت من غیر نیاحة ، یعنی شادی کے علاوہ غم کے موقع پر بھی گانے بجانے کی اجازت ہے بشرطیکہ نوحہ نہ ہو۔

(۳۶) اس شرح کا نام ہے غایۃ المامول۔

(۳۷) غالباً ٹکڑے سے مراد جسم میں ایسی لچک پیدا کرنا ہے جو غلط جذبات پیدا کرے۔

(۳۸) یہاں قائل غور بات یہ ہے کہ گانے والی عورت کو بیچ کر دام کھانا حرام ہے تو نہ گانے والی عورت یا مرد کو بیچ کر کھانا کب حلال ہوگا؟

(۳۹) قرآن میں چار جگہ دنیا کو لو و لعب کہا گیا ہے۔ ہم نے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا ہے۔

(۴۰) سورہ ۶۹: ۳۰ تا ۴۳۔

(۴۱) اس وقت قوال یہ شعر گارہے تھے:

کشتگان خنجر حلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ان کے علاوہ ذوالنون مصری، شبلی، فراز، نوری، وراج رضی اللہ عنہم کی رحلت بھی حالت سماع میں ہوئی تھی۔ ان میں سے تین بزرگوں کی رحلت تو سماع کے تین دن بعد ہوئی اور باقی کی اسی سماع میں (لطائف اشرفی)۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے ابوالفتح کی رحلت بھی حالت سماع ہی میں ہوئی۔ (فوائد سعید یہ ملتانی ارتضاع علی خاں)

(۴۲) خاتم سلیمانی حصہ چارم ص ۲۷ ملفوظ ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف عین اس وقت آئے تھے جب غیاث الدین تغلق نے مجلس مناظرہ گرم کی تھی اور جواز سماع ثابت کرنے کے لیے خواجہ نظام الدین اولیا خود تشریف لے گئے تھے جیسا کہ اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں مذکور ہے۔

(۴۳) سماع کے محرک ہونے کے متعلق حضرت مولانا شاہ سلیمانؒ پھلواروی ایک مکتوب میں بڑے اچھے انداز سے اس حقیقت کو یوں کہتے ہیں۔ ”اے عزیز! بعض غذا و دوا مستحیل غلط غالب ہوتی ہے یعنی معدے اور جگر میں جو غلط غالب ہوتی ہے صحیح ہو یا فاسد‘ یہ اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ یہی حال سماع کا ہے کہ دل و دماغ میں جو خیالات ہوتے ہیں ان ہی کو یہ تیز کر دیتا ہے۔ پس جب تک دل و دماغ آلائش ظلماتی سے پاک نہ ہوں اور ان میں اصلی محبت کی خم ریزی نہ ہو‘ لا یجوز السماع حقا کم علم متشیعین چاہے جو سمجھیں مگر ہمارے یہاں رقاصی و ہاؤ ہو یا۔ جوابہ ہے۔ مقصود کچھ اور ہے۔ شمس المعارف۔ (مکتوب بنام مولوی محمد اسماعیل مدرس مشن سکول سیالکوٹ)

(۴۴) نواب صاحب نے اسے جو زبانی لکھا ہے جو غلط ہے۔ صحیح بوزجانی ہے۔

(۴۵) فرقہ اثنا عشری کے نزدیک پیوی کی رضامندی کے بعد اس کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح جائز ہے۔

(۴۶) یہ حدیث ایسی ہے جو سنی و شیعہ دونوں میں مسلم ہے۔ ویکیمیہ ترمذی و اصول کافی۔

(۴۷) اس کو ”آرڈی تنس“ کہتے ہیں جو وقتی ہوتا ہے۔

(۴۸) ایسی ہی ایک روایت ہے کہ لعن اللہ المغنی و المغنی لہ گانے اور گوانے والے دونوں پر خدا کی پھنکار ہے۔ امام سخاوی المقاصد

الحسنہ ص ۱۵۶ میں اس روایت کے متعلق نودی کی رائے لکھتے ہیں کہ :  
قال النورى لا يصح - یعنی یہ روایت صحیح نہیں۔

(۳۹ و ۵۰) اصل کتاب میں یہ دونوں لفظ لام تکریم کے بغیر لکھے ہیں۔ جو یقیناً کتابت کی غلطی ہوگی۔

(۵۱) یہ امام غزالی کے بھائی ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا نام احمد ہے۔

(۵۲) اسلامی رواداری کی یہ انتہا ہے کہ فقہاء ایسے اشعار گانا بھی ناجائز بتاتے ہیں جن میں کسی ذمی کا ذمہ ہو۔ دیکھیے فتنہ القدیر۔

(۵۳) ”اسلام اور موسیقی“ ص ۷۵ میں یہ حوالہ موجود ہے اور ثقافت ماہ اگست میں اصل عبارت بھی درج ہے۔

(۵۴) یہ تمام روایات ہم ”اسلام اور موسیقی“ میں لکھ چکے ہیں۔

(۵۵) حضوں نے اسے یحییٰ لکھا ہے اور بعض نے یحییٰ۔

(۵۶) یہ کتاب قلمی ہے جو قاضی القضاۃ ارتضیٰ علی خاں صفوی (گوپامو)

مدرس کے خاندان کے ایک فرد نواب عبدالحق نے حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پٹواری کو تحفے میں دی تھی۔ یہ مخطوطہ ہنود خانقاہ سلیمانہ پٹواری شریف کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(۵۷) اس کتاب اور اس کے مولف کا ذکر کئی جگہ زمزمہ عشاق میں آیا ہے۔ دیکھیے نغمہ عشاق کا حاشیہ۔

(۵۸) حکیم عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا سنہ وفات ۱۱۳۷ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(۵۹) نغمہ عشاق کے مولف مولانا نور اللہ پھر ایوبی کا ذکر زمزمہ عشاق

مولفہ حلیم احمد ولد شیخ محمد تمیز علی کبہہ امرہوی میں کئی جگہ آیا ہے۔ یہ ۲۵۸ صفحات پر مشتمل ہے اور کتب خانہ سلیمانہ پٹواری شریف میں موجود



ہے۔ زمزمہ عشاق ہی میں کئی جگہ محمد بن احمد تونسلی شاذلی اور ان کی کتاب کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کتاب میں سماع پر کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ مولوی امیر الدین علی متوفی ۱۲۷۸ نے مولانا نور اللہ ہی سے ان کی کتاب النور المطلق پڑھی۔ ان کی ایک کتاب انوار الرحمان لتنوير الجنان (مولانا عبدالرحمان لکھنوی متوفی ۱۲۳۵ء کے حالات و ملفوظات میں) مطبوعہ کالی پرشاد پریس لکھنؤ ۱۲۷۶ ہے۔ یہ مولانا عبدالرحمان موصوف کے مسترشد تھے۔

---



۱۵۵

۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۱، ۲۱۱

۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۵

ابو طالب مکی، امام: ۵۸، ۶۵، ۶۷، ۷۵

۱۱۸، ۱۱۹، ۱۹۱

ابو عبیده بن الجراح: ۵۶، ۵۸

ابو الفتوح غزالی: ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۳

ابو محمد بن حزم -- رک ابن حزم

ابو منصور بغدادی: ۵۲، ۵۸، ۶۲، ۶۳

۶۵، ۶۶، ۷۱، ۸۷، ۲۳۵، ۲۳۶

۲۳۷

ابو موسیٰ اشعری، امام: ۳۹، ۸۱، ۲۶۳

۲۶۵، ۳۰۱، ۳۱۰

ابو النجیب عبدالقادر سررودی: ۲۱۱

۳۰۴، ۳۰۸، ۳۲۳

ابو نصر فارابی: ۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸

۲۵۵، ۲۵۶

ابو الوقابو زجانی: ۳۵، ۳۹، ۷۲، ۱۴۰

۲۵۵، ۲۵۶

ابو هریرہ: ۳۰، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۹۰، ۳۰۹

۳۱۷

ابو یوسف، قاضی: ۷۰

احمد بن حنبل: ۲۶، ۳۰، ۶۵، ۶۶، ۶۸

۷۲، ۷۳، ۹۳، ۹۵، ۱۶۷، ۱۸۶

۲۳۱

۲۳۳، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۵۰، ۳۳۷

احمد بن سعید -- رک ملا جیون

ارسطاطالیس / ارسطو: ۲۵۵، ۲۵۶

اسحاق بن ابراہیم موصلی: ۱۳۹

اشرف جانیگیر سستانی، مخدوم: ۹۶، ۲۱۷

۳۳۱، ۳۳۰

افلاطون: ۱۳۹، ۱۴۰، ۲۵۳

اقبال، علامہ: ۲۶، ۲۲۴

امام اعظم -- رک ابو حنیفہ

امیر خسرو: ۲۱۲، ۲۳۱

النس بن مالک: ۲۶، ۱۵۱، ۱۶۳، ۱۶۴

۱۹۷، ۲۹۰، ۳۱۷

ادفوی، کمال الدین: ۵۳، ۶۸، ۶۹، ۷۹

۸۰، ۹۱، ۹۷، ۱۸۶، ۲۰۲

۲۵۰، ۲۷۸، ۲۷۹، ۳۳۳

بخاری، امام: ۳۳، ۳۴، ۶۸، ۱۳۸، ۱۹۳

بہاؤ الدین زکریا ملتانی سررودی: ۲۱۲

۲۱۶

بہاؤ الدین نقشبندی، شیخ: ۱۱۳، ۲۱۷

بیضاوی، قاضی: ۱۷۵

بیہقی: ۲۶، ۵۷، ۵۸، ۶۳، ۱۵۳، ۱۶۳

۱۶۴، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۱، ۲۱۱

تاج الدین الفزاری: ۵۳، ۵۴

تاج سین: ۲۲۵، ۳۲۳

ترمذی: ۲۳، ۲۶، ۳۲، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۶۱

۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۵

۲۰۰، ۳۰۷، ۳۱۷، ۳۱۹

تقی الدین بن رقی العید، شیخ: ۵۳،

۵۳، ۵۸، ۸۰، ۸۱، ۸۸، ۸۹

ثابت بن قره: ۱۳، ۲۵۵، ۲۵۶

ثالثه پانی چی، قاضی: ۹۰، ۹۷، ۱۰۲،

۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۲۱۰

جابر بن عبد الله: ۱۳۹، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۹۰،

۱۱۱

جای: ملا: ۱۳۲

جان جانان، مرزا مظفر: ۱۰۸، ۱۰۹، ۲۱۹

جعفر طیار، حضرت: ۲۱۱

جلال الدین حمیری، شیخ: ۲۱۳

جنید بغدادی: ۱۱۸، ۳۳۱

جوهری، فتاوی، علامه: ۳۵، ۳۶، ۱۳۳

جیون، ملا (احمد بن سعید): ۱۳۲، ۱۳۳،

۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۷۷

۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۲۹

حسان بن ثابت: ۵۸، ۶۱، ۶۲

حسن: ۷۶

حسن بصری: ۱۶۹

حمید الدین ناگوری، قاضی: ۲۱۳

خطیب بغدادی: ۱۵۷

خیر الدین رملی، علامه: ۹۶، ۱۳۲، ۲۰۳،

۲۰۷، ۲۱۰، ۳۲۹

داؤد، حضرت: ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶،

۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۷، ۴۸، ۴۹

۵۰، ۵۱، ۱۲۵، ۱۳۲، ۲۶۵، ۲۷۵

۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۶، ۳۱۸

داؤد الطائی، امام: ۶۹، ۷۰

ذبی: ۹۰، ۹۱، ۲۵۲، ۲۷۸، ۲۷۹

راغب اصفهانی، امام: ۲۲، ۱۷۲، ۱۷۶،

۲۶۳

ردی، مولانا: ۱۴۱، ۱۴۲

زجاج: ۲۲، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۹۹

زرکشی: ۱۸۹، ۱۹۰

سالم بن عبد الله بن عمر: ۶۰

سقاوی، امام: ۹۳، ۹۳، ۱۹۲، ۲۸۱، ۲۸۲

سعد بن ابی وقاص: ۳۰، ۵۸

سعید بن مسیب: ۵۹، ۶۰، ۸۷، ۸۸

سفیان ثوری: ۶۹، ۹۰، ۹۱، ۲۵۰، ۲۷۸،

۲۷۹، ۲۸۰

سلیمان، حضرت: ۳۶، ۳۷، ۲۵۵،

۲۵۷، ۲۵۸

سلیمان بعلواروی، مولانا شاه: ۱۱۳، ۱۴۰،

۲۵۳، ۲۶۰

معانی: ۲۲۱

سمانی، سید --- رک اشرف جماع

سمانی

شافعی، امام: ۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۹۳،

۹۵، ۹۸، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۷

شامی، علامه --- رک ابن عابدین شامی

شبللی نعمانی، مولانا: ۱۵۸

شرف الدین احمد یحییٰ منیری، شیخ: ۱۱۶،

۲۳۵

شرح: قاضی: ۶۲، ۸۸، ۸۷

شریف مرتضیٰ حسین زبیدی: علامہ سید:

۲۲، ۳۹، ۵۲، ۵۷، ۵۸، ۶۸

۹۳، ۱۳۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱

۲۳۶، ۲۶۳، ۲۹۹

شوکانی: امام: ۳۸، ۲۰۲، ۲۳۳، ۲۵۱

۲۵۲، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۹۳، ۳۰۲

شیانی: ۷۳، ۷۵

صدیق حسن خاں: نواب: ۳۲، ۹۲، ۱۱۱

۱۳۱، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۳۱

طبرانی: ۲۷، ۴۱، ۶۰، ۷۷، ۱۳، ۱۵۱، ۳۱۳

۳۱۷، ۳۱۹

طرطوسی: ابوالحسن علی بن محمد السخیل:

۵۶، ۱۷۳

عائشہ صدیقہ: حضرت: ۲۴، ۲۶، ۴۱

۴۲، ۴۳، ۵۸، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷

۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۰

۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۳۱۱، ۳۲۹

عبدالحامی فرنگی علی: ۲۱۰

عبدالحق محدث دہلوی: شیخ: ۷۰، ۷۲

۸۹، ۹۷، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۳، ۲۰۲

۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۸۳، ۲۸۵

عبدالرحمن بن حسان بن ثابت: ۸۱، ۶۲

عبدالرحمن بن عوف: ۵۶، ۵۸، ۶۷

۱۹۷

عبدالرحمن لکنوی: ۳۶۱

عبدالعزیز: شاہ: ۱۳۰، ۱۳۲

عبدالقی ثانی: علامہ: ۹۸، ۱۰۱، ۱۱۳

۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۵، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۱۰

عبدالقادر جیلانی: شیخ: ۱۱۳، ۱۱۵

عبدالقادر گنگوہی: شیخ: ۱۰۲

عبداللہ بن جعفر ہاشمی: ۵۲، ۵۳، ۵۴

۵۵، ۸۳، ۸۷، ۸۸، ۲۹۷

عبداللہ بن زبیر: --- رک ابن زبیر

عبداللہ بن عباس: --- رک ابن عباس

عبداللہ بن عمر: --- رک ابن عمر

عبداللہ بن مسعود: --- رک ابن مسعود

عبداللہ البستانی: ۲۲

عبدالوہاب شعرانی: ۷۶، ۷۸

عبید اللہ احرار: خواجہ: ۲۱۷

عثمان ذوالنورین: حضرت: ۵۷، ۱۵۳

۱۵۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹

عثمان ہارونی: ۱۱۶

عطاء بن یسار: ۲۵

علاء الدین قزوئی: ۲۵۲، ۲۷۹، ۲۸۰

علی: حضرت: ۸۳، ۸۷، ۸۸، ۱۵۴

۱۷۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۱۷

۳۲۳

علی ہجویری: سید (داتا گنج بخش): ۱۱۹

۲۳۳

عمر (فاردی): حضرت: ۴۱، ۵۶، ۵۷

۱۵۳'۱۵۳'۱۵۶'۱۵۸'

۱۶۱'۱۹۲'۲۹۲

عمر بن العاص: ۵۳'۵۵'۵۶

غزالی، امام: ۷۱'۸۳'۹۶'۱۲۲'۱۲۳'

۱۲۸'۱۲۹'۱۳۲'۱۳۲'

۱۸۷'۱۸۸'۲۳۶'۲۳۷'۲۳۸'

۲۸۶'۳۱۵'۳۳۱

غریب نواز، خواجه: ۲۱۵

غیاث الدین تغلق: سلطان: ۲۱۵'۲۱۶

قاطبه (بنت رسول): ۲۹۱'۲۹۲

فخر الدین رازی، امام: ۱۳۱'۱۳۲

فرید الدین گنج شکر، بابا: ۲۱۵'۲۳۳

قزوه: ۲۳'۱۷۸'۱۷۹'۳۰۶'۳۰۷'

۳۱۶

قزیری، امام: ۷۸'۸۹'۲۳۵

قطب الدین بختیار کاکی، خواجه: ۲۱۳'

۲۱۵

گیسودراز، سید محمد: ۲۱۶'۲۱۹'۳۳۰

مالک بن انس (امام مالک): ۲۵'۶۳'

۶۵'۶۸'۸۸'۸۹'۹۰'۹۳'

۹۵'۱۶۷'۱۷۳'۲۱۰'۲۳۳'

۳۳۶'۲۳۵

مالک بن سنان: ۳۱۸

امون الرشید: ۱۳۹

ماوردی / الماوردی: ۵۳'۵۵'۵۷'

۱۸۹

میرد: ۵۶'۵۷'۵۸'۶۱'

مجاهد: ۲۳'۱۷۶'۱۷۸'۳۰۳'۳۰۵'

۳۰۶'۳۰۷'۳۰۸'۳۰۹'۳۱۶'

۳۲۳

محمد، امام: ۶۹

محمد بن احمد مغربی تونس الشاذلی: ۷۹'

۸۰'۸۲'۳۲۹'۳۳۳'

مسلم: ۳۹'۴۳'۱۳۸'

مسح بن مریم: ۲۶۹'۲۷۳'

معین الدین چشتی، خواجه: ۲۱۳'

مودود چشتی، خواجه: ۱۱۶'

موسی، حضرت: ۱۳'۱۸'۳۱'۳۶'۳۷'

نجم الدین کبرئ: ۲۱۳'۲۱۳'

نسائی: ۲۵'۲۶'۳۹'۴۰'۴۳'۱۳۸'

۱۵۱'۱۵۸'۱۶۷'۲۰۰

نصیر الدین محمود چراغ دلوئی: ۱۱۶'۱۱۹'

۲۱۵'۲۳۵

نظام الدین اولیا: ۱۱۶'۲۱۵'۲۱۶'۲۳۱'

۲۳۳'۳۱۵

نوری / النودی: ۹۳'۹۳'۱۸۵'۱۸۹'

۱۹۰'۱۹۲'۲۰۲'۲۸۱'۲۸۲'

در کتب: ۲۳'۵۹'۳۰۷'۳۰۸'۳۰۹'

۳۲۹

ولی الله محدث دلوئی، شاه: ۱۲۰'۱۳۲'

۲۵۳

بارون الرشید: ۶۸'۷۰'

یحییٰ بن ابی کثیر: ۲۳، ۳۰۶، ۳۰۸،

۳۰۹، ۳۱۶، ۳۲۳

یعقوب: "حضرت: ۱۶، ۲۶۹

یعقوب بن اسحاق الکندی: ۱۳۶

مرتب: اشفاق انور

